تفہیم المتعلم
شرح اردو
تعلیم المتعلم
طریق التعلم
شارح:
عبد الرزاق قاسمی
استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم جامع مسجد امروہہ
۲۴۷۵۵۴
زکریا بکڈپو دیوبند، سہارنپور یوپی

تفصیــــلات

نام کتاب : تفہیم المعلم شرح اردو تعلیم المتعلم طریق التعلم

شارح : عبدالرزاق قاسمی

سن اشاعت : ۲۰۰۷ء

تعداد اشاعت : ۱۱۰۰ رگیارہ سو

کمپوزنگ : کلاسک کمپیوٹرس دیوبند 09358357033

ناشر : مکتبہ ہاشمی امروہہ

قیمت

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ
انتساب	۴
اظہار مسرت: حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب	۵
تقریظ: حضرت مولانا مزمل حسین صاحب	۶
حرف گفتنی	۷
شرح کی خصوصیات	۹
مصنفؒ کے حالات	۱۰
مقدمہ المؤلف	۱۱
فصل في ماهية العلم والفقه وفضله	۱۸
فصل في النية حال التعلم	۳۸
فصل في اختيار العلم والأستاذ	۵۱
فصل في تعظيم العلم وأهله	۶۹
فصل في الجد والمواظبة والهمة	۹۲
فصل في بداية السبق وقدره وترتيبه	۱۲۸
فصل في التوكل	۱۶۲
فصل في وقت التحصيل	۱۷۲
فصل في الشفقة والنصيحة	۱۷۵
فصل في الاستفادة	۱۸۴
فصل في الورع حال التعلم	۱۹۱
فصل في مايورث الحفظ وفي مايورث النسيان	۲۰۰
فصل في مايجلب الرزق وما يمنعه	۲۱۰
خاتمه	۲۲۸

انتساب

احقر اپنی اس طالب علمانہ کوشش کو والدین محترمین کی طرف منسوب کرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، جن کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کے نتیجہ میں بندہ اس خدمت کے لائق ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں راحت وسکون عطا فرمائے۔

نیز بندہ اپنی اس خدمت کے انتساب کو جملہ اساتذۂ کرام کی جانب بھی اپنی سعادت تصور کرتا ہے، جن کی بے پناہ شفقت اور تعلیم وتربیت کے طفیل کچھ لکھنے وپڑھنے کا ذوق پیدا ہوا۔

اخیر میں تمام مدارس اسلامیہ کی طرف منسوب کرنا بھی قابل فخر ہے جن کی چہار دیواریوں میں رہ کر علوم اسلامیہ سے آشنائی کی توفیق ملی خصوصاً: دارالعلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ اور مدرسہ اسلامیہ مصباح الظفر ڈھکہ کے نام اس کا انتساب کرتا ہوں۔ ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

محمد عبدالرزاق قاسمی
خادم جامعہ اسلامیہ عربیہ (قاسم العلوم)
جامع مسجد امروہہ
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

اظہار مسرت

حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم جامع مسجد امروہہ

حامداً و مصلیاً: امابعد! چھٹی صدی ہجری کے مشہور و معروف عالم، صاحب ہدایہ کے شاگرد رشید، علامہ برہان الدین زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شاہکار تصنیف "تعلیم المتعلم طریق التعلم" جس میں موصوف نے طلبۂ علوم دینیہ کی تعلیم و تربیت، تحصیل علم کے اصول و آداب، اصلاح احوال، تکرار و مطالعہ اور درس و تدریس کے مجرب اور کارگر طریقے بیان فرمائے ہیں اور جس کو خصوصی طور پر آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال سلف، بزرگان دین کے پند و نصائح اور مختلف ادوار میں پیش آمدہ سبق آموز واقعات سے مزین کیا ہے، اپنے موضوع پر ایک جامع اور مفید کتاب ہے۔ علمی انحطاط، تربیت کے فقدان نیز طلبہ کی دینی علوم سے روز بروز بڑھتی ہوئی بے رغبتی اور بد شوقی کے اس دور میں ان جیسی کتابوں کی ضرورت اور دو چند ہو گئی ہے، لیکن طلبہ کی اخلاقی تربیت اور اصلاح احوال کے لیے ان کتابوں کی محض تدریس کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ اساتذۂ کرام طلبہ کی شب و روز کی عملی زندگی پر بھی گہری نگاہ رکھیں رکھی جائے، اور کتاب میں دیئے ہوئے اصولوں کے مطابق ان کو ڈھالنے کی بھرپور سعی کی جائے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ جامعہ کے مؤقر استاذ محترم جناب مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب زید علمہ نے اس کتاب کی آسان اور سلیس اردو میں شرح فرمائی ہے، یہ ناچیز اپنی گوناگوں مصروفیات اور مسلسل طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کتاب کو حرف بہ حرف تو نہیں دیکھ سکا، تاہم جہاں سے بھی دیکھا موصوف کی محنت و لگن اور جد و جہد کا اندازہ ہوا، کہ ماشاء اللہ شرح کو مفید اور کامیاب بنانے میں انہوں نے خوب عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ رب کریم اس کتاب کو طلبہ و اساتذہ سب کے لیے یکساں بنائے اور محترم شارح کو مزید علمی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(مولانا) محمد قاسم (صاحب)

مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم جامع مسجد امروہہ

۲۵/۴/۱۴۲۷ھ

تقریظ

حضرت مولانا مزمل حسین صاحب مظفر نگری مدظلہ العالی

(استاذ دار العلوم دیوبند)

صاحب ہدایہ کے شاگرد شیخ "برہان الدین زرنوجی" کی کتاب "تعلیم المتعلم طریق التعلم" اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب ہے، تقریباً سات سو سال سے یہ کتاب داخلِ نصاب چلی آرہی ہے۔ کتاب کی یہ مقبولیت جہاں مصنف کے خلوص وللّٰہیت کی دلیل ہے، وہیں اس کی افادیت ونافعیت کا بھی واضح ثبوت ہے۔

کتاب کا موضوع ان اخلاق، عادات، صفات اور اعمال وافعال کو بیان کرنا ہے، جن سے آراستہ و پیراستہ ہوکر اور ان کی ضد سے دوری اختیار کر کے ہی صحیح معنی میں دین کا علم حاصل کرنیوالا طالب علم دین کہلا سکتا ہے، اور وہی اس علم سے کما حقہ استفادہ کرسکتا ہے اور مستقبل میں دین کا خادم، اور قوم کا مقتدیٰ و پیشوا بن سکتا ہے، اور عزت و بلندی کے اس مقام کو چھو سکتا ہے جس کی نواب زادوں، صاحبزادوں بلکہ شاہوں تک کو ہوا نہیں لگتی ہے۔ کتاب عام طور پر آسان ہے، تاہم اشعار، اور دیگر کچھ مقامات ایسے ہیں، جن کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے، اور اس مشکل میں کتابت وطباعت کی وہ اغلاط مزید اضافہ کردیتی ہیں جن سے عام طور پر رائج نسخے محفوظ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ دیگر نسخوں کی مدد سے کتابت وطباعت کی اغلاط کی اصلاح کی جائے۔ اور کتاب کی ایسی شرح کیجائے، جس میں عبارت کا حل ہو، کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق ہو، ترجمہ ایسا بامحاورہ ہو کہ اس کی تطبیق عبارت پر آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے! مولانا عبدالرزاق صاحب امروہوی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کو جنھوں نے بڑے سلیقہ اور ڈھنگ سے اس ضرورت کی تکمیل کی ہے۔ احقر نے اس کے کافی حصہ پر نظر ڈالی ہے، اور کہیں کہیں ضروری مشورے بھی دیئے ہیں، جنھیں موصوف نے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا ہے، اپنے مطالعہ کی روشنی میں مجھے یہ لکھنے میں کوئی تامل محسوس نہیں ہورہا ہے کہ اب تک اس کتاب کی جو اردو شروحات سامنے آئی ہیں ان میں یہ شرح اپنی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ممتاز مقام کی حامل ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کو نافع و مفید بنائے۔

مزمل حسین مظفر نگری غفرلہ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند

۲۰/۱۲/۱۴۱۷ھ

﴿حرف گفتنی﴾

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. أما بعد:

زیر نظر کتاب "**تفهيم المتعلم**" چھٹی صدی ہجری کے بلند پایہ بزرگ، صوفی، فقیہ وقت علامہ امام برہان الدین زرنوجیؒ کی شہرۂ آفاق مقبول ترین کتاب "**تعليم المتعلم طريق التعلم**" کی اردو شرح ہے، تعلیم المتعلم کو مصنفؒ نے جس خلوص اور جذبہ کے ساتھ لکھا ہے وہ اس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف سے جھلکتا نظر آتا ہے، اس کی افادیت علماء، صلحاء اور طالبان علوم نبوت سے مخفی نہیں ہے، اس کی اہمیت اور افادیت کو بتلانے کے لیے یہی کافی ہے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر چلنے والے اکثر مدارس اسلامیہ نے اس کو عرصۂ دراز سے اپنے نصابہائے تعلیم میں جگہ دی ہے، لیکن سوئے اتفاق کہ اس کتاب کی اشاعتوں کے دوران متن کی تصحیح کا اہتمام نہیں کیا گیا، خصوصاً ہندوستان سے شائع ہونے والے اس کے تمام نسخے اغلاط سے بھرے ہوئے تھے، جن کی تصحیح ایک امر ناگزیر تھی۔

حسن اتفاق کہ ۱۴۲۶ھ میں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں بندے کو اس کتاب کی تدریس کا موقع ملا، ضرورت کے پیش نظر کتاب کے متعدد نسخے حاصل کیے اور متن کی تصحیح کا کام شروع کیا، تدریس وتصحیح کے دوران کتاب میں بہت سی مشکل لغات سے سابقہ پڑا، جس کے لیے مناسب سمجھا کہ ان کی کچھ مختصر سی تحقیق نوٹ کردی جائے، چنانچہ عربی زبان ہی میں مشکل لغات کا حل، اشعار کی تشریح اور پیچیدہ عبارات کی ترکیب وتوضیح کا بی پر نوٹ کی، بعد میں خیال آیا کہ کتاب میں مصنفؒ نے جن احادیث کو نقل کیا ہے ان کی تخریج بھی کردی جائے تو افادیت اور بڑھ جائے گی، بفضلہ تعالیٰ یہ کام بھی ہوگیا، اس کے بعد اپنے مشفق ومہربان حضرات اساتذہ کرام کی خدمت میں یہ کام پیش کیا، حضرات اساتذہ کرام نے اس کو سراہا اور مزید مفید مشوروں سے نوازا، بالآخر یہ متن تصحیح اغلاط اور عربی

حواشی کے ساتھ شائع ہوگیا، اور طالبان علوم نبوت نے اس کو بنظر تحسین وقبول دیکھا۔

(ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء)

دوسرے سال پھر اس کتاب کی تدریس بندے سے متعلق کی گئی تو یہ خیال ہوا کہ کیا ہی بہتر ہو کہ فصیح وبلیغ اشعار، مشکل ومغلق عبارتوں اور اس میں وارد احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلیس اردو زبان میں مختصر وجامع تشریح مع حل لغات وترجمہ ہو جائے، تاکہ اس کی افادیت عام ہو جائے، اتفاق سے جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے بیش قیمت کتب خانہ میں اس کی ایک عربی شرح جس کو شیخ ابن ابراہیمؒ نے تصنیف کیا ہے، مل گئی بندے کو اس شرح کی کافی دنوں سے تلاش تھی، اس عربی شرح کے دستیاب ہونے کے بعد بندے کے سابقہ خیالات عزائم میں تبدیل ہوگئے، بعض مخلص اساتذہ اور دوستوں سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے نہ یہ کہ صرف سراہا بلکہ اس عزم کو عملی جامہ پہنانے کا حکم فرمایا، ان حضرات کی نیک تمناؤں کے نتیجہ میں آج (مورخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) بحمد اللہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے اور بندے کے لیے دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنائے۔

احقر اپنی علمی بے مائگی کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم حضرات سے درخواست گزار ہے کہ شرح میں کہیں کوئی خامی، کمی اور کوتاہی نظر آئے تو براہ کرم اپنے مفید مشوروں سے نوازیں، آپ کے مشورے تشکر وامتنان کے ساتھ قبول کیے جائیں گے۔

اخیر میں ضروری ہے کہ اپنے ان معاونین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں، جنہوں نے اس شرح کی تکمیل میں بندے کا کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد عبدالرزاق قاسمی

خادم جامعہ اسلامیہ عربیہ (قاسم العلوم)

جامع مسجد امروہہ

۱۵/۴/۱۴۲۷ھ

﴿شرح کی خصوصیات﴾

(۱) ”تعلیم المتعلم طریق التعلم“ کے متعدد نسخوں سے متن کی تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ اصح النسخ ہے۔

(۲) ہر فصل کے شروع میں اجمالی طور سے پوری فصل کا خلاصہ لکھا گیا ہے تا کہ فصل کا سمجھنا آسان ہو۔

(۳) ترجمہ سلیس اور با محاورہ کیا گیا ہے، ترجمہ کرتے وقت محذوف عبارت کی توضیح بین القوسین کی گئی ہے۔

(۴) مشکل الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق مفصل طور سے کر دی گئی ہے تا کہ ترجمہ اور مطلب سمجھنے میں سہولت ہو۔

(۵) افعال کے ساتھ صلات کے استعمال کو بھی تحقیق میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) عبارت کی قابل قبول تشریح قرآن وحدیث اور اقوال اسلاف کی روشنی میں کی گئی ہے۔

(۷) متن میں ذکر کردہ حدیث کی سندی حیثیت کو بھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

(۸) پوری کتاب میں عموماً اور عربی متن میں خصوصاً ”رموز املا“ کی حتی الامکان رعایت کی گئی ہے۔

(۹) مشکل اشعار یا پیچیدہ عبارت کی ترکیب نحوی بھی لکھی گئی ہے۔

مصنفؒ کے حالات

آپ کا اسم گرامی برہان الدین زرنوجیؒ ہے چھٹی صدی ہجری کے نصف ثانی میں آپ مقام ''زرنوج'' میں پیدا ہوئے، جو کہ ماوراء النہر کا علاقہ ہے۔

علمی نشو نما:

شیخ برہان الدین زرنوجیؒ نے مسلک حنفی کی مستند و مشہور کتاب ''ہدایہ'' کے مصنف برہان الدین علی بن ابی بکر حنفی مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) کے پاس علوم اسلامیہ کو حاصل کیا ہے، خصوصاً علم فقہ میں آپ کو بڑی بصیرت حاصل ہوئی، مؤرخین آپ کی سوانح لکھنے سے اپنی لاعلمی کا ظہار کرتے ہیں، کسی کتاب میں آپ کی مفصل سوانح نہیں ملتی، البتہ اکثر مؤرخین نے آپ کو چھٹی صدی ہجری کا بڑا فقیہ اور خداترس مخلص انسان شمار کیا ہے۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف کے ذکر سے بھی کتب تواریخ خالی ہیں، البتہ آپ کی اس مختصر اور جامع کتاب ''تعلیم المتعلم طریق التعلم'' کا سبھی نے تذکرہ کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علامؒ نے اپنے آپ کو شہرت و ناموری سے دور رکھا ہے اور عزلت گزینی و خلوت نشینی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا ہے۔ (مقدمہ تعلیم المتعلم ص ۱۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المقدمة

الحمدُ لِلّٰہ الذي فَضَّلَ بَنِي آدَمَ بالعِلْم والعَمَلِ عَلىٰ جَمِيع العَالَم، وَالصَّلاَةُ والسَّلاَمُ على مُحَمَّدٍ سَيِّدِ العَرَبِ وَالعَجَمِ، وَعَلىٰ آلِه وأصْحَابِه يَنَابِيْعِ العُلُوْمِ والْحِكَم.

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے انسانوں کو علم وعمل کے ذریعہ تمام جہاں پر فضیلت بخشی، اور درود وسلام نازل ہو عرب وعجم کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل واولاد اور ان صحابہ پر جو علوم وحکمت کے سرچشمے ہیں۔

حل لغات: الحمد: فعل حسن کی ستائش اور تعریف، اور اصطلاح میں حمد کی تعریف یہ کی جاتی ہے: "هُوَ الوَصْفُ بالجَمِيْلِ الاخْتِيَارِيِّ عَلىٰ جِهَةِ التَّعْظِيمِ." یہاں پر الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ الف لام جنس کا ہو۔ **فَضَّلَ:** فَضَّلَه (تفعیل أصلہ: فَضَلَ صحیح سالم) تفضیلاً: فضیلت بخشنا، ترجیح دینا، دوسرے کو بڑھا ہوا اور فائق سمجھنا۔ **سَيِّد:** ہر واجب الاطاعت شخص، سردار، بادشاہ، عصر حاضر میں توسعاً ہر معزز آدمی کے لیے مستعمل ہے، (ج) سَادَةٌ وسَيَائِد. آتی ہے **العَرَب:** یہ اسم جنس ہے بمعنی: سامی الاصل جزیرہ نمائے عرب کے باشندے، **العَجَم:** یہ عَجَمِي کی جمع ہے، ان تمام افراد پر عجم کا اطلاق ہوتا ہے جو عربی النسل نہ ہوں خواہ عربی زبان بولیں یا نہ بولیں۔ **آله:** اس کی اصل "أهل"

ہے بمعنی کنبہ، افراد خانہ، متبعین و متعلقین، ویسے اس لفظ کا استعمال اشراف کے ساتھ خاص ہے خواہ وہ اخروی اعتبار سے باشرف ہوں یا دنیوی اعتبار سے، جیسے آل محمدؐ و آل فرعون۔ یہاں آل محمدؐ سے مراد آپؐ کی ازواج مطہرات اور اولاد ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی آل میں ہر متقی مؤمن شامل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: **كُلُّ مؤمن تقي فهو آلي. أَصْحَاب:** صاحب کی جمع ہے، جیسے **أطهار طاهر** کی جمع ہے، بمعنی دوست اور رفیق، اور شرع میں اصحاب کا اطلاق ان پر ہوتا ہے جنہوں نے ایمان کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہو۔ **يَنَابِيع: يَنْبُوْع** کی جمع ہے بمعنی پانی کا چشمہ، **الحِكَم: حكمة** کی جمع ہے بمعنی دانائی، علم و معرفت اور اعلیٰ ترین علوم کے ذریعہ اعلیٰ ترین اشیاء کا علم۔

تشریح: مصنفؒ نے دیگر مصنفین کی طرح اپنی اس کتاب کا آغاز بھی الحمد سے کیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی تعریف میں اس کے احسان عظیم کا بھی اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہی احسان ہے کہ اس نے تمام مخلوقات پر انسان کو فضیلت عطا فرمائی، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَنِي آدَمَ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً**". پھر مصنفؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل و اولاد اور آپؐ کے تمام صحابہ پر درود و سلام بھیجا تا کہ فرمانِ خداوندی: **اِنَّ اللّٰه وَمَلاَئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً**" پر عمل ہو جائے۔ اس مختصر سی تعریف کے بعد آئندہ سطور میں مصنفؒ اس رسالہ کی وجہ تالیف اور اس کے نہج و اسلوب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

وَبَعْدُ! فَلَمَّا رَأَيْتُ كثيراً مِن طُلاَّبِ العِلْمِ فى زَمَانِنَا يَجِدُّوْنَ إلى العلمِ ولا يَصِلُوْنَ إليه، ومِنْ مَنَافِعِه وثَمَرَاتِه– وهي العملُ والنَّشْرُ– يُحْرَمُوْنَ، لِمَا أنهم اَخْطَاؤُا طَرَائِقَه وتركوا شَرَائِطَهُ، وكُلُّ مَنْ أخطأ الطريقَ ضَلَّ، فَلاَ ينالُ المقصودَ قَلَّ أو جَلَّ، أَرَدْتُ وأَحْبَبْتُ ان أُبَيِّنَ لهم طريقَ التعلّم على

مارأيتُ في الكُتُبِ، وسمعتُ مِن أساتيذي أولي العلمِ والحِكَمِ، رَجَاءَ الدعاءِ لي مِنَ الراغبين فيه، المخلصين بالفَوْزِ والخَلاَصِ في يوم الدين بَعْدَ ما استخرتُ الله فيه.

ترجمہ: حمد وصلاۃ کے بعد! جب میں نے اپنے زمانے کے بہت سے طلبہ کو دیکھا کہ وہ حصول علم میں بڑی محنت کرتے ہیں لیکن علم تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، اور علم کے منافع وفوائد (اور وہ اس پر عمل کرنا اور اس کی نشر واشاعت کرنا ہے) سے محروم رہتے ہیں، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حصول علم کے طریقوں میں غلطیاں کیں اور اس کی شرطوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور (یہ حقیقت ہے کہ) جس شخص نے بھی غلط راہ اختیار کی ہو گم راہ ہوگیا، اور وہ معمولی یا عظیم الشان کسی بھی مقصد کو حاصل نہ کرسکا (جب طلبہ کی صورت حال یہ ہوئی) تو میرا ارادہ اور خواہش یہ ہوئی کہ طلبۂ حصول علم کا وہ طریقہ بتا دوں جو میں نے کتابوں میں پڑھا ہے، اور اپنے ذی علم ودانش مند اساتذہ سے سنا ہے، مخلص شائقین علم سے اپنے لیے کامیابی اور روز جزاء میں عذاب سے رستگاری کی دعاؤں کی اُمید کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ سے استخارہ کرنے کے بعد (میں یہ کتاب تالیف کررہا ہوں)

حل لغات: فَلَمَّا: یہ لما شرطیہ ہے اس کی جزاء أردت وأحببت سے آرہی ہے۔ يجدُّون: جَدَّ في الأمرِ وإليهِ (ض، صحیح مضاعف) جِدّاً: محنت کرنا، یہ رأیت کا مفعول ثانی ہے، يصلون: وَصَلَ المكانَ وإليه (ض، معتل الفاء، مثال) وُصُولاً: پہنچنا۔ منافع: منفعة کی جمع ہے ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھایا جائے، يُحْرَمُون: حَرَمَ فلاناً الشيئَ (ن، صحیح سالم) حرماناً: محروم کرنا، طرائق: طريقة کی جمع ہے بمعنی راستہ، طریقہ، منہج، شرائط: شريطة کی جمع ہے بمعنی شرط، جس کے بغیر شی کی اصل تک نہ پہنچا جائے۔ كُلُّ من أخطأ الخ یہ جملہ معترضہ ہے، ضَلَّ: (ض، صحیح مضاعف) ضلالاً: بھولنا، گم راہ ہونا۔ جَلَّ (ض، صحیح مضاعف) جلالاً: عظیم المرتبت ہونا، رَجَاء:

مصدر ہے رَجَا یَرْجُو (ن، معتل اللام، ناقص) رجاءً: اُمید کرنا۔ اور یہ اُبَیِّنُ کا مفعول له ہے اَسَاتِیْذ: اُستاذ کی جمع ہے، بمعنی معلم، ماہرفن، دوسری اور مشہور جمع "اَسَاتِذَة" ہے۔ الراغبین: راغب کی جمع ہے رَغِبَ (س، صحیح سالم) رَغبًا: شوقین ہونا۔ الخَلاص: خَلَص (ن، صحیح سالم) خلوصاً وخلاصاً بمعنی صاف ہونا، چھٹکارا پانا، استخرت: استخاره (استفعال، معتل العین، اجوف) استخارةً بمعنی کسی معاملہ میں خیر طلب کرنا، بالفوز والخلاص: یہ دونوں جار مجرور سے مل کر "الدعاء" سے متعلق ہوں گے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے موجودہ زمانہ میں طلبہ کی محنت کے باوجود ناکامی اور محرومیٔ علم وعمل کے اسباب کو بیان کیا ہے، کہ طلبہ کے علم سے محرومی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حصولِ علم کے طریقوں میں غلطی کرلی اور علم کے لیے جو شرائط درکار ہیں ان کو نظر انداز کردیا، اس لیے وہ حصولِ علم میں کامیابی حاصل نہیں کرپاتے، اس لیے کہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جو آدمی راستہ ہی بھٹک جائے تو وہ ہرگز ہرگز مقصود کو حاصل نہیں کرپائے گا، حصولِ مقصود کے لیے تو صحیح راستہ پر گامزن ہونا ضروری ہے، اب طلبہ بھی حصولِ علم کے صحیح راستے سے بھٹک گئے تو بھلا وہ اپنے مقصدِ عظیم کو کیسے پاسکتے ہیں۔

مصنفؒ نے طلبہ کی اس صورت حال پر نظر عنایت کی، اور ان کی تربیت کے حوالے سے خداوند قدوس کی بارگاہ میں استخارہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے لیے اسلاف و اکابر کا طریقۂ کار بیان کردیا جائے، چنانچہ جو طریقہ انھوں نے کتابوں میں پڑھا اور جس کو اساتذہ کرام سے سنا اس کو شائقین علم کی خدمت میں پیش کررہے ہیں، ساتھ ساتھ یہ بھی درخواست کررہے ہیں کہ شائقین علم مقصود میں کامیابی اور عذاب آخرت سے خلاصی کے لیے مصنفؒ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

وسمیته "تعلیم المتعلم طریق التعلم" وجعلته فصولاً:

فصل: في ماهية العلم، والفقه، وفضله.

فصل: في النية حال التعلم.

فصل: في اختيار العلم، والأستاذ والشريك والثبات عليه.

فصل: في تعظيم العلم وأهله.

فصل: في الجد والمواظبة والهِمّة.

فصل: في بداية السبق وقدره وترتيبه.

فصل: في التوكل.

فصل: في وقت التحصيل.

فصل في الشفقة والنصيحة.

فصل: في الاستفادة.

فصل: في الورع حال التعلم.

فصل: في مايُوْرِثُ الحفظ، وفي مايورث النسيان.

فصل: في مايجلب الرزق وما يمنعه، وما يزيد في العمر وما ينقص.

وما توفيقي إلّا بالله، عليه توكلتُ وإليه أنيب.

ترجمه: میں نے اس کتاب کا نام "تعلیم المتعلم طریق التعلم" رکھا ہے، اور اس کو چند فصلوں پر منقسم کیا ہے۔

پہلی فصل: علم وفقہ کی تعریف اور اس کی فضیلت کے بیان میں۔

دوسری فصل: حصول علم کے وقت نیت کے بیان میں۔

تیسری فصل: علم، استاذ رفیق درس کے انتخاب اور مستقل مزاجی کے بیان میں۔

چوتھی فصل: علم اور اہل علم کی تعظیم کے بیان میں۔

پانچویں فصل: محنت، پابندی اور بلند حوصلے کے بیان میں۔
چھٹی فصل: سبق کے آغاز، اس کی مقدار خواندگی اور ترتیب کے بیان میں۔
ساتویں فصل: توکل اور اللہ پر بھروسہ کرنے کے بیان میں۔
آٹھویں فصل: تحصیل علم کے اوقات کے بیان میں۔
نویں فصل: شفقت، مہربانی اور خیر خواہی کے بیان میں۔
دسویں فصل: استفادے کے بیان میں۔
گیارہویں فصل: زمانۂ طالب علمی میں تقویٰ اور طہارت کے بیان میں۔
بارہویں فصل: حافظہ اور نسیان کے اسباب کے بیان میں۔
تیرہویں فصل: رزق کے حصول اور محرومی کے اسباب اور ان چیزوں کے بیان میں جن سے عمر میں برکت یا بے برکتی ہوتی ہے۔
یہ توفیق اللہ ہی کے دینے سے ملی ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حل لغات: الجدّ: بکسر الجیم بمعنی محنت اور کوشش۔ الھمة: بمعنی ارادہ اور بلند حوصلہ، (ج) ھِمَم آتی ہے السبق: بمعنی درس، سبق کا لفظ اُردو میں مستعمل ہے عربی میں اس کا استعمال قلیل ہے۔ لیکن ہمارے مصنفؒ نے جگہ جگہ اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ الوَرَع: وَرَعَ (ف، معتل الفاء مثال) وَرْعًا: رکنا، پرہیز کرنا، خصوصاً محرمات سے اجتناب کرنے کو ورع اور تقویٰ کہتے ہیں۔ یُوْرِثُ: اَوْرَثَ (افعال، معتل الفاء، مثال) اِیراثاً بمعنی سبب بنا یجلب: جَلَبَ الشیٔ (ن، صحیح سالم) جلباً: لانا، حاصل کرنا۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ نے تسمیۂ کتاب کی صراحت کرتے ہوئے اس کے منہج اور طریقۂ تالیف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مصنفؒ علامؒ نے اپنی اس مختصر سی کتاب کو تیرہ فصلوں پر تقسیم کیا ہے، ہر فصل کے تحت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نیز شعراء اور حکماء

کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

یہاں یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ اس کتاب کا اصل اور صحیح نام "تعلیم المتعلم طریق التعلم" ہے، بہت سے نسخوں میں اس نام میں ردوبدل ہوگئی ہے، بعض میں "في" کا اضافہ ہے اور بعض میں "إلی" کا اضافہ ہے، یعنی تعلیم المتعلم في طریق التعلم اور إلی طریق التعلم. شیخ ابن ابراہیم کی عربی شرح میں یہ بات لکھی ہے کہ "المتعلم" مفعول اول ہے تعلیم کا، اور مفعول ثانی "طریق التعلم" ہے، لہٰذا في طریق التعلم یا إلی طریق التعلم کہنا صحیح نہ ہوگا۔

فصل في ماهية العلم والفقه وفضله

پہلی فصل علم وفقہ کی تعریف اور اس کے فضائل کے بیان میں

تشریح: مصنفؒ نے اس فصل میں طلبہ کو علم وفقہ کی حقیقت اور اس کی اہمیت وفضیلت سے روشناس کرایا ہے، علم کی شرافت وعظمت کو بیان کرتے ہوئے فرشتوں پر انسانی فوقیت کو ظاہر کیا ہے، پھر مصنفؒ نے ان علوم کی طرف توجہ دلائی ہے جن کا مسلمانوں کو بطور خاص اہتمام کرنا چاہیے، اخیر میں علم کے فضائل ومناقب کے بارے میں آیات واحادیث کو لاکر فصل کا حسن اختتام کیا ہے۔

قال رسول اللهﷺ: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة“

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

حل لغات: فريضة: اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ وہ حد جس کا بندوں کو پابند کیا گیا ہو یا اس سے روکا گیا ہو، اور ”تاء“ اس میں برائے مبالغہ ہے۔

علم کے سلسلے میں سب سے پہلے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو لائے تا کہ ابتداء بکلام النبی ہو جائے۔ یہ حدیث **”طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة“** سنن ابن ماجہ، مقدمہ، **باب الحث على طلب العلم** کے تحت مروی ہے۔ لیکن اس میں ”مسلمة“ کا لفظ نہیں ہے۔ علامہ سخاویؒ نے المقاصد الحسنۃ (ص/۲۷۵) میں لکھا ہے کہ ”مسلمة“ کی زیادتی کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ اس کے معنی صحیح ہیں۔

یہاں حدیث شریف میں علم سے مراد شرعی علم ہے نہ کہ دنیاوی علم، اور اپنے حکم کے

اعتبار سے ہر مسلمان مرد وعورت کو شامل ہے، اور فرض سے مراد فرض عین ہے نہ کہ فرض کفایہ، لہٰذا ہر مسلمان پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت ایمان، دینی فرائض اور واجبات کا اتنا علم ضروری ہے جس سے عاری رہ کر کوئی مسلمان اپنی زندگی کی کشتی کو صحیح سمت میں نہیں لے جاسکتا، مثال کے طور پر جب ایک شخص دامن اسلام سے وابستہ ہوگیا تو اب اس پر ایمان کے تعلق سے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ فرض ہوگی، لہٰذا ان کے اوقات کا علم اور ادائیگی نماز کی صحت جن پر موقوف ہے اسی طرح روزوں کا وقت، حج کے ایام اور زکوٰۃ کے ضروری مسائل کا علم لازم ہے۔ اسی طرح جب نکاح اور شادی کی باری آئے تو اس کے ضروری احکام کا جاننا فرض ہے۔ غرض یہ کہ مسلمان ہوجانے کے بعد جو جو مرحلہ سامنے آئے گا اس کے شرعی احکام سے واقف ہونا فرض ہوگا، اگر کوئی اس قدر علم حاصل نہیں کرتا تو وہ گنہ گار ہوگا۔

ہاں البتہ مکمل عالم بننا، مفتی بننا اور درجۂ اجتہاد تک پہنچنا ہر ایک کے لیے ضروری اور فرض نہیں ہے، بلکہ یہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے۔ (مرقاۃ:۱/۲۸۴)

علامہ بغویؒ نے شرح السنۃ ص/۱۹۰ پر یہ بات لکھی ہے کہ علومِ شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم اصول (۲) علم فروع۔ علم اصول توحید وصفات باری کی معرفت اور انبیاء ورسل کی تصدیق ہے۔ اور یہ "طلب العلم فريضة" کے تحت داخل ہے۔ اور علم فروع، احکام دین کی معرفت کو کہتے ہیں، پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک فرض عین اور دوسری فرض کفایہ۔ طہارت ونجاست، نماز، روزہ کے مسائل اور روزمرہ کے دینی مسائل کا جاننا ضروری اور فرض عین ہے، اور عالم یا مفتی بننا فرض کفایہ ہے۔

جہاں تک علم نحو، علم صرف، اصول فقہ اور اصول حدیث وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ علوم مقصود نہیں بلکہ آلہ ہیں علوم مقصودہ کا۔

اعْلَمْ بأنه لا يُفْتَرَضُ على كُلِّ مسلمٍ ومسلمة طَلَبُ كُلِّ علم، وإنَّما يُفْتَرَضُ عليه طلبُ عِلْمِ الحَالِ، كما يقال: أفضلُ العلمِ عِلْمُ الحالِ،

وأفضلُ العَمَلِ حِفظُ الحَالِ. ويُفتَرَضُ على المسلم طلبُ مايقع له في حَالِه في أيِّ حالٍ كَانَ؛ فإنه لا بُدَّ له من الصلاة، فَيُفتَرَضُ عليه عِلْمُ ما يقع له في صلاته بقدر مايُؤَدِّي به فَرْضَ الصلاة، ويجب عليه بقدر ما يؤدي به الواجبَ؛ وما يُتَوَسَّلُ به إلى إقامة الفرض يكون فرضاً، وما يُتَوَسَّلُ به إلى إقامة الواجب يكون واجباً، وكذلك في الصَّومِ والزكاةِ– إن كان له مال – والحَجِّ – إن وجب عليه– وكذا في البيوع إن كانَ يَتَّجِرُ.

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر ہر علم کا جاننا فرض نہیں ہے بلکہ ان علوم کا حاصل کرنا فرض ہے جن کی ضرورت اس کو اپنی زندگی میں درپیش ہے، خواہ وہ کسی بھی حال میں ہو۔ مثلاً اس کے لیے نماز ضروری ہے تو اس کو اپنی نماز میں پیش آنے والے اتنے مسائل کا جاننا لازم اور ضروری ہے جس سے وہ فریضۂ نماز ادا کر سکے۔ اسی طرح اس پر ایسی چیزوں کا جاننا بھی واجب ہے جن کے ذریعہ وہ واجب کی ادائیگی کر سکے۔ اس لیے کہ جو مسائل فرض کی ادائیگی کا ذریعہ بنتے ہیں وہ بھی فرض ہوتے ہیں، اور جو واجب کی ادائیگی کا ذریعہ ہیں وہ واجب ہوتے ہیں۔ اسی طرح کا مسئلہ روزے میں ہے، اور زکاۃ میں ہے اگر اس کے پاس مال ہے، اور حج میں ہے اگر اس پر حج فرض ہو، اور خرید و فروخت میں ہے اگر وہ تجارت کرتا ہو۔

حل لغات: **يفترض:** بصیغۂ مجہول ہے **افترض عليه** (افتعال، صحیح سالم) **افتراضاً:** ضروری قرار دینا، واجب ٹھہرادینا، **علم الحال:** اصول دین اور مسائل دین کو جاننا، اس سے مراد ان چیزوں کا جاننا ہے جو انسان کو زندگی میں پیش آتی ہیں، جیسے مسائل نماز، مسائل زکوۃ، مسائل صوم وغیرہ اور حفظ الحال سے مراد انسان کا اپنے آپ کو معاصی و جرائم سے محفوظ کرنا ہے۔ **يَقَعُ: وَقَعَ** (ف، معتل الفاء، مثال) **وَقْعًا و وُقُوْعًا:** پیش آنا۔ **يُؤَدِّيْ: أدّى** (تفعیل، معتل، لفیف مفروق) **يؤدي تأديةً** بمعنی انجام دینا، ادا کرنا، **يُتوسّل:** بصیغۂ مجہول۔ **تَوَسَّل إليه وبه** (تفعل، معتل الفاء مثال) **توسلاً:**

ذریعہ بنانا۔ یتجو: اتَّجَرَ (افتعال، صحیح سالم) اتجاراً: خرید وفروخت کرنا، تجارت کرنا۔

تشریح: درحقیقت یہ پوری عبارت حدیث سابق کی ہی تشریح ہے، جس کو مصنفؒ علام نے نرالے انداز میں بیان کیا ہے، فرمایا کہ مسلمان مرد وعورت پر ہر علم کا حاصل کرنا فرض نہیں ہے بلکہ علم الحال کا حاصل کرنا ضروری ہے، اور علم الحال کی تعریف آچکی ہے کہ "وہ دین کے اصول اور ضروری مسائل جن کی انسان کو روزمرہ ضرورت پڑتی ہے، کے جاننے کا نام ہے" جیسا کہ ہم ماقبل میں لکھ چکے ہیں کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس پر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل کا جاننا ضروری ہے۔ جب نکاح کی باری آئے تو مرد کے لیے نکاح، طلاق وغیرہ کے مسائل کا جاننا ضروری ہے۔ اور عورت کے لیے حیض ونفاس کے ضروری احکام کا جاننا ضروری ہے۔ خرید وفروخت کا وقت آئے تو اس کے لابدی مسائل کا جاننا ضروری ہوگا۔

پھر مصنفؒ نے یہ بیان کیا کہ جو علم کسی فرض کی ادائیگی کا سبب اور ذریعہ بنتا ہو اس کا حاصل کرنا بھی فرض ہوگا۔ مثلاً نماز فرض ہے تو جن چیزوں سے یہ فرض ادا ہوگا جیسے قیام ہے، قرأت ہے تو ان کا جاننا بھی فرض ہوگا۔ ایسے ہی جو چیزیں واجب کی ادائیگی کا سبب اور ذریعہ ہیں وہ بھی واجب ہوں گی، مثلاً نماز میں ضم صورت واجب ہے لہٰذا اس کا علم بھی واجب ہوگا۔

یہی صورت حال روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ہے، جس شخص پر روزہ فرض ہے اس پر روزے کے ضروری مسائل کا علم بھی فرض ہے، اور اگر کسی کے پاس مال ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوئی، تو اس پر زکوٰۃ کے مسائل کا جاننا بھی ضروری ہوا، حج فرض ہے تو حج کے ارکان کا سیکھنا اور جاننا بھی فرض ہوا، کوئی شخص تجارت کرتا ہے تو اس پر تجارت کے مسائل ضروریہ جن سے حرام وحلال کی تمیز ہو سکے ان کا جاننا بھی فرض ہے۔

قِيلَ لِمحمدِ بنِ الحَسَنِ – رحمه الله– أَلاَ تُصَنِّفُ كتاباً في الزُّهْدِ؟

قال: صَنَّفْتُ كتاباً في البيوع، يعنى الزاهد هو مَنْ يَتَحَرَّزُ عَنِ الشبهاتِ والمكروهاتِ في التِجَارَاتِ، وكذلك في سائر المعاملاتِ وَالْحِرَفِ، وكُلُّ مَنْ اشْتَغَلَ بشيٍ منها يُفْتَرَضُ عليه علمُ التَّحَرُّزِ عَنِ الحَرَامِ فيه.

ترجمه: حضرت امام محمد بن محمد بن حسن شیبانیؒ سے عرض کیا گیا کہ آپ ''زہد'' کے موضوع پر کوئی کتاب کیوں نہیں تصنیف فرما دیتے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ خرید وفروخت کے سلسلے میں ایک کتاب لکھ دی ہے۔ یعنی زاہد وہ آدمی ہے جو تجارت، بیع وفروخت اور تمام معاملات اور پیشوں میں شبہات ومکروہات سے احتراز کرے۔ اور ہر وہ شخص جو ان میں سے کسی چیز میں مشغول ہو اس پر اس چیز کے حرام کاموں سے احتیاط ضروری ہے۔

حل لغات: يَتَحَرَّزُ : تَحَرَّزَ عَنْ كذا (تفعل، صحیح سالم) تحرزاً: بچنا، احتیاط کرنا، الحِرَف : حِرفة کی جمع ہے بمعنی صنعت، پیشہ۔

تشریح: حضرت امام محمدؒ سے آپ کے بعض تلامذہ نے یہ درخواست کی کہ حضرت آپ زہد وتقویٰ کے موضوع پر کوئی کتاب لکھ دیجئے، امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں نے بیع وشراء سے متعلق مسائل پر مشتمل ایک کتاب لکھ دی ہے، اس کتاب میں خرید وفروخت کی صحت وفساد اور مکروہات سے احتیاط کے بارے میں مسائل موجود ہیں، لہٰذا اس پر عمل کرو یہی زہد وتقویٰ ہے۔

''يَعني'' سے مصنفؒ نے امام محمد کے مختصر اور جامع کلام کی تفسیر بیان کردی ہے، کہ زاہد اور متقی اصل میں وہ شخص ہے جو شریعت کی روشنی میں خرید وفروخت اور دیگر معاملات کرتا ہو، شبہات اور مکروہات سے اجتناب کرتا ہو، اور ان تمام مسائل سے متعلق کتاب البیوع لکھ دی، لہٰذا اسی کا مطالعہ کرو، اور عمل کرو مزید زہد سے متعلق کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی میں مشغول ہو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس چیز کے حرام کاموں سے اجتناب کرے۔

حاصل یہ ہے کہ مصنف تحصول علم کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ حرام وحلال کا علم ایک مسلمان کے لیے کیوں اور کہاں ضروری ہے۔

وكذلك يُفْتَرَضُ عليه عِلْمُ أحوالِ القَلْبِ: مِنَ التَّوَكُّلِ، والإنَابَةِ، والخَشْيَةِ، والرِّضَاءِ؛ فإنه وَاقِعٌ في جميع الأحوال.

ترجمہ: اسی طرح مسلمان پر قلب کے احوال یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، رجوع الی اللہ، خوف اور رضائے الٰہی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہ چیزیں تمام احوال میں پیش آتی ہیں۔

حل لغات: الإنابة: أَنَابَ إلى الله (افعال، معتل العین، اجوف) إنابةً: تائب ہوکر اللہ کی طرف رجوع کرنا، الخَشْيَةُ: خَشِيَ (س، معتل اللام ناقص) خَشْيَةً بمعنی ڈرنا، دل میں تعظیم اور ہیبت رکھتے ہوئے خوف کرنا، الرِّضَاءِ : رَضِيَ (س، معتل اللام، ناقص) رِضًا: خوش ہونا، بات کو قبول کرنا۔

تشریح: جس طرح ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علم الحال سے واقف ہو، اسی طرح اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ علوم باطنی سے آشنا ہو، احوال قلب کو جانتا ہو اور احوال قلب ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ہے اور ہر کام میں خدا کی طرف رجوع کرنا اور اس سے ڈرنا ہے۔

علوم باطنی کی ضرورت انسان کو ہر وقت پیش آتی ہے، کسی خاص وقت میں نہیں، بخلاف دوسرے علوم کے کہ وہ کسی نہ کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لیے ہر حال میں ان مذکورہ چیزوں کا خیال رکھا جائے۔

وشَرَفُ العِلْمِ لا يَخفىٰ على أحدٍ، إذْ هوَ الْمُختَصُّ بالإنْسَانِيَّةِ، لأنَّ جَمِيعَ الخِصَالِ سِوَى العلمِ يَشْتَرِكُ فيها الإنسانُ وسائرُ الحَيْوَانَاتِ، كالشَّجَاعَةِ، والجُرْأةِ والقُوَّةِ، والجُوْدِ، والشفقة، وغيرِها سِوَى العِلْمِ.

وبه أَظْهَرَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فَضْلَ آدَمَ عليه السلام عَلَى الملائكةِ، وأَمَرَهُمْ بالسُّجُوْدِ له، وإنما شَرُفَ العِلْمُ لكونه وسيلةً إلى البِرِّ والتَّقْوىٰ، الذي يَسْتَحِقُّ به المَرْأُ الكرامةَ عند الله تعالىٰ، والسعادةَ الأبديةَ.

ترجمہ: علم کا مقام ومرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں، کیوں کہ علم صرف انسانیت ہی کی خصوصیت ہے، علم کے علاوہ دیگر اوصاف میں انسان اور تمام حیوانات شریک ہیں، جیسے بہادری، دلیری، طاقت وقوت، جودوسخاء اور شفقت وغیرہ۔

علم ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی برتری فرشتوں پر ظاہر فرمائی، اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، علم بلندرتبہ اس لیے ہے کہ وہ اس نیکی اور تقویٰ کا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک عزت اور ہمیشہ ہمیش کی کامیابی کا مستحق ہوجاتا ہے۔

حل لغات: شَرف: مصدر ہے بمعنی بلندیٔ رتبہ، عزت وشرافت، شَرُفَ الرَّجُلُ (ک، صحیح سالم) شَرَفًا: باعزت ہونا، بلند مرتبہ والا ہونا، الخِصَال: خصلة کی جمع ہے بمعنی عادت، وصف۔ ملائكة: مَلَكٌ کی جمع ہے، جو اصل میں "مَلْاَكٌ" تھا، بمعنی فرشتہ، اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق، البِرُّ: بَرَّ (ف، صحیح مضاعف) برًّا و بُرُوْرًا: نیکی کرنا، نیک ہونا، يَسْتَحِقُّ: اسْتَحَقَّ الشَّيْئَ (استفعال، مضاعف) استحقاقاً: مستحق ہونا۔

تشریح: یہاں سے مصنف حصول علم پر توجہ مرکوز کرانے کے لیے علم کی عظمت وشرافت پر روشنی ڈالتے ہیں، علم کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ انسان کی مخصوص صفت ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، علم کے علاوہ جتنی صفات ہیں ان میں انسان اور دیگر حیوانات سب شریک ہیں، مثلاً شجاعت اور بہادری ہے تو یہ صفت جس طرح انسان میں ہوتی ہے اسی طرح شیر میں بھی ہوتی ہے۔

دوسری بڑی فضیلت علم کی یہ ہے کہ علم کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فوقیت عطاء فرمائی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے ناموں کا علم عطاء فرمایا پھر فرشتوں سے ان اشیاء کے نام پوچھے، تو فرشتوں نے معذرت کردی کہ وہ اس کا علم نہیں رکھتے، اس کے بعد حضرت آدمؑ سے پوچھا گیا تو انھوں نے تمام چیزوں کے نام بتادیے اس لیے کہ ان کے پاس علم تھا۔

فرشتوں کو معصوم ہونے کے باوجود علم میں کمی کی وجہ سے زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا، جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم ہی کی وجہ سے خلافت عطاء فرمائی، اللہ تعالیٰ نے "إنّي جَاعِلُكَ فِي الأرض خليفًا" اور "وعَلَّمَ آدَمَ الأسْمَاء" میں اسی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پھر آدم علیہ السلام کی برتری کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، یہ سب کچھ بھی علم ہی کی وجہ سے ہوا۔

كما قيلَ لمحمد بن الحسن رحمه الله:

تَعَلَّمْ فإنَّ العِلْمَ زَيْنٌ لأهْلِهِ	وفَضْلٌ وَ عُنْوَانٌ لكُلِّ المَحَامِدِ
وكُنْ مُسْتَفِيداً كلَّ يومٍ زيادةً	مِن العلم واسْبَحْ في بحورِ الفوائدِ
تَفَقَّهْ فإنَّ الفِقْهَ أفضلُ قائدٍ	إلى البر والتقوىٰ وأعدَلُ قاصِدِ
هو العلم الهادي إلى سنن الهدى	هو الحِصْنُ يُنْجِي من جميع الشدائدِ
فإن فقيهاً واحداً مُتورِّعًا	أشَدُّ علَىَ الشيطانِ من ألفِ عابدٍ

ترجمہ: جیسا کہ محمد بن حسن شیبانی سے کہا گیا:

علم حاصل کرو، اس لیے کہ علم اہل علم کے لیے زینت اور تمام خوبیوں کا تاج اور علامت ہے۔

اور ہر وقت زیادتی علم کے لیے کوشاں رہو، اور فوائد کے سمندروں میں غوطہ زن رہو

علم فقہ سیکھو، کیوں کہ فقہ نیکی اور تقویٰ کا بہترین راہ نما اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے
علم فقہ راہ ہدایت دکھانے کا مینارہ ہے، وہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جو تمام مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے۔

اس لیے کہ ایک متقی اور پرہیزگار فقیہ شیطان کے اوپر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

حل لغات و ترکیب: زین: مصدر ہے زَانَ (ض، معتل العین) زیناً: زینت دینا، آراستہ کرنا۔ اَلْمَحَامِدُ: مَحْمَدَةٌ مصدر میمی کی جمع ہے۔ بمعنی: قابل تعریف کام، خوبیاں۔ مستفیداً: اسم فاعل ہے۔ اِسْتِفَادَ (استفعال، اصلہ: فَادَ معتل العین اجوف) استفادَۃً: فائدہ حاصل کرنا۔ قائِد اسم فاعل ہے بمعنی: راہنما۔ قَادَ الجیشَ (ن، معتل العین، اجوف) قیادۃ: راہ نمائی کرنا، قیادت کرنا۔ أعدل: اسم تفضیل ہے عَدَلَ (ض، صحیح سالم) عَدْلاً: سیدھا کرنا، قَاصِد: مقصود کے معنی میں ہے، جیسا کہ ساحل مسحول کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ علم فقہ بہترین مقصود ہے۔ الزیادۃ: مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں۔ مِن الفقہ: یہ زیادۃ یامستفیداً سے متعلق ہے۔ سَنَن: راستہ، طریقہ: کہا جاتا ہے استقام فلان علی سنن واحد: فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا۔

تشریح: ماقبل میں بات بیان کی تھی کہ علم نیکی اور تقوی کا وسیلہ اور ذریعہ ہے کیوں کہ تقوی اور محارم سے اجتناب بغیر علم کے ممکن نہیں، اگر انسان کو محرمات کا علم نہ ہو تو وہ کس طرح پرہیز کرے گا، معلوم ہوا کہ تقوی بھی علم سے ہی حاصل ہوتا ہے، اب مصنفؒ اس پر مزید استدلال کر رہے ہیں کہ علم حصول تقوی کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے یہ اشعار سنائے جن میں علم کی خاص طور سے علم فقہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے، فرمایا کہ علماء کے لیے علم ایک زینت کی چیز ہے، انسان میں علم ہی کی وجہ سے دیگر اچھی خوبیاں اور صفات پیدا ہوتی ہیں، اس

لیے حصول علم کے سلسلے میں ہمیشہ کوشاں اور متحرک رہنا چاہئے، علم کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے مچھلی کی طرح خوب فعال اور محنتی رہنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو علم الاولین والآخرین عطاء کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ زیادتی علم کی دعاء مانگا کریں، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہے تو ہما شما کا کیا شمار، ہمارا علم آپؐ کے علم کے مقابلہ میں دریا کے قطرے کے برابر بھی نہیں، اس لیے ہمیں خوب محنت اور لگن کے ساتھ علم حاصل کرنا چاہئے۔

خاص طور سے علم فقہ پر توجہ دینی چاہئے، اس لیے کہ علم فقہ سے حلال وحرام کی راہ نمائی ملتی ہے، نیکی اور تقویٰ کی توفیق ہوتی ہے، علم فقہ ایسا منصف راہنما ہے جو اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کی نشان دہی کرتا ہے جن میں کسی قسم کی کجی نہیں۔ "أعدل قاصد" کا یہی مطلب ہے۔

علم فقہ ہدایت کی راہوں کا وہ مینارہ ہے جو انسان کو ہمیشہ ہمیش کی کامیابی اور کامرانی تک پہنچاتا ہے۔ نیز یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جو تمام آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے، خصوصاً جہالت جیسی بڑی مصیبت سے نجات دلاتا ہے۔

اخیر مصرع میں ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک عالم کو گمراہ کرنا شیطان کے لیے ہزار عبادت گزاروں کو گمراہ کرنے سے زیادہ بھاری کام ہے، وہ عالم دین جو اپنے کمال علم وفہم کی بنا پر دین کی حقیقتوں سے آشنا ہوتا ہے، اور احکام ومسائل کے ہر ہر پہلو پر گہری بصیرت رکھتا ہے، شریعت اسلام کے اسرار ورموز سے اچھی واقفیت رکھتا ہے۔ وہ شیطان کے مکروفریب کو اچھی طرح پہچانتا ہے، شیطان لعین جب لوگوں پر خواہشات فاسدہ کا دروازہ کھولتا ہے تو عالم دین اور فقیہ فوراً اس کے مکروفریب سے واقف ہو جاتا ہے اور ایسی تدابیر اختیار کر لیتا ہے جن پر عمل کرنے سے وہ شیطان کو اپنے اوپر قابو نہیں پانے دیتا۔ اس کے برخلاف وہ شخص جس کا دامن علوم دینیہ سے یکسر خالی ہو وہ شیطان کے مکروفریب کو نہیں

سمجھ پاتا اور اس کے مکروفریب کے جال میں گرفتار ہو جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی عبادت گزار ہو اس لیے ایک عالم فقیہ کو ہزار عابدوں پر بھاری قرار دیا گیا ہے۔

اور "أَلْفٌ" سے بھی کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے حصر نہیں ہے، یہ روایت سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں ہے۔

وكذلك يُفْتَرَضُ العِلْمُ في سَائِرِ الأخلاقِ نَحْوُ: الجود، والبُخْلِ، والجُبْنِ، والجُرْأَةِ، والتَّكَبُّرِ، والتَّوَاضُعِ، والعِفَّةِ، والإِسْرَافِ، والتَّقْتِيْرِ وغيرِها؛ فإنّ الكِبْرَ، والبُخْلَ والجُبْنَ والإِسْرَاف حرَامٌ، ولا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عنها إلا بِعِلْمِهَا وعِلْمِ مَايُضَادُّهَا، فَيُفْتَرَضُ علىٰ كُلِّ إنسانٍ عِلْمُهَا.

ترجمہ: (علم باطن کی طرح) تمام اخلاقیات کا علم بھی ضروری ہے، جیسے سخاوت، بخل، بزدلی، بہادری، تکبر، تواضع، پاک دامنی، فضول خرچی، اور اہل وعیال کے خرچ میں تنگی وغیرہ کا علم اس لیے کہ تکبر، بخل، بزدلی اور فضول خرچی حرام ہے، ان مذکورہ اوصاف سے اجتناب ان کو اور ان کے مدمقابل اوصاف کو جانے بغیر ممکن نہیں ہے، لہٰذا ہر انسان پر ان کا جاننا فرض ہوگا۔

عالی مرتبت امام شہید شیخ ناصر الدین ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاقیات کے سلسلے میں ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، کیا ہی اچھی تصنیف فرمائی ہے، ہر مسلمان کے لیے اس کتاب کو یاد کرنا ضروری ہے۔

حل لغات: تَقْتِيْرٌ: قَتَّرَ عَلىٰ عيالِهِ (تفعیل اصلہ قَتَرَ، صحیح سالم) تقتیراً: اہل وعیال پر خرچ کرنے میں تنگی کرنا۔ یضادّها: ضَادَّهُ (مفاعلۃ، اصلہ ضَدٌّ مضاعف) مُضَادَّةً: مخالفت کرنا، مقابل ہونا۔ نعم ما صَنَّفَ: فعل مدح ہے، "ما" موصوفہ ہے اور "شیٔ" کے معنی میں ہے، صَنَّفَ اس کی صفت ہے، "کتاب الأخلاق" مخصوص بالمدح ہے جو کہ محذوف ہے۔ تقدیری عبارت ہوگی: "نعم الشيْ الذي صَنَّفَه كتاب

الأخلاق".

تشریح: جس طرح انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علوم باطنہ سے واقف ہو اسی طرح اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اخلاقیات کو بھی جانتا ہو۔ "كذلك" کا عطف جملہ "كذالك يفترض عليه علم أحوال القلب" پر ہے۔اور اخلاقیات کے علم میں دونوں طرح کے اوصاف کا جاننا ضروری ہے خواہ وہ اخلاق حسنہ ہوں یا اخلاق ذمیمہ۔ اخلاق حسنہ جیسے: سخاوت، فیاضی، دلیری و بہادری، تواضع وانکساری اور عفت و پاک دامنی وغیرہ، اور اخلاق ذمیمہ جیسے: غرور و گھمنڈ، بخل و کنجوسی، بزدلی و کم ہمتی، فضول خرچی اور تنگ دستی وغیرہ۔

ان دونوں قسم کے اوصاف کا علم اس وجہ سے ضروری ہے کہ جب اوصاف حسنہ کو نہیں جانے گا تو ان کو اختیار کیسے کرے گا، اور جب تک اوصاف ذمیمہ کو نہیں جانے گا تب تک ان سے اجتناب نہ ہوگا۔

اب طلبہ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم اخلاقیات کا علم کہاں سے حاصل کریں، تو مصنفؒ نے یہاں پر بھی ان کی راہ نمائی کردی کہ شیخ ناصر الدین حسینیؒ نے اخلاقیات پر ایک بہت شاندار کتاب تصنیف فرمادی ہے، ہر ایک کو اس کے حصول کی سعی کرنی چاہئے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس سب کو یاد کرلینا چاہئے، اس کتاب کا نام "کتاب الاخلاق" ہی ہے۔

وَأمَّا حِفْظُ ما يَقَعُ في بعض الأحَايِيْنِ فَفَرْضٌ عَلَىَ سبيلِ الكِفَايةِ، إذا قَامَ به البعضُ في بلدةٍ سَقَطَ عن الباقِينَ، فإنْ لَمْ يكُنْ في البلدةِ مَنْ يقُوْمُ بِهِ اشتَرَكُوا جميعاً في المَاثَمِ.

فَيَجِبُ على الإمامِ أن يَأمُرَهُم بذٰلِكَ ويُجْبِرَ أهلَ البلدةِ عَلَىَ ذلك.

وقد قيل: إن عِلْمَ ما يَقَعُ على نفسه في جميع الأحوال بمنزلةِ الطعام، الذي لا بد لكُلِّ واحدٍ مِنْ ذلك، وعِلْمُ ما يقع في بعضِ الأحايين بمنزلةِ

الدَّوَاءِ يُحْتَاجُ إليه حِيْنَ الْمَرَضِ فقط.

ترجمہ: جہاں تک ان چیزوں کو جاننے کی بات ہے جو کبھی کبھی پیش آتی ہیں تو وہ فرض کفایہ ہیں، شہر کے بعض لوگ بھی اس فرض کو انجام دے دیں تو باقی کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر پورے شہر میں اس ذمے داری کو کوئی بھی انجام نہ دے تو گناہ میں سب شریک ہوں گے۔ لہٰذا خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہر والوں کو اس فریضہ کی ادائیگی کا حکم دیں اور ان کو اس پر مجبور کریں۔

اور کہا گیا ہے کہ ان چیزوں کا جاننا جو انسان کو اپنی ذات کے سلسلے میں ہر وقت پیش آتی ہیں بمنزلۂ اس طعام کے ہے جو ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ اور کبھی کبھی پیش آنے والے احوال کا علم اس دوا کی مانند ہے جس کی کبھی کبھی ضرورت پڑتی ہے۔

حل لغات: **الأحايين:** اَحْيَان کی جمع ہے اور اَحْيَان، حِيْنٌ کی جمع ہے بمعنی وقت، زمانہ کا ایک حصہ کم ہو یا زیادہ، طویل ہو یا مختصر۔ **قَام به:** **قَامَ بالشیئ** (ن، معتل العین، اَجوف) **قیاماً:** انجام دینا۔ **المائم:** مصدر میمی ہے۔ **أَثِمَ** (س، مہموز الفاء) **أثْمًا وإثْمًا وَمَأثَمًا:** گناہ کرنا، **يُجْبِرَ أَجْبَرَهُ على الأمر** (افعال اصلہ جبر، صحیح سالم) **إجباراً:** مجبور کرنا۔

تشریح: ماقبل میں اس علم کا بیان تھا جس کا حاصل کرنا فرض عین ہے، یہاں سے فرض کفایہ کو بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ وہ علوم جن کی ضرورت روزمرہ پیش نہیں آتی ان کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، کہ اگر چند لوگ بھی اس کو حاصل کرلیں تو سب کی طرف سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بھی نہ سیکھے تو گناہ میں سب برابر کے شریک ہوں گے، جیسے صلاۃ جنازہ ہے، اسی طرح بیمار کی عیادت کرنا ہے۔ اس لیے خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل شہر کو ایسے علوم کے حاصل کرنے پر مجبور کرے، تا کہ کچھ حضرات ایسے بھی ہوں جو ان علوم کو سیکھ کر فرض کفایہ کی ذمہ داری کو نبھا سکیں۔

قوله: وقد قيل: یہاں سے جو عبارت مصنفؒ نے پیش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ علوم تو ایسے ہیں جن کے بغیر انسان دینی فرائض کی ادائیگی نہیں کر سکتا، ان علوم کی حیثیت کھانے کی طرح ہے کہ جس طرح کھانے کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں ایسے ہی ان علوم کے حاصل کیے بغیر دینی زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس قسم کے علوم کا حاصل کرنا فرض عین ہوگا، اس کے علاوہ کچھ علوم ایسے ہیں جن کی انسان کو دواء کی طرح کبھی کبھی ضرورت پڑتی ہے تو ان کا بقدر ضرورت افراد کا جان لینا کافی ہے، ہر ایک پر واجب نہیں، مثال کے طور پر مسلمان پر یہ لازم اور ضروری نہیں کہ وہ ڈاکٹر بنے، لیکن اتنے مسلمان اطباء ہونے چاہئیں جو مسلمانوں کے علاج و معالجے کی کفایت کر سکیں۔ (تقریب المتعلم)

آگے مصنفؒ علم نجوم پر روشنی ڈالیں گے۔

وعِلْمُ النجوم بمنزلة المَرَضِ فتعَلُّمُهُ حَرَامٌ؛ لأنّه يَضُرُّ ولاَ يَنْفَعُ؛ والهَرَبُ مِنْ قضاءِ الله تعالىٰ وقَدْرِه غَيرُ ممكن.

فينبغي لِكُلِّ مسلمٍ أن يَشْتَغِلَ في جميعِ أوقاتِه بذِكْرِ الله، والدعاءِ، والتَّضَرُّعِ، وقراءةِ القرآن، والصدقاتِ الدَّافِعَةِ للبَلاءِ، ويسألَ الله تعالىٰ العَفْوَ والعافيةَ في الدنيا والآخرة؛ لِيَصُوْنَه الله تعالىٰ عنِ البلاءِ والآفاتِ؛ فإنّ مَنْ رُزِقَ الدُّعَاءَ لم يُحْرَم الإِجَابَةَ، فإنْ كَانَ البلاءُ مُقدَّراً يُصِيبُهُ لا مُحَالَةَ، ولكن يُيَسِّرُهُ الله تعالىٰ عليه، ويَرْزُقُهُ الصَّبْرَ بِبَرَكَةِ دُعَائِهِ.

اللهم إذا تَعَلَّمَ مِنَ النجومِ قَدْرَ مَا يَعْرِفُ بِه القبلةَ ، وأَوْقَاتَ الصلاةِ فَيَجُوْزُ ذلك.

ترجمہ: اور علم نجوم بیماری کے درجہ میں ہے، جس کا سیکھنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ نقصان دہ ہے نفع بخش نہیں، اور فیصلۂ خداوندی اور تقدیر الٰہی سے مفر ممکن نہیں۔

ہر مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ ہمہ وقت ذکر الٰہی، دعا، عجز و انکساری اور تلاوت

قرآن میں مشغول رہے اور بلا مصیبت ٹالنے کے لیے صدقہ دیتا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے آخرت میں عفو ودرگذر اور دنیا میں عافیت کی دعاء مانگتا رہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو آزمائش اور آفتوں سے محفوظ و مامون رکھے، کیوں کہ جس کو دعا کی توفیق مل گئی وہ قبولیت دعاء سے محروم نہیں کیا جاتا، پھر اگر آفت آنا مقدر تھا تو بالیقین اس پر آکر رہے گی، لیکن اللہ تعالیٰ آفت کو اس پر ہلکا کر دیں گے، اور اس کی دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو صبر واستقامت کی توفیق نصیب فرمائیں گے۔

ہاں اگر اتنا علم نجوم سیکھے جس سے قبلہ اور نماز کے اوقات معلوم کر سکے تو یہ جائز ہے۔

حل لغات: الهَرَبُ: هَرَبَ (ن، صحیح سالم) هَرَبًا وهُرُوْبًا: بھاگنا، راہ فرار اختیار کرنا، التضرع: تَضَرَّعَ إلیه (تفعل، صحیح سالم) تضرعاً: انکساری کرنا، اپنی لاچاری اور بے بسی کا اظہار کرنا، رورو کر کچھ مانگنا، العفو: عفا (ن، معتل اللام ناقص) عفواً: گناہوں سے درگذر کرنا۔ لیصونه: صَانَ (ن، معتل العین، اُجوف) صوناً وصیانةً: حفاظت کرنا، یُصِبْهُ: أصابه (افعال، معتل العین) إصابَةً: پہنچنا، یُیَسِّرُهُ: یَسَّرَهُ (تفعیل معتل الفاء) تیسیراً: آسان کرنا۔

تشریح: ماقبل میں ان علوم کا بیان تھا جو فرض عین یا فرض کفایہ کا درجہ رکھتے ہیں، اب ان علوم کا ذکر ہے جن کا سیکھنا منع ہے، ان ممنوع علوم میں سے علم نجوم بھی ہے۔

علم نجوم ان اصول وضوابط کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ شمس وقمر اور کچھ ستاروں کے احوال معلوم ہوں، اور ان سے زمین وآسمان کے اچھے برے حوادثات کی پیشین گوئی کی جائے، علم نجوم سرے ہی سے ممنوع نہیں بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حسابیات (۲)، وہمیات (۳)، طبعیات۔

حسابیات جیسے کہ تاریخ، اوقات طلوع وغروب معلوم کرنا۔

طبعیات جیسے کہ موسموں کی تبدیلی، سردی گرمی کا علم یہ دونوں قسمیں شرعاً ممنوع

نہیں۔

وہمیات جیسے کہ بلا ومصیبت اور موت وحیات وغیرہ پر استدلال کرنا، یہ تیسری قسم ممنوع ہے، مصنفؒ حرمت کا حکم اسی پر لگا رہے ہیں، اور پہلی دو قسموں کا اپنے قول "اللّٰھم إلّا إذا تعلّم الخ" سے استثناء فرمادیا ہے۔

رہا مسئلہ یہ کہ تیسری قسم حرام کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے ذریعہ بعض قرائن فلکی سے قبل از وقت پیش آنے والے احوال معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور آفتوں مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر محفوظ ہونے کی بے جا کوشش کی جاتی ہے، حالاں کہ فیصلۂ خداوندی اور تقدیر الٰہی سے راہ فرار اختیار نہیں کی جاسکتی، اسی کو مصنفؒ نے اپنے قول "والهرب من قضاء الله" سے بیان کیا ہے۔

قوله: فينبغي لكل مسلم الخ یہاں سے چند سطروں میں مصنفؒ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ علم نجوم میں پڑنے کے بجائے اپنے تمام اوقات کو ذکر واذکار اور دعاء وغیرہ میں لگانا چاہئے، اگر کوئی پریشانی آئے تو صدقات کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنا مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور عمر میں اضافہ کرتا ہے، نیز صدقات سے خدا کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اسی طرح پریشانی کے وقت میں دعاء وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے، دعاء سے پریشانی دور ہوجاتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ جو مقدر میں لکھا ہے وہ تو ضرور ہوگا اگر مقدر میں پریشانی لکھی ہے تو اس کو کیسے ٹالا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب مصنفؒ نے اپنے قول "فإن كان البلاء مقدراً" سے دیا ہے کہ ہاں تقدیر میں لکھی ہوئی مصیبت آکر تو ضرور رہے گی لیکن دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس میں تخفیف فرمادیتے ہیں، اور بندے میں صبر کی صفت پیدا کردیتے ہیں جس سے اس کے لیے ان پریشانیوں کا جھیلنا آسان ہوجاتا ہے۔

قوله: اَللّٰهمّ إلّا إذا تعَلّمَ الخ ماقبل میں علم نجوم کے حرام ہونے کی بات کہی تھی

اب یہاں سے استثناء کررہے ہیں کہ یہ حرمت مطلقاً نہیں ہے بلکہ جس علم نجوم کے ذریعہ عقائد فاسدہ پر استدلال کیا جاتا ہے وہ حرام ہے؛ جیسا کہ مفصلاً گزر چکا۔

علم نجوم کی پہلی دوسری قسم کے جواز کے سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اتنا علم نجوم سیکھ لو جس سے خشکی اور سمندر کی تاریکی میں راہ پاسکو۔ (سنن بیہقی)

وَأمّا تعَلُّمُ عِلْمِ الطِّبِ فيجوزُ: لأنه سَبَبٌ من الأسْبابِ، فَيَجُوْزُ تعَلُّمُهُ كَسَائِرِ الْأَسْبَابِ، وقد تَدَاوَى النبيُّ صلى الله عليه وسلم.

وحُكِيَ عَنِ الشافعي - رحمه الله تعالى - أنه قال: الْعِلْمُ عِلْمَانِ: عِلْمُ الفِقْهِ للأَدْيَانِ، وعِلْمُ الطِّبِ للأَبْدَانِ، وما وَرَاء ذلك بُلْغَةُ مَجْلِسٍ.

ترجمہ: بہرحال علم طب، تو اس کا سیکھنا درست ہے؛ اس لیے کہ یہ دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے، لہٰذا دیگر اسباب کی طرح اس کا سیکھنا بھی جائز ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا علاج ومعالجہ فرمایا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے، انھوں نے فرمایا کہ علم تو دو ہی ہیں: دین کو جاننے کے لیے علم فقہ، اور بدن کے احوال کے لیے علم طب، اور جو کچھ ان کے علاوہ ہیں وہ محض مجلس کی رونق ہیں۔

حل لغات: تَدَاوَى: تَدَاوَى يَتَدَاوَى (تفاعل، اصلہ دَوِيَ، لفیف مفروق) تَدَاوِيًا: خود اپنا علاج کرنا **بُلْغَةٌ: بضم الباء الموحدة وسكون اللام:** زندگی گزارنے کی بقدر حصہ۔ **الأديان:** دین کی جمع ہے بمعنی مذہب۔

تشریح: علوم میں سے ایک علم طب بھی ہے، اس کا سیکھنا جائز ہے، دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ آپؐ نے اپنا علاج خود بھی کیا ہے اور دوسروں سے بھی کرایا ہے، مسلم شریف میں اس قسم کی کئی ایک روایات کو جمع کیا گیا ہے جن سے علم طب کا

جواز واضح ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے علم طب کی فضیلت کے بیان کرنے میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ علم تو حقیقت میں دو ہی ہیں، دین کو سمجھنے کے لیے علم فقہ اور بدن کو صحیح سالم رکھنے کے لیے علم طب، اس لیے کہ زندگی، دو طرح کی ہوتی ہے ایک مادی زندگی دوسری روحانی زندگی پس مادی زندگی یعنی بدن کے احوال: صحت وتندرستی وغیرہ کی اصلاح کے لیے علم طب ضروری ہے، اور روحانی زندگی کی اصلاح کے لیے علم فقہ ضروری ہے تاکہ روحانی زندگی شریعت اسلامی کی روشنی میں گزر جائے۔

حضرت امام شافعی کا یہ ارشاد علم فقہ کی ترغیب وتشویق پر محمول ہے ورنہ دیگر علوم بھی ضروری ہیں جیسے علم حدیث، علم تفسیر، علم تاریخ وغیرہ۔

علم طب کے سلسلے میں مسلمانوں کے پاس قدیم مسلم ماہر اطباء وحکماء کا قیمتی ذخیرہ کافی مقدار میں موجود ہے، دار العلوم دیوبند اور جامع مسجد امروہہ کی لائبریری میں اس پر بے شمار کتابیں موجود ہیں اہل فن کو ان قدیم معتبر ومستند مأخذ سے استفادہ کرکے جدید انداز واصطلاحات میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

وَأَمَّا تَفْسِيرُ العِلْمِ فهو صِفَةٌ يَتَجَلّٰى بِهَا المَذْكُوْرُ لِمَنْ قَامَتْ هِيَ بِهِ.

والفِقْهُ: معرفةُ دقائِقِ العِلْمِ.

قال أبو حنيفةَ رحمه الله : الفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا ومَا عَلَيْهَا، وقال: مَا العِلْمُ إلا لِلْعَمَلِ به، والعَمَلُ بِه: تَرْكُ العَاجِلِ للآجل.

فينبغي للإنْسَانِ انْ لاَ يَغْفُلَ عَن نَفْسِهِ، وما يَنْفَعُهَا وما يَضُرُّهَا، في أُوْلَاهَا وأُخْرَاها، فَيَسْتَجْلِبَ ما ينفعها وَيَجْتَنِبَ عَمَّا يَضُرُّهَا كَيْ لايكونَ عَقْلُه وعِلْمُه حُجَّةً عليه، فَيَزْدَادُ عُقُوْبَتُه، نَعُوْذُ باللّٰه مِنْ سَخَطِه وعِقَابِه.

وقد وَرَدَ في مناقب العلمِ وفَضَائِلِه آياتٌ وأخبارٌ صَحِيْحَةٌ مشهورةٌ

لَمْ نَشْتَغِلْ بِذِكْرِهَا، كَيْ لاَ يطولَ الكتابُ.

ترجمہ: علم کی تشریح یہ ہے کہ علم اس صفت کا نام ہے جس کے ذریعہ ذکر کی جانے والی چیز اس شخص کے لیے واضح ہو جائے جس کے ساتھ وہ صفت قائم ہے۔

اور فقہ علم کی باریکیوں کے پہچاننے کا نام ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ نفس کا اپنے لیے نفع بخش اور ضرر رساں چیزوں کے جاننے کا نام فقہ ہے، نیز فرمایا کہ علم تو عمل ہی کے لیے ہے، اور اس پر عمل کرنا آخرت کے لیے دنیا کو ترک کر دینا ہے۔

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو دنیا و آخرت میں نفع بخش اور ضرر رساں چیزوں سے غافل نہ سمجھے اور ان چیزوں کو حاصل کرے جو اس کو نفع دیتی ہوں اور جو چیزیں نقصان دہ ہیں ان سے دور رہے، تاکہ اس کا علم اور اس کی عقل اس کے خلاف حجت نہ ہو اور اس کی سزا میں اضافہ نہ ہو جائے، ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی ناراضگی اور اس کی سزا سے پناہ چاہتے ہیں۔

علم کے فضائل و مناقب کے بارے میں بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث مشہورہ وارد ہوئی ہیں۔ جن کا ذکر ہم اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ کتاب بہت زیادہ دراز ہو جائے گی

حل لغات: يَتَجَلّٰى : تَجَلّٰى (تفعل، اصلہ: جَلَی، معتل اللام، ناقص) تجلياً: خوب ظاہر اور واضح ہونا، دقائق: دقيقة کی جمع ہے: باریکی۔ يَسْتَجْلِبُ: اسْتَجْلَبَ الشَّيْءَ (استفعال، اصلہ جَلَبَ، صحیح سالم) استجلاباً: کسی چیز کو حاصل کرنا

تشریح: یہاں سے مصنفؒ نے علم کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ علم ایک ایسی صفت ہے کہ جو انسان بھی اس سے متصف ہو جائے اس کے لیے وہ تمام چیزیں واضح ہو جاتی ہیں جن کو ذکر کیا جا سکتا ہے، پھر علوم میں فقہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ فقہ کے ذریعہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اس وجہ سے مصنفؒ نے بطور خاص اس کی تعریف ذکر کی۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ فقہ علم کی باریکیوں کے جاننے کا نام ہے، یہ مصنفؒ کی بیان کردہ تعریف ہے۔

دوسری تعریف حضرت امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ علم فقہ نام ہے نفس کا اپنے لیے نفع بخش اور نقصان دہ چیزوں کے جاننے کا، کہ نفس کے لیے کیا چیزیں مفید ہیں اور کیا چیزیں ضرر رساں ہیں، خواہ دنیاوی اعتبار سے ہوں یا اخروی اعتبار سے، جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام کا جاننا یا حلال وحرام چیزوں کا جاننا۔

اور علم وعمل کے حصول کے لیے دنیا- جو کہ فانی ہے- کا ترک کرنا، اس سے بے رغبتی اختیار کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ دنیا اور علم وعمل میں تضاد ہے، اس لیے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس فانی دنیا کے مقابلہ میں ہمیشہ رہنے والی جنت کی زندگی کی تیاری کرے، اور نقصان دہ چیزوں سے احتراز کرے، اگر ایسا نہ کیا تو کل آخرت میں انسان کا نفس، اس کا علم اور اس کی عقل خود اس کی ذات کے خلاف حجت بنیں گی۔

قرآن وحدیث میں علم کے فضائل ومناقب پر خاصا زور دیا گیا ہے۔ علم اور اہل علم کی فضیلت پر بے شمار احادیث موجود ہیں، چند آیات واحادیث کو "تعلیم المتعلم" کے حاشیہ پر بھی لکھ دیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

فصل في النية حال التعلّم

زمانہ طالب علمی میں نیت کا بیان

اس فصل میں مصنفؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایک طالب علم کو چاہئے کہ وہ حصول علم سے پہلے اپنی نیت کو درست کرلے، اس کا مقصد اس علم نافع کا حاصل کرنا ہو جس سے اسلام کی سربلندی ہو، اس لیے کہ اسلام کی بقاء کے لیے علم ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، نیز علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرگزار بنے، نہ تو لوگوں کی طرف سے مدح سرائی مقصود ہو اور نہ ہی دنیا طلبی۔ فصل کے اخیر میں مصنفؒ نے اس پر بھی متنبہ کیا ہے کہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ علم کی عظمت کو اپنے سینے میں رکھے خصوصاً اس کے لیے ضروری ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الوصیۃ کا مطالعہ کرتا رہے۔

ثُمّ لا بُدّ له مِنَ النيَّةِ في زَمَانِ تَعَلُّمِ العِلْمِ، إذِ النيَّةُ هِيَ الأَصْلُ في جَمِيعِ الأَفْعَالِ لِقَوْلِه عليه السلام: "إنّمَا الأعمالُ بالنياتِ" حديثٌ صَحِيحٌ

وَعَنْ رسول الله صلى الله عليه وسلم: كَمْ مِنْ عَمَلٍ يَتَصَوَّرُ بِصُوْرَةِ أعْمَالِ الدُّنْيَا، وَيَصِيْرُ بِحُسْنِ النيةِ من أعْمَالِ الآخرةِ، و كَمْ مِنْ عَمَلٍ يَتَصَوَّرُ بِصُوْرَةِ أعْمَالِ الآخرةِ، ثم يَصِيْرُ مِنْ أعْمَالِ الدنيا بِسُوْءِ النية.

ترجمہ: حصول علم کے زمانے میں طالب علم کے لیے نیت اور ارادہ ضروری ہے، کیوں کہ نیت ہی تمام افعال کی بنیاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بہت سے اعمال بظاہر دنیوی اعمال سمجھے جاتے ہیں، لیکن اچھی نیت سے آخرت کے اعمال میں شمار ہوتے ہیں۔ اور بہت سے

اعمال ظاہراً آخرت کے اعمال تصور کیے جاتے ہیں مگر بدنیتی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوتے ہیں۔

حل لغات: یُتَصَوَّر: بصیغہ مجہول، تصور (تفعل، معتل العین) تَصَوُّراً: شمار کرنا، تصور کرنا۔

تشریح: کسی بھی عمل کی صحت وفساد اور اس کی مقبولیت اور مردودیت کا مدار نیت اور ارادہ پر ہے، اسی پر اچھے برے نتائج کا ترتب ہوتا ہے، صورت عمل کتنی ہی اعلیٰ اور بہتر ہو اگر نیت میں فساد ہے تو عند اللہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اسی لیے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تمام افعال میں نیت ضروری ہے خواہ وہ افعال مقصود ہوں یا غیر مقصود، البتہ فرق اتنا ہے کہ عبادات مقصودہ میں نیت فرض ہے اور غیر مقصودہ میں سنت ہے۔ مقصودہ کی مثال نماز روزہ اور حج وغیرہ ہیں۔ اور غیر مقصودہ جیسے وضوء کرنا۔

ایک حدیث میں ہے کہ بہت سے اعمال بظاہر دنیاوی معلوم ہوتے ہیں جیسے کھانا، پینا اور سونا وغیرہ لیکن حسن نیت کی وجہ سے اعمالِ آخرت میں شمار ہوتے ہیں، جیسا کہ کھانے سے تقوی بالعبادۃ کی نیت ہو، اور یہ نیت ہو کہ کھانے پینے سے صحت وتوانائی حاصل ہوگی تو جہاد کریں گے تو اس کو کھانے اور پینے پر بھی ثواب ملے گا۔ اس کے برخلاف بہت سے اعمال بظاہر اخروی ہوتے ہیں، لیکن نیت میں فساد کی وجہ سے دنیاوی شمار ہوتے ہیں، جیسے دکھاوے کے لیے نماز پڑھنا، اپنی تعریف کی غرض سے تقریر کرنا وغیرہ۔

مصنفؒ آگے طلبہ کو یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ وہ اپنی نیت کو درست رکھیں اور ہر کام وعمل میں رضائے الٰہی مقصود ہو۔

و يَنْبَغِي أَنْ يَنْوِيَ الْمُتَعَلِّمُ بِطَلَبِ العِلْمِ رِضَاءَ اللّٰهِ تعالىٰ، والدارَ الآخرةَ، وإزالة الجهلِ عَنْ نَفْسِه وعن سائر الجهال، وإحياءَ الدِّين، وإبقاءَ الإسلام؛ فإنَّ بقاءَ الإسلامِ بالعِلْمِ، ولا يَصِحُّ التَّقْوىٰ مَعَ الجَهْلِ۔

و أنشدني الشيخُ الإمام الأجلُّ برهانُ الدينِ صاحبُ الهدايةِ

لِبَعْضِهِم.

فسادٌ كبيرٌ عالم مُتَهَتِّكٌ
وَأكْبَرُ مِنه جاهل مُتَنَسِّكٌ
هُمَا فِتْنَةٌ في العٰلَمِيْنَ عظيمةٌ
لِمَنْ بِهِمَا في دِينه يَتَمَسَّكُ

ترجمه: اور طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ طلب علم سے اس کی نیت رضائے الٰہی، آخرت، اپنے آپ اور دیگر جاہلوں سے جہالت دور کرنے، احیاء دین اور تحفظ اسلام ہو، اس لیے کہ اسلام کی بقاء علم ہی سے ہے، جہالت کے ہوتے ہوئے، زہد وتقویٰ درست نہیں ہوتا۔

عالی مرتبت، امام وقت صاحب ہدایہ شیخ برہان الدینؒ نے کسی عالم کے یہ اشعار سنائے:

لاپرواہ عالم بڑا فتنہ ہے۔ اور اس سے بڑا فتنہ جاہل عبادت گزار ہے۔
یہ دونوں دنیا میں اس شخص کے لیے بڑا فتنہ ہیں جو اپنے دین میں ان کی اقتداء کرے۔

حل لغات: مُتَهَتِّكٌ: ذلیل اور رسوا آدمی، تَهَتَّكَ فُلَانٌ (تفعل، صحیح سالم) تهتكاً: رسوا ہونا، رسوائی کی پرواہ نہ کرنا، ترکیب میں یہ خبر ہے "فساد كبير" کی، متنسك: عبادت گزار، زاہد، تَنَسَّكَ فُلَانٌ (تفعل، صحیح سالم) تَنَسُّكاً: زاہد اور عبادت گزار بننا، فتنة: آزمائش، ابتلاء (ج) فتن آتی ہے، اور "عظيمة" اس کی صفت ہے، العالَمِيْنَ: عالَم کی جمع ہے بمعنی دنیا، جمع کا صیغہ بطور مبالغہ لایا گیا ہے۔ تَمَسَّكَ به (تفعل، صحیح سالم) تَمَسُّكاً چمٹنا، پیروی کرنا، اس میں "ہو" ضمیر لمن میں "من" کی طرف راجع ہے۔ "بِهِمَا" اور "في دينه" دونوں يتمسك کے متعلق ہیں ضرورت

شعری کی وجہ سے مقدم کردیئے گئے ہیں۔

تشریح: یہاں سے نیت کی کیفیت کا بیان شروع ہوتا ہے کہ سب سے پہلے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ تحصیل علم سے اس کا مقصد رضاء الٰہی، آخرت کی کامیابی اور اپنی ذات نیز دوسروں سے جہالت کا ازالہ ہو، دنیاوی جاہ و جمال مقصود نہ ہو، اسی وجہ سے کسی عالم نے شعر میں یہ بات کہی ہے کہ جو عالم غلط اور رسوا کن کام کرتا ہو اپنی رسوائی اور ذلت کی اس کو کوئی فکر نہ ہو، وہ لوگوں کے لیے بڑا فتنہ ہے، کیوں کہ عالم ہونے کی وجہ سے لوگ اس کو اپنا راہ نما مانیں گے اور اس کی پیروی میں غلط کام کر بیٹھیں گے، جس سے ایک فتنہ برپا ہو جائے گا، اور اس سے بھی بڑا فتنہ ایسا عبادت گزار شخص ہے جو نرا جاہل ہو، اس لیے کہ جہالت کی وجہ سے اس کے عقائد میں پختگی نہیں ہوگی اور بدعت کو رواج دے بیٹھے گا۔

یہ لاپرواہ عالم اور جاہل عبادت گزار خاص طور سے ان لوگوں کے لیے تو فتنہ ہیں ہی جو اپنے دین کے سلسلے میں اس جاہل اور لاپرواہ عالم کو اپنا پیشوا بنائے، کیوں کہ یہ بھی ان کے نقش قدم پر چل کر گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس لیے ایسے حضرات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

وينوي بِه الشُّكْرَ على نِعْمَةِ العَقْلِ وصِحَّةِ البَدَنِ، ولا يَنْوِي به إقبالَ الناسِ عليه ولا اسْتِجْلَابَ حُطامِ الدنيا، والكرامةَ عند السلطان وغيرِه.

قال محمد بن الحسن - رحمه الله تعالى - : لو كان الناسُ كُلُّهم عَبيدي لَأَعتقْتُهم، وتبرّأتُ عن ولائِهم ومَنْ وَجَدَ لَذّةَ العِلْمِ والعَمَلِ بِه قَلَّما يَرْغَبُ فِيمَا عِنْدَ الناسِ.

أنشدنا الشيخُ الإمامُ الأجلُّ الأستاذُ قوام الدين حمّادُ بنُ إبراهيمَ بنِ إسماعيلَ الصَّفّارُ الأنصارِيُّ إملاءً لأبي حنيفةَ - رحمه الله تعالى - شِعْرًا:

مَنْ طَلَبَ العِلْمَ للمَعادِ

فَازَ بِفَضْلٍ مِنَ الرَّشَادِ
فَيَا لَخُسْرَانِ طَالِبِيْهِ
لِنَيْلِ فَضْلٍ مِنَ العِبَادِ

اَللّٰهم إلاَّ إذَا طَلَبَ الْجَاهَ لِلْأَمْرِ بالمَعْرُوْف والنهي عن الْمُنْكَرِ، وتَنْفِيْذِ الحَقِّ وإعْزاز الدين، لاَ لِنَفْسِه وهَوَاهُ، فيجوز ذلك بِقَدْرِ مايُقِيْمُ به الأمرَ بالمَعْرُوْفِ والنهيَ عَنِ المُنْكَرِ.

ترجمہ: طالب علم کو چاہیے کہ وہ تحصیل علم سے عقل اور تندرستی بدن جیسی نعمت پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر کی نیت کرے، اس سے اپنی طرف لوگوں کی توجہ اور دنیا کے سنگ ریزے جمع کرنے اور بادشاہ وغیرہ کے پاس اپنے اعزاز واکرام کا ارادہ نہ کرے۔

محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ اگر ساری دنیا میری غلام ہو جائے تو میں ان کو آزاد کردوں اور ان کے چھوڑے ہوئے مال سے بالکل بری ہو جاؤں۔ اور جس کو علم اور اس پر عمل کی لذت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ لوگوں کے پاس موجود چیزوں میں کم ہی رغبت کرتا ہے۔

عظیم المرتبت امام وقت، شیخ استاذ قوام الدین حماد بن ابراہیم الصفار انصاریؒ نے ہم کو امام ابوحنیفہؒ کی امالی سے یہ اشعار سنائے:

جس نے آخرت کی خاطر علم حاصل کیا تو وہ راہ حق کی خوبیاں پانے میں کامیاب ہوگیا۔

ہائے ہلاکت و بربادی ان طالب علموں کی جو لوگوں کی داد و دہش حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔

لیکن ہاں اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، نفاذ حق اور دین کی سربلندی کے لیے جاہ ومرتبہ طلب کرے، اپنی ذات اور خواہش مقصد نہ ہو تو اتنی مقدار میں اس کا حصول جائز ہے جس کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکے۔

سنن ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم اس لیے نہ حاصل کرو کہ عالم ہونے پر فخر کرو، جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ پر بیٹھو جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لیے دوزخ ہے دوزخ۔

حل لغات و ترکیب: إقبال: أَقْبَلَ عَلَيْهِ وَإِلَيْهِ (افعال، اصلہ قَبِلَ، صحیح سالم) إقبالاً: متوجہ ہونا، حطام الدنیا: بضم الحاء: دنیاوی مال و دولت جو جلد ہی فنا ہو جائے۔ استجلاب: استجلبه (استفعال، صحیح سالم) استجلاباً: کسی چیز کو حاصل کرنا، عَبِید: عَبْدٌ کی جمع ہے بمعنی غلام۔ تبرّأْتُ: تبرّأ عن و من کذا (تفعل، اصلہ برأ مہموز اللام) تبرُّأً: بری ہونا، سبکدوش ہونا، ولائهم: ولاء وہ میراث ہے جس کا استحقاق کسی کی آزادی کے سبب ثابت ہوتا ہے۔ مطلقاً مِلک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ المعاد: اسم ظرف ہے، لوٹنے کی جگہ، آخرت، فیالخسران: "یا" حرف نداء ہے برائے استغاثہ، "خُسْرَانِ" منادی مستغاث ہے جو کہ لام حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے، یہاں غایت افسوس کی وجہ سے خسران ہی کو منادی بنا دیا گیا ہے۔

تشریح: کیفیت نیت کا بیان چل رہا ہے کہ تحصیل علم کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بنے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم اور صحت و تندرستی عطا کی ہے جو ایک بڑی عظیم نعمت ہے اس پر اللہ کا جتنا شکر بھی ادا کرے کم ہی کم ہے، حصول علم کا یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ علم کی وجہ سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور دنیاوی ساز و سامان اور مال و متاع حاصل ہوگا۔ اور اس کو بڑا منصب مل جائے گا، رؤساء کے یہاں پذیرائی ہوگی، اگر کسی طالب علم کا یہ مقصد ہے تو وہ انتہائی نقصان اور خسارے میں ہے۔

اصل مقصد تو رضائے الٰہی ہونا چاہئے، دنیاوی مال و متاع کی کوئی قدر و قیمت علم کے مقابلہ میں نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ حضرت امام محمد بن الحسنؒ کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت کی نظر میں دنیاوی ساز و سامان کی کوئی حیثیت نہیں تھی، حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری دنیا میری غلامی میں آجائے تو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی، میں کچھ

لیے بغیر سب کو آزاد کردوں گا، نیز ان کے مال سے بالکل بے اعتنائی اختیار کرلوں گا، کیوں کہ مجھے لذت علم حاصل ہوچکی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جس کو لذت علم حاصل ہوجائے اس کے سامنے دنیا کی تمام چیزیں ہیچ ہوجاتی ہیں۔

مصنفؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی امالی سے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں، کہ اصل کامیابی اس انسان کے لیے ہے جو آخرت اور رضائے الٰہی کی خاطر علم حاصل کرتا ہے، اور جو شخص دنیاوی جاہ ومنصب کی غرض سے علم حاصل کرے گا وہ تو سراسر نقصان اور خسارے میں ہے، بربادی کے علاوہ آخرت میں اس کو کچھ نہ ملے گا۔

مصنفؒ علام کی مذکورہ گفتگو سے یہ بات مترشح ہوئی کہ علم کے ذریعہ دنیاوی جاہ ومنصب حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن مصنفؒ اب یہ بتانا بھی ضروری سمجھ رہے ہیں کہ یہ حکم مطلقاً نہیں ہے بلکہ بعض اوقات میں جاہ ومنصب کو طلب کرنا بھی جائز ہے، خصوصاً دینی امور کے نفاذ یا اس کی نشر واشاعت کے لیے عہدہ اور منصب چاہنا جس کے اثر ورسوخ سے دینی امور انجام دیئے جاسکیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مصنفؒ نے اپنے قول "اَللّٰهم" سے اس بات کو بیان کیا ہے۔

وَيَنْبَغِي لطالبِ العلم أَنْ يَتفكَّرَ في ذلك؛ فإنّه يَتعلّمُ العِلْمَ بِجُهْدٍ كثيرٍ، فَلَا يَصْرِفُهُ إلى الدنيا الحقيرةِ القَلِيْلَةِ الفَانِيَةِ.

وقال النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "اِتَّقُوْا الدنيا فَوَالَّذي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إنّهَا لَأَسْحَرُ مِنْ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ". شعر:

هِيَ الدُّنْيَا أَقَلُّ مِنَ القَلِيلِ
وعَاشِقُهَا أَذَلُّ مِنَ الذليل
تُصِمُّ بِسَحْرِهَا قومًا وتُعْمِي
فَهُمْ مُتَحَيِّرُوْنَ بِلَا دَلِيْلِ

ترجمہ: طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس (طلب علم) کے سلسلے میں غور وفکر کرتا رہے، کیوں کہ وہ علم دین بہت محنت وجاں فشانی سے سیکھ رہا ہے، اس لیے علم کو اس بے ثبات، معمولی اور بے حیثیت دنیا کی خاطر صرف نہ کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچو؛ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے یہ دنیا ہاروت وماروت (دو فرشتوں) سے زیادہ سحر انگیز ہے۔ ایک شعر ہے کہ:

یہ دنیا نہایت معمولی چیز ہے   اس کا طالب ذلیل ترین انسان ہے

اس نے اپنے جادو سے بہت سے لوگوں کو بہرہ اور نابینا کر دیا ہے یہ لوگ بلا راہ نما حیران وسرگرداں ہیں۔

حل لغات و ترکیب: جهد: بفتح الجیم بمعنی مشقت، اور بضم الجیم بمعنی طاقت، یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ أَسْحَرُ: اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی بہت زیادہ جادو کرنے والا، سَحَرَهُ (ف، صحیح سالم) سَحْراً: جادو کرنا، هَارُوْت وماروت: یہ دو فرشتے تھے جو لوگوں کی آزمائش کے لیے آسمان سے اتارے گئے تھے۔ هِيَ الدنيا: "هِيَ" مبتداء اول ہے اور "الدنیا" مبتداء ثانی ہے، "أَقَلُّ مِنَ القَلِيلِ" مبتداء ثانی کی خبر ہے مبتداء خبر مل کر پھر خبر ہوں گے مبتداء اول "هي" کی غایت قلت کے لیے "أقل من القليل" کہا گیا ہے، تُصِمُّ: أَصَمَّهُ (افعال، مضاعف) إصماماً: بہرہ کرنا، أَعْمٰی (إفعال، معتل اللام، ناقص) إعماءً: اندھا کرنا، مُتَحَيِّرُوْنَ: اسم فاعل ہے بمعنی حیران وپریشان، دَلِيْل: بمعنی راہ بر۔

تشریح: نیت کے سلسلے میں گفتگو چل رہی ہے، مصنفؒ طالب علم کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ اس کو چاہئے کہ حصولِ علم میں غور وفکر کرے کہ کتنی مشقت اور پریشانی سے علم حاصل ہوتا ہے، اتنی محنت اور مشقت سے حاصل ہونے والی چیز کو بے ثبات اور حقیر دنیا کے

لیے استعمال نہ کرے، حصولِ علم کا مقصد دنیا کی رنگینیوں کو نہ بنائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لوگوں کو یہ تاکید فرمائی ہے کہ دنیا سے دور رہو کیوں کہ دنیا جادوگر ہے جو اپنا گرویدہ بنا کر آخرت سے غافل کر دیتی ہے، اس کا جادو تو ہاروت اور ماروت سے بھی بڑھا ہوا ہے۔
ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے جو شہر بابل میں انسانوں کی شکل میں رہتے تھے، ان دونوں کے پاس جادو کا علم تھا، انسانوں کی آزمائش کے لیے جادو کا علم سکھاتے تھے، لوگ ان سے جادو کا عمل سیکھ لیتے اور اپنی آخرت کو برباد کر لیتے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کا جادو ان کے جادو سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس لیے اس سے حتی الامکان بچنا چاہئے۔

کسی شاعر نے دنیا کی خوب مذمت کی ہے، شاعر کہتا ہے کہ یہ دنیا انتہائی معمولی اور دھوکے باز چیز ہے، چھاؤں کی طرح بے ثبات ہے اس کے باوجود دنیا کا عشق ذلت نہیں تو اور کیا ہے، اس حقیر اور بے ثبات چیز کا عاشق یقیناً سب سے زیادہ ذلیل اور کمتر سمجھا جائے گا، دنیا اپنے عاشق کو ظاہری خوش نمائی سے بہرہ اور اندھا کر دیتی ہے، اس کو دنیاوی چیز کے علاوہ نہ کوئی چیز دکھائی دیتی ہے، صبح سے شام تک بس دنیا کی دوڑ دھوپ میں پڑا رہتا ہے، نہ نماز و روزے کی فکر نہ ذکر و اذکار سے کوئی تعلق، ایسے عشاق بغیر کسی صحیح راہ بر کے حیران و سرگرداں رہتے ہیں، آخرت کی فوز و فلاح سے بالکل دور رہتے ہیں۔

وَيَنْبَغِي لِأَهْلِ العلم أَنْ لَا يُذِلَّ نَفْسَه بالطَّمَعِ في غَيْرِ المَطْمَعِ، وَيَتَحَرَّزَ عَمَّا فيه مَذَلَّةُ العِلمِ وأهلِهِ، ويكونُ مُتَواضِعًا، والتواضعُ بين التكبرِ والمَذَلَّةِ، والعِفَّةُ كذلك، ويُعْرَفُ ذلك في كتابِ الأَخْلَاقِ.

أنشدني الشيخُ الإمامُ الأستاذُ ركن الدين المعروف بالأديبِ المُخْتَارِ – رحمه الله– شعرًا لنفسه:

إنَّ التواضُعَ من خِصَالِ المُتَّقِي
وبه التقِيُّ إلى المَعَالِي يَرْتَقِي

ومن العجائب عُجُبُ مَنْ هو جاهلٌ
في حالهِ أهُوَ السعيدُ أم الشقيّ
أم كَيْفَ يَخْتِم عُمْرَه أو روحَه
يَوْمَ النَّوى مُتسَفِّلٌ أو مُرْتَقِي
والكِبْرِيَاءُ لِرَبِّنَا صِفَةٌ بهِ
مَخْصُوصَةٌ فَتَجَنَّبْهَا والتَّقِي

قال أبو حنيفة لأصحابه: عَظِّمُوا عَمَائِمَكُمْ، ووَسِّعُوا أكْمامَكُمْ، وإنَّمَا قَاَل ذلك لِئَلاَّ يُسْتَخَفَّ بالعِلمِ وأهله.

ترجمہ: اور اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو حرص وطمع کی جانے والی چیز کے علاوہ کے ذریعہ ذلیل اور رسوا نہ کرے، اور ان چیزوں سے احتراز کرے جن سے علم اور اہل علم کی ذلت ورسوائی ہو، عجز وانکساری کو اپنا شیوہ بنائے اور تواضع نام ہے تکبر اور ذلت کی درمیانی صفت کا، اسی طرح عفت اور پاکدامنی بھی (دونوں کی درمیانی صفت کا نام) ہے۔

مجھے امام وقت استاذ شیخ رکن الدین جوادیب مختار سے مشہور ہیں، نے اشعار سنائے:
بلاشبہ تواضع متقی اور پرہیزگار کے اوصاف حمیدہ میں سے ہے، اسی کے ذریعہ متقی بلندیوں پر پہنچتا ہے۔
اس شخص کی خودپسندی تعجب خیز بات ہے جو خود اپنے احوال سے ناواقف ہے، کہ وہ سعادت مند ہے یا بدبخت۔
وفات کے دن کس طرح اپنی عمر اور اپنی روح کو ختم کرے گا اس کی روح جہنم کی تہ میں پہنچے گی یا جنت کے اعلیٰ مقام پر تکبر، تو ہمارے پروردگار کی مخصوص صفت ہے، اس سے دور رہو اور احتیاط برتو۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: اپنے عمامے کی عظمت کرو۔ (اپنی پگڑیوں کو بڑا کرو) اور اپنی آستینوں کو کشادہ رکھو، آپ نے یہ اس لیے فرمایا تھا تاکہ علم اور اہل علم کی تحقیر نہ کی جائے۔

حل لغات: يُذِلُّ : أَذَلَّهُ (افعال، اصل ذَلّ، مضاعف) إِذْلَالاً: ذلیل کرنا رسوا کرنا، الطَّمَعُ: طَمِعَ (س، صحیح سالم) طَمَعًا و طمعاناً: حریص ہونا، لالچی ہونا، المطمع: مصدر میمی ہے یا اسم ظرف ہے بمعنی لالچ کرنے کی چیز، (ج) المطامع آتی ہے، مَذَلَّة: مصدر میمی ہے بمعنی ذلت و رسوائی، العِفَّةُ: پاک دامنی، أَنْشَدَنِي: أَنْشَدَهُ الشِّعْر (افعال، صحیح سالم) إنشاداً: شعر پڑھنا، التَّقِي: بروزن فعیل بمعنی متقی اور پرہیزگار، اس کی جمع اتْقِيَاء آتی ہے۔ الْمَعَالِي: مَعْلَى کی جمع ہے بمعنی بلندی، عَجَائب: عَجِيبَةٌ کی جمع ہے بمعنی تعجب کی چیز اور عُجْب کے معنی خود پسندی کے ہیں۔ يَوْمُ النوى: قیامت کا دن یا ہلاکت کا دن۔ مُتَسَفِّلٌ: اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی اترنے والا، تَسَفَّل (تفعل، صحیح سالم) تَسَفُّلاً: آہستہ آہستہ اُترنا، عام طور پر بلندی سے نیچے کی طرف آنے پر تسفل کا اطلاق ہوتا ہے۔ عمائم: عمامة کی جمع ہے بمعنی پگڑی، أَكْمَام: كُمّ کی جمع ہے بمعنی آستین۔

تشریح: اہل علم کو نصیحت کرتے ہوئے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اپنے وقار کی حفاظت کریں، ایسی چیز میں بالکل حرص و طمع نہ کریں جس میں حرص روا نہیں۔ جیسے دنیا کی چیزیں، مال و دولت، جاہ و مرتبہ وغیرہ، ہاں اس چیز میں حرص کر سکتے ہیں جس میں حرص و طمع کو محمود قرار دیا گیا ہے جیسے حصول علم میں حرص، سخاوت اور دیگر نیکیوں میں حرص کرنا، مواضع تہم سے اہل علم کو بہت دور رہنا چاہیے، نیز اہل علم کو تواضع اور انکساری اختیار کرنی چاہیے۔

تواضع کی تفسیر میں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تواضع تکبر اور ذلت کی درمیانی حالت کا نام

ہے، تکبر کرنا بھی حرام ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا بھی حرام ہے، ان دونوں حرام صفات کے درمیان صفت محمود تواضع ہے "لأن خير الأمور أوساطها"

والعفة كذلك : اس جملہ کی تشریح میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ عفت بھی تواضع کی طرح ہے کہ جس طرح تواضع تکبر اور ذلت کی درمیانی صفت ہے، اسی طرح عفت بھی تکبر اور ذلت کی درمیانی صفت ہے اور یہاں عفت سے مراد حرام سے اجتناب ہے، پس کمزور اور ضعیف آدمی طلب حلال سے تکبر نہیں کرتا اور طلب حرام سے اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا نہیں کرتا۔

دوسرا احتمال اس کی تشریح میں یہ ہے کہ عفت یعنی حرام سے احتراز طالب علم کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح تواضع ضروری ہے۔ (شرح شیخ ابن اسمٰعیل ص/۱۴)

شیخ رکن الدینؒ نے تواضع سے متعلق چند اشعار کہے ہیں جن کا مطلب تو ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں، البتہ خلاصہ فائدہ سے خالی نہیں، خلاصہ ان اشعار کا یہ ہے کہ عاجزی اور انکساری پرہیزگاروں کا شیوہ ہے، عاجزی کا اختیار کرنا انسان کو بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے، کیوں کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ جس انسان کو خود اپنے احوال کے بارے میں خبر نہیں کہ کل قیامت کے دن وہ نیک بخت ہوگا کہ جنت میں داخلہ کا پروانہ مل گیا یا بدبخت ہوگا کہ جہنم میں ڈالنے کا حکم سنایا گیا، ایسا انسان تکبر کرتا ہے انتہائی حیرت کی بات ہے۔ درحقیقت تکبر اور بڑائی تو اللہ کی صفت خاص ہے اسی ذات کی شایان شان ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے "العظمة إِزَارِيْ والكبرياء رِدَائِي" معلوم ہوا کہ عظمت وبڑائی تو اللہ کی مخصوص صفات میں سے ہے غیروں کو زیب نہیں دیتی۔

لہٰذا طالب علم کو خود پسند اور متکبر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ متواضع رہنا چاہئے، لیکن تواضع کے ساتھ ساتھ باوقار اور باعزت بھی رہنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے تلامذہ کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ عمامہ باندھا کرو اور عمامہ کو بڑا رکھا کرو تا کہ تم باوقار

وباعزت معلوم ہوؤ، اس لیے کہ لوگوں کی نظریں تو ظاہری لباس ہی پر پڑتی ہیں، اور آستین بڑی رکھو تا کہ بلاوضوء دینی کتابیں وغیرہ چھونے کی ضرور پڑ جائے تو آستین سے پکڑ لو اور بوقت ضرورت کتاب وغیرہ رکھ سکو۔ ایسا کرو گے تو علم اور اہل علم کا لوگوں کے دلوں میں وقار اور عزت برقرار رہے گی۔

وينبغي لطالب العلم أن يُحَصِّلَ كتابَ "الوصية" التي كتبها أبو حنيفة ليوسفَ بنِ خالدٍ السمتي- رحمة الله عليه - عِنْدَ الوجوعِ إلى أهلِهِ، وعيالِهِ، يجده من يطلبه، وقد كان أستاذُنَا شيخُ الإسلام برهانُ الأئمة عِلِيُّ بنُ أبي بكرٍ - قَدَّسَ اللّٰهُ رُوْحَهُ العَزِيْزَ - أمَرَنِي بِكِتَابَتِهِ عِنْدَالرُّجُوعِ إلى بَلَدِي، و كَتَبْتُهُ، وَلاَ بُدَّ لِلْمُدَرِّسِ والمُفتِي في مُعَامَلاتِ الناسِ مِنْهُ.

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی "کتاب الوصیت" حاصل کرے، جو انھوں نے یوسف بن خالد سمتیؒ کے لیے ان کے اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹتے وقت لکھی تھی۔ جو شخص اس کو تلاش کرے گا پا لے گا۔

ہمارے استاذ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکرؒ نے - اللہ ان کی پاکیزہ روح کو عزت بخشے - مجھے اپنے وطن لوٹتے وقت اس کے لکھنے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو لکھ لیا۔ ایک مدرس اور عوام الناس کے ساتھ معاملات میں مفتی کے لیے اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح: ایک طالب علم کس طرح زندگی گزارے؟ اس موضوع پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ایک تلمیذ یوسف بن خالدؒ کو ایک کتاب لکھ کر دی تھی، یہ بڑی عمدہ کتاب ہے، اس کا نام کتاب "الوصیۃ" ہے، ہند اور بیرون ہند مطبوع ہے، شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند سے منسلک اسلامی اسکالر و محقق حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب بستوی نے اس کا اُردو زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے جو بازار میں دستیاب ہے۔

فصل في اختيار العلم والأستاذ والشريك والثبات عليه

علم، استاذ اور رفیق درس کے انتخاب اور حصول علم پر ثابت قدمی کا بیان

اس فصل میں مصنفؒ نے ایک مخلص مرشد و مساعد ہونے کی حیثیت سے طالب علم کی دستگیری کی ہے، اور اس کے علمی وجود اور ڈھانچہ کے تحفظ میں راہ نمائی کی ہے، چنانچہ سب سے پہلا مشورہ یہ دیا ہے کہ طالب علم مفید اور کارآمد علم کا انتخاب کرے، ایسے علوم سے اجتناب کرے جو ضیاع عمر اور فقہ سے دوری کا سبب ہوں، اسی طرح استاذ کے انتخاب میں عجلت نہ کرے ذی شعور حضرات سے رجوع کرنے کے بعد ایک اچھے باصلاحیت، متقی اور پرہیزگار استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرے۔ رفیق درس ایسا تلاش کرے جو دن رات کا محنتی ہو، نیک وصالح، سنجیدہ و باوقار اور اچھی فطرت کا مالک ہو اس لیے کہ صحبت بہت مؤثر ہتھیار ہے، اخیر میں طالب علم کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ حصول علم میں مستقل مزاجی اور استقامت کو اپنا بنیادی فریضہ سمجھے۔

يَنبَغِي لِطَالِبِ العِلْمِ أن يَخْتَارَ مِنْ كُلِّ عِلمٍ أَحْسَنَه، ومَا يَحْتَاجُ إليه في أَمْرِ دِينِهِ في الحالِ، ثم مايَحْتَاجُ إليه في المآلِ؛ فَيُقَدِّمَ عِلْمَ التوحيدِ والمَعْرِفَةِ، ويعرفُ اللّٰهَ تعالى بالدليل، فإن إيمان المُقَلِّدِ وإنْ كانَ صحيحًا عِنْدَنَا لكِنْ يَكُوْنُ آثِمًا بِتَرْكِ الاستدلالِ، ويَخْتَارُ العَتِيقَ دُوْنَ المحدثاتِ.

قالوا: عَلَيْكُمْ بِالْعَتِيقِ، وإيَّاكُمْ والمُحْدَثَاتِ.

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ ہر علم میں سے اچھے سے اچھے علم کا انتخاب کرے اور جن علوم کی اس کو دینی امور میں فوری ضرورت ہے، پھر ان علوم کو حاصل

کرے جن کی بعد میں ضرورت پیش آئے گی۔

علم توحید اور معرفت الٰہی کو مقدم کرے، دلیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے، اس لیے کہ مقلد کا ایمان اگر چہ ہمارے نزدیک صحیح ہے؛ لیکن استدلال کو چھوڑنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا، اور قدیم علوم کا انتخاب کرے نہ کہ نئے اور جدید علوم کا۔

علماء نے کہا ہے کہ: قدیم علوم کو لازم پکڑو اور جدید علوم سے احتراز کرو۔

حل لغات: **مآل** : اسم ظرف ہے بمعنی لوٹنے کی جگہ۔ **آلَ إلیه** (ن، معتل العین اجوف) **أوْلاً و مآلاً**: لوٹنا، **المقلّد** اسم فاعل ہے بمعنی اتباع اور پیروی کرنے والا، یہاں مقلد سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر علی وجہ البصیرۃ ایمان نہ رکھتا ہو، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد مراد نہیں ہے **العَتِیْقُ**: بروزن فعیل بمعنی پرانا اور قدیم علم، قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کا علم، **مُحْدَثَات**: **مُحْدَثَةٌ** کی جمع ہے: بعد میں پیدا ہونے والے یا ترقی پانے والے علوم، نیز ان علوم پر بھی محدثات کا اطلاق ہوتا ہے جن کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع امت سے نہ ہو۔

تشریح: طالب علم کو چاہئے کہ بہتر سے بہتر علم حاصل کرے مثلاً قرآن وحدیث اور فقہ کا علم حاصل کرے، نیز ان علوم کے حصول کو مقدم کرے جن کی فی الحال ضرورت پڑتی ہے جیسے مثلاً نماز کے مسائل، پھر ان علوم کو حاصل کرے جن کی ضرورت فی المآل پڑے گی، جیسے مثلاً حج اور زکوۃ کے مسائل اس شخص کے لیے جو فوری طور پر ان پر قادر نہیں ہے۔

پھر چوں کہ تمام علوم کی جڑ اور بنیاد علم توحید ہے اس لیے اس کو مقدم کرے، جہاں تک ہو سکے خدا اور اس کی وحدانیت کو دلائل سے جانے اس سلسلہ میں محض آباء واجداد کی تقلید نہ کرے، کیوں کہ بسا اوقات ان کے عقائد میں بدعت کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ علی وجہ البصیرت خدا تعالیٰ پر ایمان ویقین رکھے، صحیح العقیدہ اور استاذِ کامل کی راہ نمائی کے بغیر عقائد میں پختگی پیدا کرنے کے لیے قدیم علوم کو پڑھے، جدید علوم میں پڑنے سے

اجتناب کرے، کیوں کہ جدید علوم مثلاً سائنس وغیرہ سے بعض مرتبہ صحیح رہبری نہ ہونے کی وجہ سے عقیدہ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

مصنفؒ نے یہاں یہ بات بطور خاص کہی کہ جو شخص دلائل سے خدا کی معرفت حاصل نہیں کرتا وہ گنہ گار ہوتا ہے، شیخ ابن اسمٰعیل نے اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مقلد ترک استدلال سے اس لیے گنہ گار ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو نعمت عقل عطاء کی ہے، تاکہ اس عقل کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور صفات پر استدلال کرے، پس ترک استدلال سے عقل کی اس نعمت کی ناشکری کرنے والا ہوگا، اور یہ ظاہر بات ہے کہ کفران نعمت گناہ ہے۔ (شرح ابن اسمٰعیل ص/۱۶)

وَإِيَّاكَ أن تَشْتَغِلَ بهذَا الجِدَالِ الذي ظَهَرَ بعد انْقِرَاضِ الأَكابِرِ مِنَ العُلَمَاء فإنه يُبْعِدُ الطالِبَ عَنِ الفِقْهِ ويُضَيِّعُ العُمْرَ ويُوْرِثُ الوَحْشَةَ والعداوةَ، وهو مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ، وارْتِفَاعِ العِلْمِ والفِقْهِ، كَذَا وَرَدَ في الحديث.

ترجمہ: (علماء نے کہا ہے کہ) ایسے بحث ومباحثہ میں پڑنے سے بچو جو اکابر علماء کے گزرنے کے بعد ظاہر ہوئے ہیں، کیوں کہ ایسے بحث ومباحثے طالب علم کو فقہ سے دور کرتے ہیں اور عمر کو ضائع کرتے ہیں، اور وحشت وعداوت کا سبب بنتے ہیں۔ اور یہ بحث ومباحثہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، اور علم وفقہ کے اٹھ جانے کی علامت ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

حل لغات: الجِدَال: جَادَلَهُ (مفاعلة، صحیح سالم) مجادلةً وجدالاً: جھگڑنا، بحث کرنا۔ اور جدال سے مراد یہاں وہ مخاصمہ ہے جو بغض وعداوت کا سبب ہو، انْقِرَاضُ: انقَرَضَ الشیئُ (انفعال، اصلہ قَرَضَ، صحیح سالم) انقراضًا: ختم ہونا، أشراط: شَرَطٌ (بفتح الشین والراء) کی جمع ہے بمعنی علامت۔

تشریح: طالب علم ان مباحث سے احتراز کرے جن سے اسلاف بچتے تھے، ایسے بحث ومباحثے طالب علم کو علوم کی گہرائی اور تفقہ سے محروم کردیتے ہیں خصوصاً وہ مخاصمت جو آپسی بغض وعداوت کا سبب بنتی ہو اس سے تو حتی الامکان بچنا چاہئے، اس لیے کہ ایسے ہی مخاصمات سے گمراہی پھیلتی ہے، ترمذی شریف کی ایک روایت ہے جدال کی وجہ سے بہت سی ہدایت یافتہ قومیں گمراہ ہوگئیں۔

وَأمَّا اختِيَارُ الأستاذِ فينبغي أنْ يختارَ الأعْلَمَ والأوْرَعَ والأسَنَّ كمااخْتَارَ أبو حنيفةَ – رحمه الله تعالى– حَمَّادَ بنَ أبي سليمانَ – رحمه الله – بعد التأمُّلِ والتَّفكُّرِ، وقال: وَجَدْتُه شَيْخًا وقُوْراً حليمًا صبوراً، وقال: ثَبَتُّ عِند حماد بن أبي سليمان فَنَبتُّ.

وقال سمعتُ حَكِيْماً مِنْ حُكَمَاء سمرقند قال: إنَّ واحِداً مِن طَلَبةِ العلمِ شَاوَرَنِي في طَلَبِ العلم، وكان قد عزم على الذَّهَابِ إلى بخارىٰ لطلبِ العلم.

ترجمہ: جہاں تک استاذ کے انتخاب کی بات ہے تو مناسب ہے کہ ذی علم، متقی وپرہیزگار اور عمر دراز استاذ کا انتخاب کرے، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے نہایت غور وفکر کے بعد حماد بن ابی سلیمانؒ کا انتخاب کیا، حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ میں نے ان کو باوقار، بردبار اور صابر وشاکر پایا، اور میں ان کے پاس مستقل ٹھہرا رہا تو میں نے نشو ونما پائی۔

نیز فرمایا کہ میں نے سمرقند کے ایک حکیم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک طالب علم نے حصول علم کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا حالانکہ وہ شہر بخاری جانے کا عزم کرچکا تھا۔

حل لغات: الأوْرَعُ: اسم تفضیل، بہت زیادہ متقی اور پرہیزگار، وَرَعَ (ف، معتل الفاء، مثال) وَرَعًا: گناہوں سے بچنا، پرہیزگاری اختیار کرنا الأسَنّ: اسم تفضیل

ہے:عمر رسیدہ سَنَّ (ن) سِنًّا: طویل عمر والا ہونا۔وَقُوراً: وَقُرَ (ک، معتل الفاء مثال) وَقَارًا: باعزت اور باوقار ہونا حَلِیمًا: حَلُمَ (ک، صحیح سالم)حِلْمًا: صاحب عقل ہونا،صَبُوْرًا: صَبَرَ (ض، صحیح سالم)صَبْرًا: رکنا، صابر ہونا۔ثَبَتُّ: صیغۂ متکلم ہے، ثَبَتَ(ن، صحیح سالم) ثباتًا وثُبُوتًا: ثابت قدم رہنا، جمنا۔نَبَتُّ: صیغۂ متکلم ہے،نَبتَ (ن، صحیح سالم)نَبْتًا ونَبَاتًا: نشو ونما پانا حکیمًا: عقل مند وذی رائے، ہمارے عرف میں جو حکیم معروف ہے وہ مراد نہیں ہے اس کو طبیب کہتے ہیں۔شَاوَرَنِي: شَاوَرَهُ في الْأَمْرِ (مفاعلت،اصلہ شَارَ، معتل العین اجوف)مُشَاوَرَةً وشِوَاراً: مشورہ کرنا۔

تشریح: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک اچھے ماہر علم وفن، محنتی، متقی وپرہیزگار اور تجربہ کار وعمر رسیدہ استاذ کا انتخاب کرے جو قدم قدم پر اس کی راہ نمائی کرتا رہے۔جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ نے انتہائی غور وفکر کے بعد زمانے کے سب سے بڑے عالم، انتہائی باوقار، حلیم وبردبار اور صابر وشاکر استاذ حماد بن ابی سلیمانؒ کا انتخاب کیا، پھر ان کے پاس عرصۂ دراز تک شب وروز جم کر محنت کی اور علمی نشو ونما پائی یہاں تک کہ آپ درجۂ اجتہاد پر فائز ہوگئے، لہٰذا طالب علم کو بھی چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرح اچھے اور ذی علم استاذ کا انتخاب کرے کیوں کہ اچھے اساتذہ کے ساتھ رہنے والے طلبہ میں علمی شوق وذوق پیدا ہوتا ہے۔

آگے کی سطور میں مصنف علام نے مشورہ کی اہمیت پر زور دیا ہے کہ علمی راہ میں اہل علم اور دانا حضرات سے مشورہ بھی کرتا رہے۔ایک طالب علم نے ایک حکیم سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے اس کو بڑا اہم اور اچھا مشورہ دیا، چند سطروں کے بعد مصنفؒ اس حکیم کے مشورے کو نقل فرمائیں گے۔

وَهٰكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يُشَاوَرَ فِي كُلِّ أمرٍ؛ فإنَّ الله تعالى أَمَرَ رسولَه صلى الله عليه وسلم بالْمُشَاوَرَةِ في كُلِّ الأمورِ، ولم يكن أَحَدٌ أَفْطَنَ مِنهُ، ومَعَ ذلك أُمِرَ بالمشاورة، وكان يُشَاوِرُ أصحابَه في جميع الأمور حَتَّى حوائجَ

البيتِ.

قال علي - كرم الله وجهه - : ما هَلكَ امْرُؤٌ عن مشورةٍ.

قيل: الناس رَجُلٌ، ونِصْفُ رَجُلٍ، ولاَ شيْ

فالرجل: من له رأي صَائِبٌ ويُشَاوِرُ.

ونصفُ رَجُلٍ: مَنْ له رأيٌ صائِبٌ ولكن لا يُشَاوِرُ، أو يُشَاوِرُ ولكن لا رأيَ له ولا شيْ: مَنْ لا رَأيَ له ولَا يُشَاوِرُ.

قال جعفر الصادق - رضي الله عنه - لسفيانَ الثوري - رحمه الله- : "شَاوِرْ فِي أَمْرِكَ الذين يَخْشَوْنَ اللّٰهَ تعالىٰ"، وَطلَبُ العلمِ مِنْ أعْلَى الأمورِ وأَصْعَبِهَا، فكانتِ المُشَاوَرَةُ فيه أَهَمَّ وأَوْجَبَ.

ترجمه: اسی طرح مناسب ہے کہ ہر کام میں مشورہ کرے، اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امور میں مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ذہین وفطین کوئی نہیں تھا، اس کے باوجود آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے تمام امور میں مشورہ کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ گھریلو ضروریات میں بھی مشورہ کرتے تھے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کوئی انسان مشورہ کی وجہ سے ہلاک وبرباد نہیں ہوا، کہا گیا ہے کہ انسان تین طرح کے ہوتے ہیں: کامل انسان، ادھورا انسان اور بیکار انسان۔

کامل: وہ شخص ہے جو صائب الرائے بھی ہو اور مشورہ بھی کرتا ہو۔

ادھورا انسان: وہ ہے جس کی رائے تو مضبوط ہو لیکن مشورہ نہ کرتا ہو، یا مشورہ تو کرتا ہو لیکن صائب الرائے نہ ہو۔

بے کار انسان: وہ ہے جس کی نہ تو کوئی رائے ہو اور نہ ہی مشورہ طلب کرتا ہو۔

جعفر صادق نے سفیان ثوریؒ سے فرمایا کہ اپنے بارے میں ایسے لوگوں سے مشورہ

کیا کرو جو اللہ سے ڈرتے ہوں، اور علم کا حاصل کرنا تمام امور میں اشرف واعلیٰ اور مشکل ترین ہے، لہٰذا اس کے بارے میں مشورہ طلب کرنا اہم اور ضروری ہے۔

حل لغات: أَفْطَنُ : اسم تفضیل بمعنی زیادہ ذہین۔ فَطِنَ (ک، صحیح سالم) فَطَانَةً: ذہین ہونا، صَائِبٌ: اسم فاعل ہے بمعنی درست کار (ج) صِيَابٌ، رأي صائب بمعنی درست اور پختہ رائے۔

تشریح: ماقبل میں یہ بات نقل کی گئی تھی کہ ایک طالب علم نے ایک حکیم سے مشورہ کیا حالانکہ یہ طالب علم تحصیل علم کے لیے بخاریٰ جانے کا عزم کر چکا تھا۔ حکیم نے جو مشورہ اس کو دیا تھا اس کو تو مصنفؒ بعد میں نقل کریں گے۔ اب جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں مشورہ کی اہمیت پر روشنی ڈال رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علمی سفر میں اپنی من مانی نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے کہنہ مشق اساتذہ سے مشورہ کر کے حصول علم میں لگنا چاہئے، فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے کے طلبہ تو بغیر مشورے کے آگے نہ بڑھتے تھے، بلکہ دانا حضرات سے مشورہ کرتے تھے۔

پھر مشورہ ایک امر ضروری کیوں نہ ہو جب کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امور میں مشورے کا پابند بنایا ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں ذہین ترین انسان تھے، سب سے زیادہ عقل والے تھے، اس کے باوجود اللہ نے فرمایا: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم خداوندی پر ایسے کاربند تھے کہ ہر ہر کام میں صحابہ سے مشورہ طلب کرتے، حتیٰ کہ اپنے گھریلو امور بھی بغیر مشورے کے انجام نہ دیتے تھے، حضورؐ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ مشورہ طلب کرنا بہت اہم کام ہے۔

مصنفؒ نے کسی حکیم کا قول نقل کیا کہ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک کامل ومکمل، دوسرا ادھورا اور تیسرا بالکل ناکارہ، کامل تو وہ شخص ہے کہ ذی عقل اور ذی رائے ہونے کے

ساتھ ساتھ ہر کام میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرتا ہے اور ادھورا وہ شخص ہے جو ذی عقل و ذی رائے تو ہے لیکن کسی کام میں بھی اپنے اکابر سے مشورہ نہیں کرتا یا مشورہ تو کرتا ہے لیکن ذی رائے نہیں ہے۔ اور جو شخص نہ تو کوئی رائے رکھتا ہو اور نہ ہی کسی کام میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرتا ہو تو وہ انسان لاشی کے درجہ میں ہے جو بالکل بیکار ہے۔

حضرت جعفر صادقؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کو بڑی اہم نصیحت فرمائی کہ اپنے معاملات میں متقی اور خدا سے ڈرنے والے حضرات سے مشورہ کرتے رہا کرو۔

اور ظاہری بات ہے کہ جب دیگر امور میں طلب مشورہ کا حکم ہے تو علم جیسی مشکل ترین چیز میں مشورہ کرنا کیوں کر ضروری نہ ہوگا۔ آئندہ چند سطور میں حکیم سمرقندی کے مشورے کا بیان ہے جو انھوں نے ایک طالب علم کو اس کی درخواست پر دیا تھا۔

قَالَ الحَكِيْمُ: إِذَا ذَهَبْتَ إلى بُخَارى؛ فلا تَعْجَلْ في الاخْتِلاَفِ إلى الأئمة، وَامْكُثْ شَهْرَيْنِ حتى تَتَأَمَّلَ وتَخْتَارَ أستاذاً، فإنَّكَ إذا ذهبتَ إلى عالم وبَدأتَ بالسَّبَقِ عِنْدَه رُبَّما لا يُعْجِبُكَ دَرْسُهُ، فَتَتْرُكُهُ وتَذْهَبُ إلى الآخَرِ فلا يُبَارَكُ لَكَ في التعلّم، فتَأمَّلْ شَهْرَيْنِ في اخْتِيَارِ الأستاذ وشَاوِرْ حَتّى لا تَحْتَاجُ إلى تركه والإعراضِ عنه، فَتَثْبُتَ عِنْدَه، حتى يَكونَ تَعلُّمُكَ مباركاً، وتَنْتَفِعَ بعِلْمِكَ كثيراً.

ترجمہ: حکیم سمرقندیؒ نے فرمایا کہ جب تم بخاریٰ جاؤ تو علماء کے پاس آنے جانے میں جلدی نہ کرنا، دو مہینے تک ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ تم خوب غور وفکر کرنے کے بعد کسی ایک استاذ کا انتخاب کرلو، کیوں کہ اگر تم کسی عالم کے پاس گئے اور اس کے پاس جاکر سبق کا آغاز کر دیا تو بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ تم کو ان کا سبق پسند نہ آئے اور تم ان کو چھوڑ کر دوسرے استاذ کے پاس چلے جاؤ تو اس سے تمہارے تحصیل علم میں برکت نہ ہوگی۔ اس لیے استاذ کے انتخاب میں دو ماہ غور وفکر کرلو تاکہ ان کو چھوڑنے اور ان سے اعراض کرنے کی

نوبت نہ آئے، پس تم ان کے پاس جم کر رہ سکو۔ یہاں تک کہ تمہارے تحصیل علم میں برکت ہو اور تم اپنے علم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکو۔

حل لغات: السبق: یہ لفظ عربی زبان میں کم مستعمل ہے، اس کی جگہ عربی میں "الدرس" کا لفظ کثیر الاستعمال ہے۔ ہمارے مصنفؒ جگہ جگہ اس لفظ کو لائیں گے۔ **یُعجِبُکَ** : **أَعْجَبَ الشَّیْئُ فُلَانًا** (افعال، اصلہ عجب، صحیح سالم) اعجابًا: خوش ہونا، کسی کو کوئی چیز انوکھی لگنا، پسند آنا۔ **الاختلاف** : **اختَلَفَ إلی فلانٍ** (افتعال، صحیح سالم) **اختلافاً**: کسی کے پاس بار بار آنا۔

تشریح: یہاں سے حکیم سمرقندی کی اس نصیحت کا بیان ہے جو انھوں نے ایک طالب علم کو علمی سفر کے وقت کی تھی درمیان میں مصنفؒ نے جملہ معترضہ کے طور پر مشورے کی اہمیت پر زور دیا ہے، اس نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی طالب علم کسی جگہ پڑھنے کے لیے جانے کا قصد کرے تو اس میں جلد بازی نہ کرے، بلکہ جہاں حصول علم کے لیے جانا ہے وہاں پہنچ کر پہلے خوب غور وفکر کرے کہ کون سا استاذ اس کے لیے زیادہ موزوں ہے، استاذ کے انتخاب میں غور وفکر کے لیے خواہ لمبا وقفہ کیوں نہ ٹھہرنا پڑے، (یہاں دو مہینہ کی قید اتفاقی ہے اصل یہ ہے کہ جتنی مدت میں کسی استاذ کے انتخاب پر شرح صدر ہو جائے اتنی مدت غور وفکر کرتا رہے) ایسا ہرگز نہ ہو کہ جلد بازی میں کسی استاذ کا انتخاب کرے اور اس کے پاس پڑھنا شروع کر دے، پھر کسی وجہ سے ان کا سبق پسند نہ آئے تو ان سے اعراض کرے اور دوسرے استاذ کو اختیار کر لے، اس سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور تعلیم میں بھی برکت ختم ہو جاتی ہے، بسا اوقات جس استاذ کی مجلس درس سے اعراض کیا ہے اس کو ناگواری اور تکلیف ہوتی ہے جو علم سے محرومی کا سبب ہے۔

ہمارے زمانے میں بعض طلبہ یہ مزاج بنا لیتے ہیں کہ چار دن اس مدرسہ میں اور چار دن اُس مدرسہ میں چکر لگاتے رہتے ہیں، اس سے ان کا علمی نقصان ہوتا ہے اور ایسے طلبہ

کامیاب نہیں ہو پاتے، طالب علم کو چاہئے کہ جس مدرسہ کو بھی تعلیم کے لیے منتخب کرے حتی الامکان اسی میں رہنے اور علم حاصل کرنے کی کوشش کرے، ہاں اگر کہیں تعلیم ہی نہ ہوتی ہو تو اس کو اجازت ہے کہ ایسے مدرسہ کو خیر آباد کہہ کر کسی اچھے مدرسہ میں داخلہ لے لے، ویسے تو پہلے ہی خوب تحقیق اور تفتیش کے بعد کسی ادارہ کا انتخاب کرنا چاہئے۔

تَنْتَفِعَ بِعِلْمِكَ كثيرًا: یہاں حکیم سمرقندی کی نصیحت مکمل ہوگئی۔

وَاعْلَمْ أنَّ الصَّبْرَ والثَّبَاتَ أَصْلٌ كَبِيْرٌ في جميعِ الأمورِ، ولكِنَّهُ عَزِيزٌ، كما قيل:

لِكُلٍّ إلى شَاوِ الْعُلَا حَرَكَاتٌ وَلكِنْ عَزِيزٌ في الرِّجَالِ ثَبَاتٌ

وقيل: الشَّجَاعَةُ صَبْرُ سَاعَةٍ.

فينبغي لطالب العلمِ أَنْ يَثْبُتَ وَيَصْبِرَ على أستاذٍ وعلىٰ كتاب حَتّٰى لَا يَتْرُكَهُ أَبْتَرَ، وعَلَى فَنٍّ حتى لا يَشْتَغِلَ بِفَنٍّ آخر قَبْلَ أَنْ يُتْقِنَ الأَوَّلَ، وعَلى بَلَدٍ حتى لا يَنْتَقِلَ إلى بَلَدٍ آخرَ مِنْ غَيْرِ ضُرُوْرَةٍ؛ فإنَّ ذلكَ كُلَّه يُفَرِّقُ الأُمُوْرَ ويُشْغِلُ القَلْبَ ويُضَيِّعُ الأوقاتَ ويُؤْذِي المُعَلِّمَ.

وينبغي أنْ يَصْبِرَ عَمَّا تُرِيْدُهُ نَفْسُه وَهَواهُ.

قال الشاعر:

إنَّ الهَوَى لَهُوَ الْهَوانُ بِعَيْنِه وَصَرِيْعُ كُلِّ هَوًى صَرِيْعُ هَوَانٍ

ويَصْبِرَ عَلى الْمِحَنِ والْبَلِيَّاتِ؛ فقد قيل: خَزَائِنُ الْمُنَى عَلى قَنَاطِيْرِ الْمِحَنِ وأُنْشِدْتُ– وقيل: إنه لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه–:

أَلَا لَا تَنَالُ العِلْمَ إلا بِسِتَّةٍ سَأُنْبِيْكَ عَنْ مَجْمُوْعِهَا بِبَيَانٍ

ذَكَاءٍ وحِرْصٍ واصْطِبَارٍ وبُلْغَةٍ وَإِرْشَادِ أستاذٍ وطولِ زمانٍ.

ترجمہ : آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمام امور میں صبر واستقامت ہی بڑی چیز ہے، لیکن یہ بہت کم ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

ہر ایک میں بلندیوں کی طرف سبقت کرنے کے جذبات ہیں، لیکن لوگوں میں ثابت قدمی بہت کم ہے۔

کہا گیا ہے کہ: بہادری تو ایک گھڑی صبر ہی کا نام ہے۔

لہٰذا طالب علم کے لیے مناسب ہے کہ ایک ہی استاذ کی خدمت میں صبر واستقامت کے ساتھ رہتا رہے، ایک ہی کتاب پر ثابت قدم رہے اس کو ناقص نہ چھوڑے، ایک فن میں مہارت حاصل کیے بغیر دوسرے فن میں مشغول نہ ہو، ایک ہی شہر میں ثابت قدمی سے رہے، بے ضرورت دوسرے شہر کی طرف منتقل نہ ہو، کیوں کہ یہ تمام چیزیں کاموں میں رخنہ ڈالتی ہیں، قلوب کو مشغول کر دیتی ہیں، اوقات کو ضائع کر دیتی ہیں اور استاذ کو تکلیف پہنچاتی ہیں۔

اور مناسب یہ ہے کہ طالب علم نفس پرستی اور خواہشات سے دور رہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

بلاشبہ خواہشات نفس بعینہ ذلت ورسوائی ہے، ہر خواہش کے سامنے زیر ہونے والا ہر قسم کی ذلت کا شکار ہوتا ہے۔

مصائب وآلام اور آزمائشوں پر صبر کرے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ مقاصد اور تمناؤں کے خزانے تو مشقتوں کے پلوں پر ہیں، مجھے یہ اشعار سنائے گئے، کہا گیا ہے کہ یہ اشعار حضرت علیؓ کے ہیں:

سنو! علم چھ چیزوں کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، میں آپ کو ان کے مجموعہ کی خبر دیتا ہوں: ذہانت، شوق، صبر واستقامت، ضرورت بھر چیز پر قناعت، استاذ کی راہ نمائی اور درازیٔ وقت۔

حل لغات: الثَّبَات : بفتح الثاء، مصدر ہے، ثَبَتَ يَثْبُتُ ثَبَاتًا (ن) ثابت قدم رہنا، استقامت اختیار کرنا۔ عَزِيْزٌ : قلیل کے معنی میں ہے۔ عَزَّ الشیئُ (ض، صحیح

مضاعف) عِزًّا: کم یاب ہونا، اور جب صلہ "علی" آئے تو: مشکل ہونا اور شاق ہونا، بعض لوگوں نے اس کو دونوں طرح پڑھا ہے۔ لیکن شیخ ابن اسمٰعیل نے پہلے معنی کو ہی لیا ہے۔ شَأوٌ: رفتار غایت ومقصد، شَأَي القَوْمُ (ن، معتل اللام، ناقص) شَأوًا: آگے نکلنا، سبقت کرنا، حَرَكَاتٌ: حَرَكَةٌ کی جمع ہے بمعنی جذبات، أبْتَرُ: دُم بریدہ، ناقص، ادھورا، يُفَرِّقُ: فَرَّقَ الشيءَ (تفعیل، اصلہ فرق، صحیح سالم) تفريقًا: بکھیرنا، تین تیرہ کرنا، رخنہ ڈالنا، الهَوَانُ: ذلت، هَانَ الرَّجُلُ (ن، معتل العین، اجوف) هَوْنًا وَهَوَانًا، ذلیل وحقیر ہونا، صريع: بروزن فعیل بمعنی زمین پر پڑا ہوا۔ صَرَعَهُ، (ف، صحیح سالم) صَرعاً وَمَصْرعًا: پچھاڑنا، زمین پر گرا دینا، المِحَنُ: مِحْنَةٌ کی جمع ہے، آزمائش، سختی اور مصیبت، البَلِيَّاتُ: بَلِيَّةٌ کی جمع ہے بمعنی مصائب وآلام، خَزَائن: خَزِينَةٌ کی جمع ہے بمعنی تجوری، خزانہ، المُنٰى: مُنْيَةٌ کی جمع ہے بمعنی آرزو، مقاصد۔ قَنَاطِير: قِنطَار کی جمع ہے: بہت سا مال ودولت، اصْطِبَار: صبر، اصْطَبَرَ (افتعال، اصلہ صبر، صحیح سالم) اصطبارًا: صبر کرنا، ثابت قدم رہنا، بُلْغَةٌ: ضرورت کی بقدر۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ طالب علم کو اس طرف متوجہ فرما رہے کہ وہ تحصیل علم میں صبر واستقامت اور جماؤ سے کام لے، اس لیے کہ تمام چیزوں میں یہی اصل ہے، چنانچہ ایک حدیث میں بھی وارد ہوا ہے: "خَيْرُ الْعَمَلِ ما دِيمَ عَلَيْهِ" کہ بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے، لیکن بدقسمتی کہ لوگوں میں اسی کی کمی ہے، کسی بھی عمل میں استقامت نہیں ہوتی، جیسا کہ ایک شاعر نے اس کی ترجمانی کی ہے۔ شاعر کہتا ہے:

ہر شخص کے دل میں یہ جذبات اُمنڈتے ہیں کہ اس کو ہر میدان میں بلندی حاصل ہو جائے؛ لیکن اکثر لوگ اعلیٰ مراتب کے بنیادی اصولوں سے دور رہتے ہیں، یعنی صبر واستقامت کو اختیار نہیں کرتے، اور بلندیوں پر پہنچنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

اس لیے اگر طالب علم چاہتا ہے کہ اس کو علمی میدان میں ترقی ملے تو اس کو بھی صبر واستقامت کے دامن سے وابستہ ہونا ناگزیر ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جب کسی

استاذ سے وابستہ ہو جائے تو اس کے پاس جم کر رہے، تبدیلی نہ کرے استاذ کی تبدیلی سے علم میں برکت نہیں رہتی اور بعض مرتبہ استاذ کو اس سے اذیت بھی پہنچتی ہے جو محرومی کا سبب ہے۔ اسی طرح جب کسی کتاب کو پڑھنا شروع کردے تو اس کو ادھورا اور ناقص نہ چھوڑے بلکہ صبر کے ساتھ اس کو مکمل کرے، ایسا نہ کرے کہ کسی کتاب کے چند صفحات پڑھے اور پھر اس کو الماری کی زینت بنا دے۔ فنون میں سے جب کسی فن کو شروع کر دیا تو اس میں مہارت حاصل ہونی چاہیے۔ کسی بھی فن میں کمال اور اختصاص پیدا کرنا بہت سے علوم کو پڑھنے اور سرسری طور سے مطالعہ کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے، آج بھی جو شخص کسی ایک فن کا ماہر ہوتا ہے وہ ان ہزاروں پر بھاری ہوتا ہے جو علوم مختلفہ تو جانتے ہیں لیکن کسی ایک میں بھی اختصاص نہیں ہے، جس مدرسہ میں تحصیل علم کا آغاز کردے تو حتی الامکان کوشش کرے کہ جب تک وہاں کا نصاب مکمل نہ کرے تو دوسرے مدرسہ کا رخ نہ کرے اس لیے کہ بار بار مدارس بدلنے سے ذہنی الجھن پیدا ہوتی ہے، پھر جس نئے مدرسہ میں جائے گا وہاں کے اساتذہ سے مناسبت پیدا ہونے میں بھی خاصہ وقت لگ جاتا ہے اور یوں ہی وقت ضائع ہوتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ طالب علم کے لیے انتہائی لازم اور ضروری ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کرے، نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرے، اس لیے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی اس کو قعر مذلت تک پہنچا دیتی ہے، شاعر نے بڑی اچھی تعبیر اختیار کی ہے کہ خواہشات اور نفس پرستی تو ذلت اور رسوائی ہی کا دوسرا نام ہے، جو انسان بار بار اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کرتا ہے تو وہ نفس کا غلام ہو جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نفس پرستی سے ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ بھی مقدر نہ ہوگا۔

تحصیل علم میں پریشانی اور تکلیف بھی سامنے آتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس راہ میں آنے والی پریشانیوں کا صبر و استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے کہ جتنی مشقت اور پریشانی سے کوئی چیز حاصل ہوتی ہے اس کی قدر و منزلت اسی

قدر ہوتی ہے، اگر پریشانیوں کو جھیل کر علم حاصل کیا ہے تو یقیناً اس علم میں پختگی ہوگی، راقم السطور کا یہی تجربہ بھی ہے۔ کسی کہنے والے نے اچھی بات کہی ہے کہ آرزو اور تمناؤں کے خزانے تو آزمائشوں اور پریشانیوں کی پرخار وادی کو عبور کر کے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص نیک اور اچھی آرزو یعنی علمی ترقی کا طالب ہے تو اسے اس راہ میں آنے والی مشقتوں کو جھیلنا پڑے گا۔

اسی مفہوم کی ترجمانی کے لیے مصنف "حضرت علیؓ کے شعر کو ذکر کر رہے ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ (اے طالب علم) چھ چیزوں کے بغیر علم حاصل نہیں کر سکتے۔

۱- ذکاوت وذہانت

۲- حصول علم کا شوق اور بے پناہ اشتیاق۔

۳- پریشانیوں پر صبر واستقامت

۴- گزارے کی مقدار پر قناعت، بغیر قناعت کے دل میں حصول علم کے لیے یکسوئی اور مستقل مزاجی پیدا نہیں ہوگی۔

۵- استاذ کی راہ نمائی، تاکہ گمراہی سے بچ سکے۔

۶- طویل زمانے تک حصول علم میں لگے رہنا۔

یہ چھ چیزیں ایسی ہیں جو ہر طالب علم کی زندگی میں ہونی لازمی اور ضروری ہیں۔

وأمّا اخْتِيَارُ الشريك، فينبغي أَنْ يَخْتَارَ المُجِدَّ والوَرِعَ وصاحبَ الطَّبْعِ المُسْتَقِيمِ والمُتفَهِّمِ، وَيفِرَّ مِن الكَسْلَانِ، والمُعَطِّلِ، والمِكْثَارِ والمُفْسِدِ، والفَتَّانِ، قال الشاعرُ:

عن المَرْءِ لاَ تَسْأَلْ وابْصِرْ قَرِينَهُ
فَكُلُّ قَرِينٍ بالمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ
فإنْ كَانَ ذا شَرٍّ فَجَانِبْهُ سُرْعَةً

وإنْ كانَ ذَاخَيرٍ فَقَارِنْهُ تَهْتَدِيْ

وأنشدت:

لا تَصْحَبِ الكَسْلاَنَ في حَالاَتِه
كَمْ صَالِحٍ بفَسَادِ آخرَ يَفْسُدُ
عَدْوَى البليدِ إلى الجَلِيدِ سَرِيْعَةٌ
كالجَمْرِ يُوْضَعُ في الرَّمَادِ فَيَخْمُدُ

وقال النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم : " كُلُّ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ على فِطْرَةِ الإسلام إلا أن أَبَوَيْهِ يُهَوِّدَانِه، ويُنَصِّرَانِه ويُمَجِّسَانِه " الحديث.

ويقال في الحكمة الفارسية:

يارِ بَدْ بَدْ تَرْ بُوَدْ اَزْ مَارِ بَدْ
بِحَقِّ ذَاتِ پاكِ الله الصمد
يارِ بَدْ آرَدْ تُرا سُوئ جحيم
يار نيكو گير تا يابي نعيم

وقيل:

إنْ كُنْتَ تَبْغِي العِلْمَ مِنْ أَهْلِه
أَوْ شَاهِداً يُخْبِرُ عَن غائبِ
فاعْتَبِرِ الأرضَ بأَسمَائِها
واعْتَبِرِ الصَّاحِبَ بالصَّاحِبِ

ترجمہ: اور بہرحال شریک درس کا انتخاب تو مناسب یہ ہے کہ محنتی، متقی اور پرہیزگار، سلیم الطبع اور فہم وفراست رکھنے والے ساتھی کو اختیار کرے، لاپرواہ، بے مشغلہ، بسیارگو، فسادی اور فتنہ پرور سے دور رہے۔

شاعر نے کہا ہے: کسی شخص کے بارے میں سوال نہ کرو، بلکہ اس کے ساتھی کو دیکھو،

اس لیے کہ دوست اپنے دوست ہی کی پیروی کرتا ہے، اگر وہ شرانگیز ہے تو جلدی سے اس سے کنارہ کش ہو جاؤ، اور اگر وہ نیک وصالح ہو تو اس کے ساتھ رہو تا کہ تم بھی راہ یاب ہو سکو۔

اور مجھے یہ اشعار سنائے گئے:

تحصیل علم کے زمانے میں سست طالب علم کے ساتھ نہ رہو کیوں کہ کتنے نیک وصالح ایسے ہیں جو دوسروں کی خرابی کی وجہ سے برباد ہو گئے۔

پراگندہ ذہن کی گندگی اور فساد، ذہین وفطین کی طرف بہت جلد سرایت کر جاتی ہے، جیسے چنگاری راکھ میں رکھ دی جائے تو بجھ جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے والدین اس کو یہودی، یا نصرانی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں۔

حکمت ودانائی کے بارے میں فارسی میں یہ کہا گیا ہے:

کہ برا دوست زہریلے سانپ سے زیادہ مضرت رساں ہے، بے نیاز ذات پاک کی قسم برا دوست تم کو جہنم کی طرف لے جارہا ہے، نیک دوست اپناؤ تا کہ جنت پا سکو۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم کو علم اور اہل علم کی تلاش ہے یا ایسے حاضر باش کی جو غائب کی خبر دے تو زمین کو ان کے کارناموں سے معلوم کرو اور ساتھی کو ساتھی سے پرکھو۔

حل لغات: **المُجِدُّ**: اسم فاعل بمعنی محنتی، **أَجَدَّ فِي الْأَمْرِ** (افعال، اصلہ جَدّ، صحیح مضاعف) إجداداً: محنت کرنا، **الوَرِع**: بفتح الواؤ وکسر الراء، صیغۂ صفت مشبہ ہے بمعنی گناہوں سے اجتناب کرنے والا، حرام چیزوں سے پاک رہنے والا۔ **المُتَفَهِّم**: سمجھدار، **تَفَهَّم** (تفعل، اصلہ فهم، صحیح سالم) **تفهماً**: سمجھنا، **المعطّل**: یا تو یہ اسم مفعول ہے بمعنی بیکار، یا اسم فاعل ہے، **عَطَّلَ** (تفعیل، صحیح سالم) **تعطيلاً**: بے کار کرنا، خالی رہنا، **المكثار**: صفت مبالغہ ہے کثیر الکلام، بسیار گو، **قَرِينٌ**: ساتھی (ج) **قُرَنَاء** اور مقارن کے

معنی بھی ساتھی۔ جَانِبہ صیغۂ امر ہے، جَانَبَہُ (مفاعلت صحیح سالم) مجانبۃً: دور کرنا، قَارِنْہُ: صیغۂ امر ہے، قَارَنَہ (مفاعلت، صحیح سالم) مقارنۃً: ساتھ رہنا، ساتھی ہونا، عَدْوَی: بفتح العین وسکون الدال بمعنی سرایت کرنا، بیماری لگنا، فساد، بیماری۔ بلید: احمق، کند ذہن، بَلُدَ (کرم، صحیح سالم) بَلَادَۃً: کند ذہن اور غبی ہونا، جَلِید: صفت مشبہ کا صیغہ ہے: قوت فہم والا، ذہین، یُھَوِّدَانِہ: ھَوَّدَہُ تَھوِیداً (تفعیل، معتل العین اجوف): یہودی بنانا، یُنَصِّرَانِہ: نَصَّرَہُ (تفعیل، صحیح سالم) تنصیراً: نصرانی بنانا۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ طالب علم کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ وہ زمانۂ طالب علمی میں اچھے ساتھی کی رفاقت کو تلاش کرے، بری صفات والے طالب علم سے اجتناب کرے، اس لیے کہ صحبت کا بڑا اثر پڑتا ہے، اچھے اور محنتی طالب علم کی صحبت اس کو اچھا اور محنتی بنادیگی اور برے طالب علم کی صحبت اس کو برائیوں کی طرف لے جائیگی پھر اگر ساتھی اچھا ہوگا تو لوگ اس کی وجہ سے آپ کو بھی اچھی نظروں سے دیکھیں گے، کیوں کہ ساتھی ساتھی سے ہی پہچان لیا جاتا ہے۔ مصنفؒ نے مختلف اشعار ذکر کر کے برے ساتھی سے دور رہنے کی تلقین کی ہے اور اچھے لوگوں کی صحبت کو اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔

چنانچہ ایک شعر میں فرمایا یہ: کہ کاہل اور لاپرواہ رفیق کی رفاقت اختیار نہ کرو ورنہ وہ تم کو بھی خراب کردے گا، اس لیے کہ برے ساتھی کی برائیاں بہت جلدی فساد برپا کردیتی ہیں، جس سے ذہین وفطین طالب علم بھی بگڑ جاتا ہے، اس کی ساری صلاحیتیں برباد ہوجاتی ہیں، جس طرح چنگاری کو آگ میں رکھ دیا جائے تو وہ بجھ جاتی ہے اور راکھ بن جاتی ہے جو کسی کار کی نہیں رہتی اسی طرح ذہین طالب علم بھی کاہل اور سست کی صحبت سے بیکار ہوجاتا ہے۔

مصنفؒ نے جس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے اس سے بھی صحبت کی تاثیر ہی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر بچہ اپنی خصلت کے اعتبار سے تو اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس میں ایسا صحیح

فہم ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ حق تعالیٰ کی شناخت کر لیتا ہے، لیکن اگر اس کے والدین مسلمان نہ ہوں تو ان کی صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے فہم صحیح کو کھو بیٹھتا ہے۔

فارسی کے ایک شعر میں کہا گیا ہے کہ برا دوست تو کالے سانپ سے بھی زیادہ مضرت رساں ہے، اس لیے کہ سانپ سے تو انسان حفاظت کرتا ہے، لیکن دوست سے حفاظت نہیں ہوتی اور رفتہ رفتہ اس کی برائیاں اس میں بھی آجاتی ہیں، جس سے وہ جہنم کے راستہ پر آجاتا ہے، اس لیے اچھے اور نیک دوست کو تلاش کرو تاکہ اس کی نیکی کی وجہ سے تم بھی نیک بن جاؤ، اور جنت کے راستہ پر آجاؤ۔

اسی معنی میں ایک اور شعر ہے کہ اگر تم واقعۃً اہل علم میں ہونا چاہتے ہو تو ایک اچھے رفیق کی رفاقت اختیار کرو اچھوں کے ساتھ رہ کر اچھے بن جاؤ گے، جس طرح زمین کا اچھا اور عمدہ ہونا محض اس کے نام سے معلوم ہو جاتا ہے ہے، مثلاً ''چمن'' بولتے ہیں تو پھول والی زمین سمجھ میں آتی ہے، باغ بولتے ہیں تو درختوں والی زمین سمجھی جاتی ہے، اسی طرح رفیق کا مسئلہ ہے اگر رفیق عالم ہے تو تم بھی عالم سمجھے جاؤ گے اور اگر وہ جاہل یا فاسق و فاجر ہے تو تم بھی ایسے سمجھے جاؤ گے۔ (ملخص شرح الشیخ ابن اسماعیل)

فصل في تعظيم العلم وأهله

علم اور اہل علم کی عظمت کا بیان

اس فصل میں مصنفؒ طالب علم کو تحصیل علم اور اس سے استفادہ کرنے کے موثر ذریعہ کی طرف راہ نمائی فرمائیں گے، حصول علم کے لیے ناگزیر ہے کہ طالب علم، علم اور اہل علم یعنی اپنے اساتذہ کرام کی عزت اور قدر دانی کرے، حتیٰ کہ اساتذہ کی اولاد اور متعلقین سے بھی عزت واحترام کے ساتھ پیش آئے، کتابوں اور اساتذہ کی تعظیم ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں طالب علم کی مکمل ترین کامیابی کا راز مضمر ہے، یہی ایسی صفت ہے جو اس کو دنیا وآخرت میں آفتاب وماہتاب بنا کر چمکا دیتی ہے۔

اس کے برخلاف اساتذہ کو برا بھلا کہنا، ان پر جملے کسنا، اور ان کے خلاف طرح طرح کے تبصرے کرنا طالب علم کی محرومی کا پیش خیمہ ہے، لہٰذا ایک سچے طالب علم کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کا دل وجان سے احترام کرے۔

اسی چیز پر زور دینے کے لیے مصنف علام نے یہ فصل قائم کی ہے۔

اعْلَمْ أنَّ؟ طالبَ العِلْمِ لا يَنَالُ العلمَ ولا يَنْتَفِعُ بِهِ إلاَّ بِتَعْظِيْمِ العِلْمِ وأَهْلِهِ، وتَعْظِيْمِ الأستاذِ وتَوْقِيْرِهِ.

فَقَد قيل: مَا وَصَلَ مَنْ وَصَلَ إلاَّ بالحُرْمَةِ، وما سَقَطَ مَنْ سَقَطَ إلاَّ بِتَرْكِ الحُرْمَةِ، وقيل: الحُرْمَةُ خَيْرٌ من الطاعة ، الاَتَرٰی أنَّ الإنسانَ لاَ يُكَفَّرُ بالمعصية، وإنما يُكَفَّرُ باسْتِخْفَافِهَا وبترك الحُرْمَةِ.

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ کوئی بھی طالب علم، علم اور اہل علم کی تعظیم اور استاذ کی عزت واحترام کے بغیر نہ علم حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو بھی مقصود و منزل پر پہنچا ہے وہ احترام ہی سے پہنچا ہے، اور جو بھی پیچھے رہا وہ عزت واحترام نہ کرنے ہی کی وجہ سے رہا، نیز کہا گیا ہے کہ ادب واحترام کرنا اطاعت وفرماں برداری سے بھی بہتر ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ انسان معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا، لیکن بے حرمتی کی وجہ سے کافر سمجھا جاتا ہے۔

حل لغات: توقیر: وَقَّرَهُ (تفعیل، اصلہ وَقَرَ معتل الفاء، مثال) توقیراً: تعظیم کرنا، عزت وعظمت کرنا، ما وصل : "ما" نافیہ ہے اور "من" وصل کا فاعل ہے اور مفعول محذوف ہے، اصل عبارت یہ ہے: "ما وصل الواصل مطلوباً" حُرْمَة: تعظیم (ج) حُرَمٌ و حُرُمَاتٌ۔

تشریح: مذکورہ عبارت میں علم اور اہل علم خصوصاً اساتذہ کرام کی تعظیم کے سلسلے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ بڑا مرتبہ بغیر تعظیم کے حاصل نہیں ہوتا، جس کو بھی کسی میدان میں بلندی حاصل ہوئی ہے تو وہ علم اور اہل علم کی تعظیم کی وجہ سے ہی ہوئی ہے، اور جس نے ادب واحترام کو ترک کیا وہ قعر مذلت میں جا گرا۔

ادب واحترام کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اطاعت وفرماں برداری جو ایک اچھی صفت ہے، کے مقابلہ میں تعظیم ہی کو بہتر بتایا جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی مطیع وفرماں بردار تو ہے لیکن عزت اور احترام اس کے دل میں نہ ہو تو وہ اس سے کم تر درجہ رکھتا ہے جو صرف ادب واحترام سے پیش آتا ہے اور مطیع وفرماں بردار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ایک مسلمان کافر نہیں ہوتا، لیکن اگر دین کی باتوں کا احترام نہ کرے بلکہ ان کو کمتر وحقیر سمجھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ تعظیم اور ادب واحترام کی صفت ایک طالب علم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

و مِنْ تَعْظِيمِ العلم تَعْظِيمُ المُعَلِّمِ، قال علي رضي الله عنه: أَنَا عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِي حَرْفًا وَاحِدًا، إن شاء باع، وإن شاء أَعْتَقَ، وإنْ شَاءَ اسْتَرَقَّ، وقد

أُنْشِدْتُ في ذٰلِكَ شعرًا:

رأيتُ أَحَقَّ الحَقِّ حَقَّ المُعَلِّمِ ☆ وأَوْجَبَهُ حِفظًا على كُلِّ مسلمِ
لَقَدْ حَقَّ أَنْ يُهْدَى إليه كَرَامَةً ☆ لِتَعْلِيمِ حَرْفٍ واحدٍ ألف دِرْهَمِ

فإنَّ مَنْ عَلَّمَكَ حَرْفًا واحِداً مما تَحْتَاجُ إليه في الدين فَهُوَ أَبُوكَ في الدين، وكان أستاذُنَا الشيخُ الإمامُ سدِيدُ الدين الشِّيرَازِيُّ يقولُ: قال مَشَايِخُنَا: مَنْ أَرَادَ أن يكون ابْنُهُ عالماً ينبغي أن يُرَاعِيَ الغُرَبَاءَ مِن الْفُقَهَاءِ ويُكْرِمَهُم، وَيُعَظِّمَهُم، ويُعْطِيَهُم شيئًا، فإِنْ لَمْ يكن ابنه عالماً يكون حَافِده عالِمًا.

ترجمہ: اور علم کی تعظیم یہ ہے کہ استاذ کی تعظیم کرے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ: میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا ہو، اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے، اگر چاہے تو آزاد کردے اور اگر چاہے تو غلام بنائے رکھے۔

اسی معنی میں مجھے یہ شعر سنائے گئے:

میں نے حقوق میں سب سے بڑا حق استاذ کا سمجھا ہے، اور ہر مسلمان پر اس کے حق کی نگہداشت کو لازم سمجھا ہے۔

یہ امر ثابت اور واجب ہے کہ ایک حرف کی تعلیم کی عظمت کی خاطر اس کو ہزار درہم ہدیہ دیے جائیں۔

اس لیے کہ جس نے تم کو ایک حرف بھی ایسا پڑھا دیا جس کی تم کو دین میں ضرورت پڑتی ہے تو وہ تمہارا دینی باپ ہے، ہمارے استاذ شیخ سدید الدین شیرازی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا بیٹا عالم بن جائے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ غریب فقہاء کا خیال رکھے، ان کی عزت اور ان کی تعظیم کرے اور ان کو کچھ نہ کچھ دیتا رہے، پس اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو اس کا پوتا عالم ہوگا۔

حل لغات وترکیب: أَعْتَقَ العَبْدَ (افعال، اصلہ عتق، صحیح سالم) اعتاقًا: آزاد کرنا، اسْتَرَقَّ (استفعال، اصلہ رَق، صحیح مضاعف) استرقاقاً: غلام بنانا۔ أحق

الحق: یہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر رایتُ کا مفعول ثانی ہے، اور مفعول اول "حقَ المعلم" ہے، مفعول ثانی کو مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ صفت ہے، اور یہ ضابطہ ہے کہ افعال قلوب میں جو صفت بنتا ہے وہ مفعول ثانی ہوتا ہے۔ واَوْجَبَه : اس کا عطف "أحق الحق" پر ہے، لَقَدْ حَقَّ : یہاں حَقَّ ثَبَتَ اور وَجَبَ کے معنی میں ہے۔ يُهْدیٰ : بصیغۂ مجہول ہے، کرامةً: تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَلْفُ دِرهم: يُهْدیٰ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے فإنَّ مَنْ عَلَّمَكَ : یہ شعر کی تعلیل ہے۔ يُرَاعي: رَاعَى الشيئَ (مفاعلت، معتل اللام ناقص) مراعاة: نگہداشت کرنا، خیال کرنا۔

تشریح: استاذ کی تعظیم کرنا علم ہی کی تعظیم کرنا ہے، یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا تو میں اس کا غلام ہوں، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو مجھے غیر کے ہاتھ فروخت کردے چاہے آزاد کردے اور اگر چاہے تو خدمت لیتا رہے، اسی طرح ایک حدیث بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من علّم عبداً آيةً مِن كتاب الله فهو مولاه" کہ جس نے کسی کو ایک آیت قرآنی سکھادی تو وہ سکھانے والا اس سیکھنے والے کا مولی یعنی مالک ہے۔

اسی سلسلے میں حضرت علیؓ کے یہ اشعار بھی ہیں جن کو مصنفؒ نے نقل کیا ہے کہ استاذ کا حق تمام حقوق میں زیادہ اہم ہے، استاذ کا حق تو یہ ہے کہ اگر وہ ایک حرف بھی پڑھادے تو بطور تعظیم کے اس کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے جائیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خَيْرُ الآبَاءِ مَنْ عَلَّمَكَ" کہ بہترین باپ وہ ہے جو تمہیں تعلیم دے، درحقیقت استاذ روحانی باپ ہوتا ہے۔

ذوالقرنین سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے استاذ کی تعظیم اپنے والد سے زیادہ کیوں کرتے ہیں؟ تو انھوں نے بڑا عمدہ جواب دیا کہ: لِأَنَّ اَبِيْ أَنْزَلَنِيْ مِنَ السَّمَاءِ إلى

الْأَرْضِ وأسْتَاذِيْ يَرْفَعُنِي مِنَ الأَرْضِ إلى السَّمَاءِ" یعنی میرے والد نے تو مجھے آسمان سے زمین کی طرف اتارا ہے اور میرے استاذ نے زمین سے آسمان کی طرف بلند کیا ہے، اس لیے میں استاذ کی تعظیم زیادہ کرتا ہوں۔

مشائخ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنی اولاد کو عالم بنانا چاہے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ علماء کی تعظیم کیا کرے، خصوصاً غریب فقہاء کا خیال رکھے ان کو وقتاً فوقتاً ہدیہ پیش کرتا رہے ایسا کرنا اس کی اولاد میں علم کی ترقی کا باعث ہوگا۔

ومِنْ تَوْقِيرِ المُعَلِّمِ أَنْ لَا يَمْشِيَ أمَامَه، ولا يَجْلِسَ مَكَانَهُ، ولاَ يَبْتَدِئَ الكلامَ عِنْدَهُ إلّا بإذنه، ولاَ يُكْثِرَ الكلامَ عنده ولاَ يَسْألَ شيئًا عِنْد مَلاَلَتِه. ويُرَاعِي الوقتَ ولا يَدُقّ البَابَ، بَلْ يَصْبِر حَتّٰى يَخْرُجَ.

فالحاصلُ: أنه يَطْلُبُ رِضَاهُ ويَجْتَنِبُ سَخطَهُ، ويَمْتَثِلَ أَمْرَهُ في غَيْرِ معصيةِ اللّٰه تعالىٰ، فإنَّه لاَ طاعةَ لِمَخْلُوقٍ في معصيةِ الخَالقِ.

كما قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم : " إن أشرَّ الناسِ مَنْ يَذْهَبُ دِيْنَهُ لِدُنْيَا غَيْرِهٖ"

ترجمہ: اور یہ بھی استاذ کی تعظیم ہے کہ ان کے آگے نہ چلے، ان کی جگہ پر نہ بیٹھے، ان کے پاس بغیر ان کی اجازت کے گفتگو شروع نہ کرے، ان کے پاس زیادہ نہ بولے، ان کی رنجیدگی کے وقت کچھ نہ پوچھے۔ ان کے اوقات کا خیال رکھے، ان کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے، بل کہ ان کے نکلنے کا انتظار کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کی رضامندی حاصل کرے اور ناراضگی سے بچے، اللہ تعالیٰ کی معصیت کے علاوہ امور میں ان کا حکم مانے، اس لیے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں میں بدترین انسان وہ ہے جو غیر کی دنیا کی وجہ سے اپنے دین کو برباد کردے۔

حل لغات: یَبْتَدِئ : ابتدأ الشيْ (افتعال، اصله بدأ، معتل اللام) ابتداءً: آغاز کرنا، شروع کرنا، ملالة: یہ فرح وسرور کی ضد ہے بمعنی غم ورنج، ملّ عنه (س، صحیح مضاعف) ملالاً: رنجیدہ ہونا، غمگین ہونا، دقّ الباب (ن، صحیح مضاعف) دقاً: دروازہ کھٹکھٹانا، یَمْتَثِلُ: امتثل أمْرَه (افتعال، اصله، مثل، صحیح سالم) امتثالاً: اطاعت وفرماں برداری کرنا۔

تشریح: مصنفؒ نے مذکورہ عبارت میں طالب علم کو سات نصیحتیں کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ طالب علم حتی الامکان استاذ کو خوش کرنے کی کوشش کرے، اس کی ناراضگی سے بچنے کی فکر کرتا رہے، اس کے جس حکم میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اس حکم کو ضرور پورا کرے۔ ہاں یہ کسی ناجائز کام کا حکم کرے تو اس میں اس کی اطاعت ضروری ہی نہیں بلکہ حرام ہے، اس لیے کہ مخلوق کو خوش کر کے خالق کو ناراض کرنا ناجائز ہے، اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص نہایت برا ہے جو دوسروں کی خوشنودی حاصل کرنے کی وجہ سے اپنے دین کو برباد کر ڈالے۔ جیسے عدالت وغیرہ میں جھوٹی گواہی کے ذریعہ مجرم کی خوشنودی حاصل کرنا۔

یاد رہے کہ یہاں مصنفؒ نے جو حدیث نقل کی ہے: "إنّ أشر الناس من يذهب دينه لدنيا غيره" یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ احقر کو تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی، البتہ اس کے ہم معنی اور روایات ملیں، مثلاً مسلم شریف میں ہے "لا طاعة في معصية الله" اسی طرح مسند احمد میں ہے "لا طاعة لمن عصى الله" وغیرہ۔

ومن تَوْقيرِه توْقِيْرُ أوْلَادِه وَمَنْ يَتعَلّقُ بِه، وكَانَ أُستَاذُنَا شَيْخُ الإسلامِ برهان الدين صاحبُ الهداية - رحمة الله عليه - يَحْكِي أن وَاحِدًا مِنْ كِبَارِ أئمةِ بُخَارىٰ كَانَ يَجْلِسُ مَجْلِسَ الدرس وكان يقومُ في خِلَالِ الدرسِ أحيانًا، فَسَألُوْهُ عَنْ ذلك؟ فقال: إنّ ابْنَ أستاذِي يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيانِ

في السِّكّةِ، وَيجِئُ أحياناً إلى باب المسجدِ، فإذَا رَأَيْته أقُومُ لَهُ تعظيمًا لأستاذي.

والقاضي الإمامُ فخر الدين الأرسابنديُّ كان رئيس الأئمة بـ "مرو" وكانَ السلطان يَحْتَرِمُه غايةَ الاحترام، وكان يقول: إنَّمَا وَجَدْتُ هَذَا المَنْصِبَ بِخِدْمَةِ الأستاذِ؛ فَإِنِّي كُنْتُ أَخْدِمُ استاذِي القاضيَّ الإمامَ أبازيدٍ الدبوسي، وأَطْبَخُ طَعَامَهُ ولا آكُلُ مِنْهُ شَيْئاً.

ترجمہ: استاذ کی اولاد اور اس کے متعلقین کی تعظیم بھی استاذ ہی کی تعظیم ہے، ہمارے استاذ صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدینؒ نقل فرماتے تھے کہ بخاری کے ایک بڑے عالم مجلس درس میں بیٹھتے تھے اور کبھی کبھی دوران درس کھڑے ہو جاتے، طلبہ نے اس کی وجہ معلوم کی، تو فرمایا کہ میرے استاذ کا فرزند گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، اور وہ کبھی کبھی مسجد کے دروازے کے سامنے آجاتا ہے، جب میں اس کو دیکھتا ہوں تو اپنے استاذ کی تعظیم کی وجہ سے، کھڑا ہو جاتا ہوں۔

قاضی امام فخر الدین ارسابندیؒ مقام "مرو" کے سرخیل علماء میں سے تھے، بادشاہ وقت ان کا بے پناہ احترام کیا کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ مجھے یہ منصب استاذ ہی کی خدمت کے نتیجہ میں ملا ہے، اس لیے کہ میں اپنے استاذ قاضی ابوزید دبوسیؒ کی خدمت کرتا تھا، ان کا کھانا بناتا تھا اور اس سے کچھ بھی نہ کھاتا تھا۔

حل لغات: الصبیان: صَبِيٌّ کی جمع ہے بمعنی کم عمر بچہ، السِّكّة: بکسر السین وفتح الکاف المشددة: تنگ راستہ، گلی۔

تشریح: اپنے استاذ کے بچوں کا احترام، اسی طرح استاذ کے متعلق دوست واحباب کا احترام کرنا بھی درحقیقت استاذ ہی کا احترام کرنا ہے، جیسا کہ بادشاہ وقت حضرت امام فخر الدین ارسابندیؒ کا احترام محض اس لیے کرتا تھا کہ وہ اس کے استاذ کے متعلقین میں سے تھے، نیز استاذ کی خدمت بغیر کسی لالچ اور حصول انتفاع کی اُمید، کے

کرنی چاہئے، جیسا کہ بادشاہ وقت نے بیان کیا کہ میں اپنے استاذ کی خدمت کرتا تھا، ان کا کھانا بناتا تھا، لیکن میری خدمت کرنا اور کھانا بنانا محض استاذ کی تعظیم اور توقیر کی وجہ سے تھا نہ کہ اس نیت سے کہ مجھے بھی کھانے کو مل جائے گا، جیسا کہ آج کل کے طلبہ کی بگڑتی صورت حال ہے۔

وَكَانَ الشيخُ الإمام الأجل شمس الأئمة الحُلْوَاني - رحمه الله- قد خَرَجَ مِن بُخَارىٰ وسَكَنَ في بَعْضِ القُرى أيَّامًا لحَادِثةٍ وقَعَتْ له، وقد زَارَه تَلامِذَتُه غَيْرَ الشيخ الإمام القاضي أبي بكر الزرنجي- رحمه الله تعالى- فقال له حِيْنَ لَقِيَهُ: لِمَاذَا لَمْ تَزُرْنِي؟ فقال: كُنْتُ مَشْغُوْلاً بخِدمة الوَالِدَةِ، فقال: تُرْزَقُ العُمْرَ ولا تُرْزَقُ رَوْنَقَ الدرسِ، وكان كذلك، فإنّه كَانَ يَسْكُنُ في أَكْثَرِ أوقَاتِه في القُرىٰ ولَمْ يَنْتَظِم له الدَّرْسُ.

ترجمه: عظیم المرتبت شیخ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کسی حادثہ کی وجہ سے شہر بخاری سے نکل کر چند روز کے لیے ایک گاؤں میں قیام پذیر ہو گئے، قاضی ابوبکر زرنجی کے علاوہ تمام تلامذہ ان سے ملنے حاضر خدمت ہوئے، چند دن کے بعد جب شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کی ابوبکر زرنجی سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے کیوں نہیں آئے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں والدہ کی خدمت میں مشغول تھا، حضرت نے فرمایا: تمہاری عمر میں تو برکت ہوگی لیکن درس کی رونق نہیں پاؤ گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوبکر زرنجی اکثر اوقات گاؤں ہی میں رہے اور ان کے لیے درس کا انتظام نہ ہو سکا۔

حل لغات وتركيب: الزرنجي : بفتح الزاء المعجمة وفتح الراء المهملة وسكون النون، مقام زرنج کی طرف نسبت ہے، تُرْزَقُ العمرَ: بصیغہ مجہول ہے، العمر منصوب ہے نزع خافض کی وجہ سے ای تُجعَلُ مرزوقاًبالعمر ، اسی طرح "رَوْنَقَ الدَّرْسِ" بھی منصوب ہے۔

تشریح: شہر حلوان میں ایک ناگہانی حادثہ کی وجہ سے شیخ شمس الائمہ حلوائیؒ کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا اور یہ چند دن کے لیے کسی گاؤں میں جا کر رہنے لگے، وہاں ان کے تلامذہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے گئے، ایک طالب علم اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے جس کی وجہ سے حضرت کی مزاج پرسی کے لیے گاؤں میں حاضر خدمت نہ ہو سکے، جب چند روز کے بعد حضرت کی ان شاگرد سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے ان سے گاؤں میں نہ آنے کا سبب معلوم کیا، انھوں نے جواب دیا کہ میں اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھا اس وجہ سے نہ آسکا، تب حضرت نے فرمایا کہ تم کو والدہ کی خدمت کی وجہ سے عمر میں برکت تو حاصل ہوگی، لیکن ایک استاذ کی خیریت نہ لینے کی وجہ سے سبق کی رونق سے محروم رہوگے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ واقعۃً ایسا ہی ہوا کہ ان کی طرف طالبانِ علوم نبوت کا رجحان نہ ہوسکا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی رہی کہ یہ اکثر اوقات گاؤں میں رہتے تھے اور شہروں کے مقابلہ میں گاؤں دیہات میں طلبہ بہت کم جاتے ہیں۔ (شرح الشیخ ابن اسمٰعیل ص/۲۲)

فَمَنْ تَأذّى منه أُسْتَاذُهُ يُحْرَمُ بَرَكَةَ العِلمِ ولا يَنْتَفِعُ بالعِلْمِ إلا قليلاً، قيل:

إن المُعَلِّمَ والطَّبِيْبَ كِلَيْهِمَا
لاَ يَنْصَحَانِ إذَاهُمَا لَمْ يُكْرَمَا
فاصْبِرِ لدآئكَ إنْ جَفَوْتَ طَبِيْبَهُ
واقْنَعْ بِجَهْلِكَ إنْ جَفَوْتَ مُعَلِّمَا

وحُكِيَ أن الخليفة هارونَ الرشيد بَعَثَ ابْنَه إلَى الأصْمَعِيِّ لِيُعَلِّمَهُ العِلْمَ والأَدَبَ، فرآه يومًا يَتَوَضَّأُ ويَغْسِلُ رِجْلَهُ وابنُ الخَليفةِ يَصُبُّ المآءَ على رِجلِهِ فَعَاتَبَ الخليفةُ الأَصْمَعِيَّ في ذلك، فقال: إنَّمَا بَعَثْتُه إليك لِتُعَلِّمَه العِلْمَ وتُؤَدِّبَه؛ فلِمَاذَا لاَ تَأمُرُه بأنْ يَصُبَّ المآءَ بإحْدَى يديه ويَغْسِلَ بالأخْرَى رِجْلَك.

ترجمہ: جس طالب علم سے استاذ کو تکلیف پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم رہتا ہے اور علم سے بہت تھوڑا ہی فائدہ اٹھا پاتا ہے، کہا گیا ہے:

استاذ اور طبیب دونوں کے دونوں اس وقت تک خیر خواہی نہیں کرتے جب تک ان کا اکرام نہ کیا جائے۔

اپنی بیماری پر باقی رہو اگر تم نے طبیب کے ساتھ بدسلوکی کی، اور اپنی جہالت پر قناعت کرلو اگر تم نے کسی استاذ سے تندمزاجی کی اور سختی کا برتاؤ کیا۔

نقل کیا گیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے اپنے صاحبزادے کو علم وادب سیکھنے کے لیے ابو سعید اصمعیؒ کی خدمت میں بھیجا، ایک دن خلیفہ ہارون رشید نے دیکھا کہ امام اصمعیؒ وضوء کررہے ہیں اور اپنے پیر دھو رہے ہیں، اور ان کے صاحبزادے ان کے پیر پر پانی ڈال رہے ہیں، خلیفہ ہارون رشیدؒ اس بارے میں اصمعیؒ پر غصہ ہوئے، اور فرمایا کہ میں نے اپنے اس لڑکے کو آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو علم وادب سکھائیں، آپ اس کو یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنے ایک ہاتھ سے پانی بہائے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پیر دھوئے۔

حل لغات: ینصحان: نَصَحَ فُلَانًا ولَهُ (ف، صحیح سالم) نصحًا ونصوحاً: خیر خواہی کرنا، بھلائی کرنا، الداء: مرض، بیماری (ج) أدْوَاء، جَفَوْتَ: جَفَا الشَّيُّ (ن، معتل اللام، ناقص) جفاءً: بدخلقی کرنا، بدسلوکی سے پیش آنا۔ اقْنَعْ: صیغۂ امر ہے، قَنِعَ (س، صحیح سالم) قنعًا وقناعةً: قناعت کرنا، یصب: صَبَّ (ن، صحیح مضاعف) صبًّا: ڈالنا، بہانا، عَاتَبَ: عَاتَبَهُ (مفاعلة، اصلہ عَتَبَ، صحیح سالم) معاتبةً وعتابًا: برا بھلا کہنا، ناراض ہونا، غصہ کرنا۔

تشریح: طالب علم اساتذہ کرام کا ادب واحترام کرے اور ہر ایسے کام سے اجتناب کرے جس سے استاذ کو تکلیف ہوسکتی ہے، کیوں کہ اگر استاذ کو تکلیف ہوئی تو اس

سے علم میں برکت نہ ہوگی، استاذ اپنے علم کا افادہ نہ کرے گا اور طالب علم محروم رہ جائے گا۔

کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ جب تک استاذ اور طبیب کا اکرام نہ کیا جائے اس وقت تک یہ دونوں حضرات بھلائی اور خیر کا معاملہ نہیں کرتے، استاذ طالب علم کو کما حقہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ڈاکٹر مریض کا دل وتوجہ سے علاج نہیں کرسکتا، اور اگر ان کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کیا جائے تو وہ دل سے خیر خواہی کرتے ہیں طلبہ کی ترقی اور مریض کی تندرستی کا غم اوڑھ لیتے ہیں۔

ایک طالب علم کو اپنے استاذ کے ساتھ ایسا ہی ادب واحترام کا معاملہ کرنا چاہئے، جیسا کہ خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا ہے۔

ومِنْ تعظيم العلم تَعْظِيمُ الكتابِ؛ فينبغي لِطَالِبِ العلم أَنْ لاَ يأْخُذَ الكِتَابَ إلا بالطهارة، وحُكِيَ عن الشيخِ الإمام شمس الأَئِمَّةِ الحُلوَانِيِّ أنه قال: إنّما نِلْتُ هَذا العلم بالتعظيم؛ فإنّي مَا أخذتُ الكاغَدَ إلا بالطهارة، والشيخُ الإمامُ شَمْسُ الأئمةِ السَّرَخسِي كان مَبْطُونًا وكان يُكَرِّرُ فِي لَيْلَةٍ، فَتَوَضَّأَ في تِلْكَ اللَّيلَةِ سَبْعَ عَشرَةَ مرةً، لأنه كان لا يُكَرِّرُ إلّا بالطهارةِ، وهذا لأنّ العِلمَ نُورٌ والوُضُوءَ نُورٌ فيَزْدَادُ نُورُ العِلْمِ.

ومِنَ التعظيمِ الواجب أن لّا يَمُدَّ الرِّجْلَ إلى الكِتَابِ ويَضَعَ كُتُبَ التفسيرِ فَوْقَ سائرِ الكُتُبِ تعظيمًا ولا يَضَعُ على الكتاب شيئًا آخرَ مِنْ مِحْبَرَةٍ وغَيرِها، وكان أستاذُنا شيخُ الإسلام برهان الدين – رحمة الله عليه– يَحْكِي عن شيخٍ مِنْ مَشَايِخِنَا أن فقيهًا كان وضَعَ المِحْبَرَةَ على الكتابِ فقال له بالفارسية: بَرْنِيَابِي.

وكانَ أُستَاذُنَا القاضي الإمامُ الأَجَلُ فَخْرُ الدين المعروف بـ "قاضي خان" يقولُ: إنْ لَمْ يُرِدْ بذلكَ الاستِخْفَافَ فَلاَ بَأْسَ بِهِ، والأَوْلىٰ أَنْ يَحْتَرِزَ عَنْهُ.

ترجمہ: اور علم ہی کی تعظیم میں سے کتاب کی تعظیم ہے، طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بغیر پاکی کے کتاب نہ لے، شیخ امام شمس الائمہ حلوائیؒ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اس علم کو تعظیم ہی سے حاصل کیا ہے، اس لیے کہ میں نے کبھی بغیر پاکی کے کاغذ کو ہاتھ نہیں لگایا، اور شیخ شمس الائمہ سرخسیؒ پیٹ کے مریض تھے، وہ ایک رات مذاکرۂ درس کر رہے تھے، انھوں نے اس رات میں سترہ مرتبہ وضوء کیا، کیوں کہ وہ بغیر طہارت کے مذاکرۂ علم نہیں کرتے تھے، اور یہ اس لیے کہ علم ایک نور ہے اور وضوء بھی نور ہے۔ پس وضوء سے علم کے نور میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور ضروری تعظیم میں سے ہے کہ کتاب کی طرف پیر نہ پھیلائے، تفسیر کی کتابوں کو تعظیماً دیگر تمام کتب کے اوپر رکھے، کتاب پر دوات وغیرہ کوئی دوسری چیز نہ رکھے، ہمارے استاذ شیخ الاسلام برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ مشائخ میں سے کسی شیخ سے نقل کرتے تھے کہ کسی فقیہ نے کتاب پر دوات رکھ دی تھی تو ان سے حضرت شیخ نے بزبان فارسی فرمایا کہ تم اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔

ہمارے جلیل القدر استاذ قاضی امام فخر الدین جو قاضی خاں سے مشہور ہیں فرمایا کرتے تھے کہ اگر کتاب پر روشنائی رکھنے سے حقارت مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن بہتر اس سے احتراز کرنا ہی ہے۔

حل لغات: نِلْتُ: بروزن خِفْتُ، ماضی کا صیغہ واحد متکلم ہے، نَالَ (س، معتل العین، اجوف) نَیْلًا: پانا، حاصل کرنا، مبطونًا: صیغۂ اسم مفعول ہے بمعنی مبتلاء درد شکم، بَطِنَ (س، صحیح سالم) بطنًا: پیٹ میں درد ہونا، یُکَرِّرُ: کَرَّرَ الشیئَ (تفعیل، صحیح مضاعف) تکریراً و تکراراً: بار بار دوہرانا، اعادہ کرنا، مذاکرۂ علمی کرنا، یَمُدَّ: مَدَّ (ن، صحیح مضاعف) مَدًّا: دراز کرنا، پھیلانا المحبرۃ: بکسر المیم وفتحہا وسکون الحاء بمعنی دوات (ج) المحابر، بَرْنَیابِي: فارسی کا لفظ ہے، بَرْ کے معنی ہیں ''پھل'' اور ''یَافْتَنْ''

سے ”نیابی“ فعل منفی صیغہ واحد حاضر، ترجمہ ہوگا: تم پھل نہیں پاؤ گے، یعنی اپنے سے فائدہ نہیں اٹھاسکو گے، **الاستخفاف: استخفه** (استفعال، اصلہ خَفّ، صحیح مضاعف) **استخفافًا:** حقارت کی نظر سے دیکھنا، ہلکا سمجھنا۔

تشریح: طالب علم کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ اپنے اساتذہ کی تعظیم اور احترام کرے اسی طرح اس کو چاہئے کہ دین کی کتابوں کی عظمت بھی اس کے دل میں ہو، مذکورہ عبارت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ طالب علم کو اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے۔

(۱) کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔

جیسا کہ شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو جو علم حاصل ہوا اس میں علم کی عظمت کو بڑا دخل ہے، میرا حال یہ تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضوء نہیں چھوتا تھا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ کا یہ عالم تھا کہ باوجود ریاحی امراض میں مبتلاء ہونے کے بغیر وضوء کے ہاتھ میں کتاب نہ اٹھاتے تھے، ایک بار مذاکرۂ علمی یعنی تکرار کے دوران ان کو تقریباً سترہ بار وضوء کرنا پڑا، اور عقلی وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل میں علم نور ہے اور وضوء بھی نور ہے لہٰذا علم کا نور وضوء کے نور کی وجہ سے دوبالا ہو جائے گا۔

(۲) طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کتاب کی طرف پیر دراز نہ کرے، اور تفسیر، حدیث وفقہ کی کتابوں کو بقیہ فنون کی کتابوں کے اوپر رکھے کتاب ادب کے ساتھ اٹھائے کسی کو دے تو پھینک کر نہ دے، اس میں کتاب کی بے ادبی ہے۔

(۳) کتاب پر کوئی چیز نہ رکھے۔

جیسا کہ شیخ الاسلام برہان الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے تو ہمارے شیخ نے فرمایا کہ تم اپنے علم سے ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں منقول ہے کہ حاشیہ پڑھنے کے لیے آپ کتاب کو نہیں گھماتے تھے بلکہ خود گھوم کر حاشیہ دیکھتے تھے۔

البتہ یہ الگ مسئلہ ہے کہ اگر حقارت مقصود نہ ہو تو کتاب پر دوات وغیرہ رکھنا جائز ہے، اگر چہ ادب کے یہ بھی خلاف ہے۔

یوسف بن حسینؒ نے فرمایا: کہ ادب سے علم سمجھ میں آتا ہے اور علم سے عمل کی تصحیح ہوتی ہے اور عمل سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

ومِنَ التعظِيم الوَاجِبِ أن يُجَوِّدَ كِتَابَةَ الكِتَابِ، وَلَايُقَرمِط، وَيَترُكَ الحاشيةَ إلاّ عِندَ الضُّرُورَةِ، وَرَأى أبوحنيفةَ- رحمه الله تعالىٰ- كاتِباً يُقَرمِطُ في الكِتَابَةِ، فقال: لا تُقَرمِطْ خطَّكَ ، إنْ عِشْتَ تَنْدَمْ، وإنْ مُتَّ تُشْتَمْ. يعني: إذَا شِخْتَ وَضَعُفَ بَصَرُكَ نَدِمْتَ عَلىٰ ذلك.

وَحُكِيَ عَنِ الشيخِ الإمامِ مَجْدِالدين الصَّرْحَكِيِّ- رحمه الله تعالىٰ- أنَّهُ قال: مَاقَرْمَطْنَا نَدِمْنَا وما انْتَخَبْنَا نَدِمْنَا، ومَالم نُقَابِلْ نَدِمْنَا.

ويَنْبَغي أنْ يكون تَقْطِيعُ الكتابِ مُرَبَّعًا، فإنّه تَقْطِيعُ أبي حنيفةَ وهُوَ أيسَرُ إلى الرَّفْعِ والوَضْعِ والمُطَالَعَةِ.

وينبغي أنْ لاَ يكونَ في الكتابِ شيٌ مِنَ الحُمْرَةِ فإنَّها صَنِيْعُ الفَلاَسِفَةِ لاَ صَنِيْعُ السَّلَفِ، وَمِنْ مشَايِخِنَا مَنْ كَرِهَ استِعْمَالَ الْمُرَكَّبِ الأحْمَرِ.

ترجمه: ضروری تعظیم ہی کا حصہ ہے کہ کتاب کی نہایت عمدہ کتابت کرے، باریک اور ملا کر نہ لکھے، حاشیہ چھوڑے مگر یہ کہ ضرورت ہو، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایک کاتب کو باریک اور ملا ملا کر لکھتے دیکھا تو فرمایا کہ اپنی تحریر خراب مت کرو (باریک باریک نہ لکھو) اگر زندہ رہے تو پشیمان ہو گے اور اگر تمہارا انتقال ہو گیا تو (لوگوں کی طرف سے تم کو) برا بھلا کہا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ جب تم بوڑھے ہو جاؤ گے اور تمہاری بینائی کمزور ہو جائے گی تو اپنے اس فعل پر افسوس کرو گے۔

حضرت شیخ مجد الدین صرحکیؒ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: کہ جو ہم نے باریک

باریک ملا کر لکھا اس پر ہم شرمندہ ہوتے ہیں، اور جس کا ہم نے انتخاب کیا اس پر کف افسوس ملتے ہیں، اور جس کو ہم نے (دوسری صحیح کاپی سے) نہیں ملایا اس پر ہمیں شرمندگی ہے۔

مناسب یہ ہے کہ کتاب کا سائز چوکور ہو، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب کا سائز ایسا ہی تھا، اور کتاب کو اٹھانے، رکھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے یہی آسان ہے۔

نیز یہ بھی مناسب ہے کہ کتاب میں سرخ رنگ وغیرہ نہ ہو اس لیے کہ یہ تو فلاسفہ کا طریقۂ کار ہے نہ کہ اسلاف کا، ہمارے بعض مشائخ سرخ روشنائی سے لکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حل لغات: يُجَوِّد، جَوَّدَ الشيَ (تفعیل، اصله جَادَ، معتل العین اجوف) تجويداً: اچھا اور عمدہ بنانا، يقرمط، قَرْمَطَ الكتابَ ونحوهُ (فَعْلَلَ، صحیح سالم، مجرد رباعی) قرمطةً: سطریں اور حروف باریک اور ملا کر لکھنا۔ عَاشَ (ض، معتل العین اجوف) عَيْشاً وعَيْشَةً: زندگی گزارنا۔ تَنْدَمْ: مجزوم و مرفوع دونوں طرح ہوسکتا ہے، نَدِمَ عَلَى الأمر (س، صحیح سالم) ندماً وندامةً: شرمندہ ہونا، مُتَّ: ماتَ (ن، س معتل العین اجوف) موتاً: مرنا، یہ صیغۂ خطاب ہے، تُشْتَمْ: شَتَمَ (ن، ض، صحیح سالم) شَتْماً: برا کہنا، گالی گلوچ دینا، شِخْتَ: شَاخَ (ض، معتل العین، اجوف) شيخاً وشيخوخةً: بوڑھا ہونا۔ تَقْطِيْع: بمعنی سائز جمع تَقَاطِيع ہے۔ مربعاً: رَبَّعَ الشئَ (تفعیل، اصله رَبَع، صحیح سالم) تربیعاً: چوکور بنانا۔ أَيْسَرُ: صیغۂ اسم تفضیل ہے يَسَرَ الشئُ (ض، معتل الفاء، مثال) يَسْراً: آسان ہونا۔ سَلَفٌ: بفتح اللام سَالِف کی جمع ہے: گزرے ہوئے اکابر اور اصحاب فضل وکمال۔ المركب: دوات

تشریح: جس زمانے میں کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں پریس وغیرہ کا کوئی نظم نہ تھا تو اس وقت کے سلسلے میں مصنف علام نے یہ تاکید کی کہ کتابت اچھی اور صاف ستھری ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ بالکل باریک حروف ہوں اور وہ بھی ملے ہوئے، سطروں میں

بالکل فاصلہ نہ ہو، ایسی تحریر ہمیشہ کے لیے ندامت وشرمندگی کا باعث بنتی ہے۔ کیوں کہ جب آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے تو اس کی نگاہ بھی کمزور ہوجاتی ہے اور اپنی اس باریک اور گھنی تحریر کو پڑھنا اس کے لیے دشوار ہوجاتا ہے، تب اس کو احساس اور شرمندگی ہوگی اور اپنے اس عمل پر کف افسوس ملتا رہے گا اس لیے پہلے ہی صاف صاف اور خوبصورت لکھے تاکہ بعد میں کوئی شرمندگی نہ ہو۔ اسی طرح لکھتے وقت حاشیہ بھی چھوڑنا چاہئے تاکہ بوقت ضرورت کچھ نوٹ کرسکے۔ ہاں اگر کاغذ کم ہو تو اس صورت میں باریک باریک بھی لکھ سکتا ہے اور بغیر حاشیہ چھوڑے ہوئے بھی لکھ سکتا ہے۔

بعض اوقات آدمی بہت باریک باریک ملاملا کر لکھ لیتا ہے لیکن جب اس کا انتقال ہوجاتا ہے اور بعد والا کوئی پڑھتا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا جس کی وجہ سے وہ سب وشتم کرنے لگتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خط صاف اور بڑا بڑا ہونا چاہئے تاکہ نہ تو خود کو بعد میں کوئی پریشانی ہو اور نہ بعد والوں کو پریشانی ہو۔

حضرت مصنف علامؒ نے امام صرحکیؒ سے اسی بات کو نقل کیا ہے کہ ہم نے جلدی جلدی میں غیر واضح لکھا جس کو آج ہم خود نہیں پڑھ پاتے جس پر بڑی ندامت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم نے بہت سی کتابوں کے منتخبات لکھ لیے، مکمل کتابیں اس وقت یاد ہونے کی وجہ سے نہیں لکھیں، آج جب مکمل کتاب دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو سرمایہ سامنے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی تکلیف محسوس ہوتی ہے، نیز پہلے زمانے میں کتابیں نقل کرنے کے بعد اصل نسخے سے مراجعت کی جاتی تھی، لیکن جس حصہ کی ہم نے مراجعت نہیں کی اور اصل کتاب سے یا تصحیح شدہ کاپی سے نہیں ملایا اس پر ہمیں ندامت ہوتی ہے۔

مصنفؒ نے سرخ روشنائی سے منع کرتے ہوئے اس کو فلاسفہ کا شعار قرار دیا ہے، یہ حکم ان کے زمانے کے اعتبار سے ہوسکتا ہے آج اس کو فلاسفہ کا شعار نہیں سمجھا جاتا بلکہ کتنے مخطوطے اکابرین کے ایسے ہیں جو ملون ہیں، بیروت سے بے شمار کتابیں ایسی شائع ہورہی

ہیں جن میں جگہ جگہ سرخ رنگ کا استعمال ہوتا ہے، لہٰذا سرخ روشنائی کا استعمال موجودہ زمانہ میں ممنوع نہیں ہے۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم (استاذ دارالعلوم دیوبند) کی یہی رائے ہے۔

ومِنْ تعظِيْم العِلْم تَعْظِيْمُ الشُّركاءِ في طَلَبِ العلم والدرسِ ومَنْ يَتعَلَّمُ مِنهُ، وَالتَّمَلُّقُ مذمُوْمٌ إلَّا في طَلَبِ العِلْمِ؛ فإنَّه يَنبغي أنْ يَتملَّقَ لأستاذِه، وشُركائِه لِيَسْتَفِيْدَ مِنهُم.

وَيَنْبَغي لِطالِبِ العِلْمِ أن يَسْتَمِعَ العِلْمَ والحِكْمَةَ بالتَّعْظِيْمِ والحُرْمَةِ، وإنْ سَمِعَ مَسْأَلَةً وَاحِدَةً أَلْف مَرَّةٍ.

قِيْلَ: مَنْ لَمْ يَكُنْ تَعْظِيْمُهُ بَعْدَ أَلْفِ مَرَّةٍ كَتَعْظِيْمِه فِي أوَّلِ مَرَّةٍ فَلَيْسَ بأهْلٍ لِلْعِلْمِ.

ترجمہ: شرکاءِ درس اور استاذ کا ادب واحترام بھی علم ہی کی تعظیم کا ایک جزء ہے۔ حصول علم کے علاوہ کسی بھی چیز میں چاپلوسی کرنا روا نہیں، لہٰذا طالب علم کے لیے استاذ اور رفقائے درس کی خوشامد کرنا مناسب ہے تا کہ ان سے استفادہ کر سکے۔ نیز طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ علم وحکمت کی باتیں عظمت اور احترام کے ساتھ توجہ سے سنے، خواہ وہ ایک مسئلہ کو ہزار مرتبہ کیوں نہ سن چکا ہو، کسی نے کہا ہے کہ ہزار دفعہ سننے کے بعد بھی جس شخص کی تعظیم پہلی مرتبہ سننے کی تعظیم کی طرح نہ ہو تو وہ علم کا اہل نہیں۔

حل لغات: يَتملَّقَ: تَمَلَّقَ الرَّجُلُ رَجُلاً (تفعل اصلہ مَلَق، صحیح سالم) تملُّقاً: چاپلوسی اور خوشامد کرنا، کسی کے منہ پر اس کی بیجا تعریف کرنا۔ **الحكمة:** حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ حکمت چار معانی میں مستعمل ہے: مواعظ قرآن، عجائب اسرار، علم وفہم اور نبوت۔

تشریح: اس عبارت میں بھی تعظیم علم پر زور دیا گیا ہے علم کی تعظیم ہی کا ایک حصہ یہ

بتایا گیا ہے کہ اپنے ساتھیوں کا ادب واحترام کرے اور ان کے ساتھ حسن سلوک واحسان کا معاملہ کرے، اگر ضرورت ہو تو استفادے کے لیے ان کی خوشامد کرلے، چاپلوسی کرلے، خوشامد اور چاپلوسی کرنا اگرچہ مذموم ہے لیکن علمی استفادے کے لیے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، طالب علم کے لیے یہ بھی لازم اور ضروری ہے کہ وہ دین کی ہر ہر بات کو تعظیم اور ادب واحترام اور توجہ کے ساتھ سنے، اگر کسی مسئلہ کو وہ ہزار مرتبہ بھی سن چکا ہے اور پھر سننے کی نوبت آئے تو اسی توجہ اور ادب کے ساتھ سنے جس توجہ اور ادب کے ساتھ پہلی مرتبہ سنا تھا، اگر کوئی طالب علم ایسا نہیں کرتا ہے تو درحقیقت وہ علم کا اہل ہی نہیں۔ موجودہ زمانے میں طالبان علوم نبوت اس کا لحاظ نہیں رکھتے اور اسباق کو بے توجہی سے سنتے ہیں، نیز اپنے درسی ساتھیوں سے استفادہ کرنے میں ان کو شرم وحیاء محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی طالب علم کمزور ہوتا ہے کتاب اس کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ بری عادت ہے اس سے باز رہنا چاہئے۔

حضرت قاری صدیق صاحبؒ نے آداب المتعلمین میں لکھا ہے کہ اپنے رفیقوں اور ساتھیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے، اگر ساتھی غلط عبارت پڑھے تو اس پر ہنسا نہ جائے، کیوں کہ اس نے ناواقفیت کی وجہ سے غلط پڑھا ہے تمہاری ہنسی سے اسے تکلیف ہوگی اور تمہارے اندر تکبر پیدا ہوجائے گا، اپنے کو تم اس سے اچھا سمجھو گے اور یہ دونوں چیزیں مہلک ہیں۔

کمرے میں رہنے والے ساتھیوں کا بھی خیال رکھے، ان سے جھگڑا، فساد نہ کرے، ان میں جو غریب ہوں حسب استطاعت ان کی امداد کرے، حضرات صحابہ اور اکابرین کے واقعات کو سامنے رکھے کہ ان حضرات کے اندر کس قدر ایثار اور ہمدردی کا جذبہ تھا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ ندوی کے بارے میں متعدد ثقہ حضرات نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات روک کر دوسروں کی امداد فرماتے رہتے تھے۔

وينبغي لطالبِ العِلْمِ أَنْ لَا يَخْتَارَ نَوْعَ عِلْمٍ بِنَفْسِه، بَلْ يُفَوِّضُ أَمْرَهُ إلى الأستاذِ ، فإن الأستاذَ قد حَصَلَ له التَّجَارِبُ في ذلك، فكان أَعْرَفَ بِمَا يَنْبَغِي لِكُلِّ أحدٍ، وما يَلِيقُ بِطَبِيْعَتِهِ.

وكان الشيخُ الإمامُ الأجلُّ الأستاذُ شيخُ الإسلامِ برهانُ الحَقِّ والدينِ -رحمه الله- يقُولُ: كانَ طلبةُ العِلْمِ في الزَّمَانِ الأَوَّلِ يُفَوِّضُوْنَ أُمُوْرَهُم في التَّعَلُّمِ إلى أستاذِهم فكانوا يَصِلُوْنَ إلى مَقْصُوْدِهم ومُرَادِهم والآنَ يختارون بِأَنْفُسِهم لَايَدْرُوْنَ أيُّ العِلْمِ أنفَعُ بِهِم وأَيُّ العِلْمِ يَلِيْقُ بِطَبِيْعَتِهم.

وكان يَحْكِي أنَّ محمدبنَ إسماعيلَ البخاريَّ - رحمه الله تعالىٰ- كان بَدَأَ بكتابِ الصَّلاةِ على محمد بنِ الحَسَنِ؛ فقال له محمد بنُ الحَسَنِ: اذْهَبْ وتَعَلَّمْ عِلْمَ الحَدِيْثِ؛ لما رَأى أنَّ ذلك العِلْمَ أَلْيَقُ بِطَبْعِه، فطَلَبَ عِلْمَ الحديثِ فصار فيه مُقَدَّماً على جميعِ أئمةِ الحديث.

ترجمہ: طالب علم کے لیے مناسب ہے کہ کسی خاص علم کا انتخاب ازخود نہ کرے، بل کہ اپنا معاملہ استاذ کے حوالے کردے، اس لیے کہ استاذ کو اس سلسلے میں تجربات حاصل ہیں، استاذ ہر ایک کے بارے میں اس چیز کو زیادہ جانتا ہے جو اس کے مناسب اور اس کی طبیعت کے مناسب ہے۔

عالی مرتبت امام، استاذ شیخ الاسلام برہان الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانے کے طلبہ حصول علم سے متعلق اپنے معاملات کو اپنے اساتذہ کے سپرد کردیا کرتے تھے اور وہ اپنے مقصد و مراد کو پالیتے تھے، اور اب تو طلبہ خود ہی علم کا انتخاب کرلیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو علم وفقہ کا مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کو یہ بات تو معلوم ہے نہیں کہ کون سا علم ان کے لیے زیادہ نفع بخش ہے اور کون سا علم ان کی طبیعت کے لیے مناسب نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام برہان الدین والحق ؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ امام بخاریؒ نے امام محمد بن حسنؒ سے کتاب الصلاۃ پڑھنی شروع کی تو امام محمدؒ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ علم حدیث حاصل کرو، اس لیے کہ امام محمدؒ نے پہچان لیا کہ علم حدیث ہی ان کی طبیعت کے زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے علم حدیث سیکھا اور تمام ائمہ پر اس فن میں سبقت لے گئے۔

حل لغات: یفوض: فَوَّضَ الأمرَ إليه (تفعیل اصلہ ف و ض) اس کا مجرد نہیں آتا، صحیح سالم ہے بمعنی حوالہ کرنا، سپرد کرنا، التجارب: تَجْرِبَةٌ کی جمع ہے: تجربات، أعرف: صیغۂ اسم تفضیل ہے، عَرَفَ الشيءَ (ض، صحیح سالم) عرفاناً ومعرفةً: شناخت کرنا، پہچاننا، واقف ہونا۔ یَلِیْقُ: لَاقَ (ض، معتل العین اجوف) لیقاً: لائق اور مناسب ہونا۔ یدرون: دَرَی الشيءَ وبه (ض، معتل اللام، ناقص) دَرْیاً ودِرَایَةً: جاننا۔ مقدّماً: وہ شخص جو علم وفضل کے اعتبار سے لوگوں میں آگے نکل جائے۔

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے کہ تجربات سے بہت سی ایسی چیزیں حاصل ہوجاتی ہیں جو بغیر تجربات کے نہیں حاصل ہوسکتیں، ایک مبتدی طالب علم چوں کہ ناتجربہ کار ہوتا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا علم اس کے لیے مناسب ہے اور کون سا نا مناسب، اس وجہ سے طالب علم کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ کسی بھی علم میں اختصاص پیدا کرنے کے لیے اپنے باصلاحیت اور تجربہ کار استاذ سے مشورہ کرے، بغیر مشورے کے کسی خاص علم کا انتخاب نہ کرے، دور قدیم میں طلبہ اس امر کا بہت خیال رکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ کامیاب اور کامران ہوجاتے تھے، اور ہمارے اسی زمانے میں اس کا عکس ہورہا ہے جس کی وجہ سے طلبہ انحطاط کا شکار ہورہے ہیں۔

مصنفؒ نے اس جگہ جو امام بخاریؒ اور امام محمدؒ کا واقعہ ذکر کیا ہے تاریخی شواہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن حسنؒ سے امام محمد بن حسن شیبانیؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں مراد نہیں ہیں، اس لیے کہ امام بخاریؒ نے ان کے زمانہ کو نہیں پایا، امام محمدؒ کی وفات ۱۸۹ھ میں

ہو چکی تھی اور امام بخاری کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی ہے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ امام محمدؒ سے مراد کوئی اور ہیں نہ کہ ابو حنیفہؒ کے شاگرد، یہاں شراح کو تسامح ہو گیا ہے۔

وينبغي لِطَالِبِ الْعِلْمِ أنْ لا يَجْلِسَ قَرِيباً مِنَ الأُسْتَاذِ عِنْدَ السَّبَقِ بِغَيْرِ ضرورةٍ، بل ينبغي أن يكون بَيْنَهُ وبَيْنَ الأُسْتَاذِ قَدْرَالقَوْسِ، فإنَّه أقربُ إلى التَّعْظِيمِ.

وينبغي لطالب العلم أن يَحْتَرِزَ عَنِ الأَخْلَاقِ الذَّمِيمَةِ؛ فإنَّها كِلَابٌ مَعْنَوِيَّةٌ، وَقد قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " لا يَدْخُلُ المَلَائِكَةُ بَيْتاً فِيهِ كَلْبٌ أو صُوْرَةٌ" الحديث. وإنَّمَا يَتَعَلَّمُ الإنسانُ بِوَاسطةِ المَلَكِ. والأخلاقُ الذميمةُ تُعْرَفُ في كتابِ الأخلاقِ وكِتَابُنَا هٰذَا لا يحتمل بَيَانَها. ولْيَحْتَرِزْ خُصُوْصاً عَنِ التَّكَبُّرِ، فَمَعَ التكبرِ لا يَحْصُلُ العِلْمُ. قيل:

العِلْمُ حَرْبٌ لِلْفَتى الْمُتَعَالِي ☆ كَالسَّيْلِ حَرْبٌ لِلْمَكَانِ الْعَالِي

وقيل:

بِجِدّ لَا بِجَدٍّ كُلُّ مَجْدٍ ☆ فَهَلْ جَدٌّ بِلَا جِدٍّ بِمُجْدِيْ
فَكَمْ عَبْدٍ يَقُوْمُ مَقَامَ حُرٍّ ☆ وكَمْ حُرٌّ يَقُوْمُ مَقَامَ عَبْدٍ

ترجمه: طالب علم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ سبق کے وقت بغیر ضرورت کے استاذ سے (زیادہ) قریب ہو کر نہ بیٹھے، استاذ اور طالب علم کے درمیان ایک کمان کے بقدر فاصلہ ہونا چاہیے، یہ استاذ کی تعظیم کے زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کو اخلاق ذمیمہ (برے اخلاق) سے احتراز کرنا چاہیے، کیوں کہ برے اخلاق معنوی کتے ہیں، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جس گھر میں کتا یا تصویر ہو فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے، حالانکہ انسان فرشتوں ہی کے واسطے سے علم حاصل کرتا ہے۔

برے اخلاق کا پتہ کتاب الاخلاق سے چلے گا، ہماری یہ کتاب ان تمام کو بیان کرنے کی حامل نہیں۔

تکبر سے بطور خاص بچنا چاہئے کیوں کہ تکبر کے ہوتے ہوئے علم حاصل نہیں ہوتا۔ کہا گیا ہے کہ: علم تکبر کرنے والے کا دشمن ہوتا ہے جس طرح سیل رواں بلند جگہوں کا دشمن ہوتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ: ہر طرح کی عزت و شرافت محنت اور کوشش سے ہوتی ہے قسمت اور نصیب سے نہیں، لیکن کیا کوئی قسمت بغیر محنت کے نفع بخش ہوتی ہے۔

حل لغات: السبق: کتاب کی وہ مقدار جو عموماً ایک دن میں پڑھائی جاتی ہے، عربی زبان میں اس کا استعمال شاذ ہے۔ اس کی جگہ "الدرس" کا لفظ لاتے ہیں۔ القوس: کمان (ج) أقواس، الذميمة: قبیح اور بری چیز، کلاب: کَلْبٌ کی جمع ہے: کتا، کلاب معنوی سے مراد برے اخلاق ہیں، جس طرح کتا گزرنے والوں کو کاٹ کر اذیت پہنچاتا ہے اسی طرح برے اخلاق قریب رہنے والوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں۔ ملائكة: مَلَك کی جمع ہے بمعنی فرشتہ۔ اس کی اصل مَفْعَلٌ کے وزن پر مَلْأَكٌ ہے۔ حَرْبٌ: دشمن، صاحب قاموس لکھتے ہیں: رَجُلٌ حَرْبٌ: عَدُوٌّ و مُحَارِبٌ. جِدّ: بکسر الجیم بمعنی محنت، جد: بفتح الجیم بمعنی قسمت اور نصیب، مَجْدٌ، عزت و شرافت (ج) أمجاد، مُجْدِيْ: اسم فاعل کا صیغہ ہے أَجْدَاهُ و عليه (إفعال، اصلہ جدا، معتل اللام ناقص) إجداءً: عطیہ دینا، فائدہ پہنچانا۔

تشریح: سبق کے دوران طالب علم استاذ کے برابر میں بالکل قریب نہ بیٹھے یہ تعظیم کے خلاف ہے، بلکہ استاذ اور طالب علم کے درمیان کم از کم ایک کمان کا فاصلہ رہنا چاہئے، اس سے استاذ کی عظمت برقرار رہتی ہے۔

طالب علم کو برے اخلاق سے بھی اجتناب کرنا چاہئے، اس لیے کہ برے اخلاق

معنوی حیثیت سے کتے ہیں، اور کتا جس گھر میں ہوتا ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے لہٰذا برے اخلاق کے ہوتے ہوئے رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے، جب کہ علم دین فرشتوں ہی کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سنن ابو داؤد اور صحیح مسلم وغیرہ میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

برے اخلاق ہی میں سے ایک بیماری تکبر اور بڑائی کی ہے۔ اس سے احتیاط بہت ضروری ہے۔ اس مہلک بیماری کے ہوتے ہوئے علم کا حاصل ہونا بڑی مشکل بات ہے۔ علم تو متکبر کا دشمن ہے پھر وہ دشمن کے پاس کیسے آ سکتا ہے۔ شاعر نے بڑی اچھی مثال دی ہے کہ: جس طرح سیلاب بلند مکان کو پاش پاش کر دیتا ہے اسی طرح تکبر متکبر عالم کے علم کو ختم کر دیتا ہے، حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے۔ رحمۃ المتعلمین میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ تکبر کی بنا پر ایک عالم کا دماغ فالج سے ماؤف ہو گیا تھا، جس سے سب علم بھول گیا۔

عظمت و بلندی اور شرافت تو محنت اور کوشش سے ہی ملتی ہے۔ صرف قسمت پر موقوف نہیں، محنت اور کوشش ہی ایسی چیز ہے جو غلاموں کو آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے، اور جب اہل فضل و کمال محنت کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو قعر مذلت میں جا گرتے ہیں، اور عزت و شرافت ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اس لیے طالب علم کو محنت کرتے رہنا امر ضروری ہے۔ بغیر محنت کے خاندانی شرافت سے کچھ نہیں ہوتا۔

فَصلٌ في الجِدِّ والمُوَاظَبَةِ والهِمَّةِ

محنت، پابندیٔ درس اور بلند ہمتی کا بیان

اس فصل کے تحت مصنفؒ یہ بیان فرمائیں گے کہ طالب علم کے مستقبل کے لیے محنت کرنا ایک مؤثر چیز ہے، اس سے اس کا مستقبل اچھا ہوتا ہے۔ پھر مصنفؒ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ان اسباب وعوامل کو بھی اختیار کرنا چاہئے جن کی وجہ سے محنت کارگر بنتی ہے۔ جیسے راتوں کو جاگ کر مطالعہ کرنا۔ اسباق کی پابندی کرنا اور بلند ہمتی سے کام لینا وغیرہ نیز اس پر بھی متنبہ کیا ہے کہ طلب علم کے لیے اسفار کرنا بھی ایک مؤثر چیز ہے، پھر اخیر فصل میں ان چیزوں سے آگاہ کیا ہے جو محنت میں کمی اور سستی وکاہلی کا سبب بنتی ہیں۔

ثم لا بُدَّ مِنَ الجِدِّ والمُوَاظَبَةِ والمُلازَمَةِ لِطَالِبِ العلمِ، وإلَيْهِ الإشَارَةُ في القُرآنِ بقَوْلِه تعالیٰ: " يَا يَحْيىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ" وقَوْلِه تعالیٰ: " وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

وقِيلَ: مَنْ طَلَبَ شَيْئاً وجَدَّ وَجَدَ، ومَنْ قَرَعَ البَابَ ولَجَّ وَلَجَ.

وقِيلَ: بِقَدْرِ مَا تَتَعَنّى تَنَالُ مَا تَتَمَنّى.

قِيل: يَحْتَاجُ في التَّعَلُّمِ والتَّفَقُّه إلى جِدِّ الثَّلاثَةِ: الْمُتَعَلِّمِ ، والأُسْتَاذِ، وَالأَبِ إنْ كَانَ في الأَحْيَاءِ.

أَنْشَدَنِي الشيخُ الإمامُ الأَجَلُّ الأُسْتَاذُ سَدِيدُالدِّيْنِ الشيرازِيُّ – رحمه اللّٰه تعالیٰ– للإمَامِ الشافعي:

الْجِدُّ يُدْنِي كُلَّ أمْرٍ شَاسِعٍ　　　وَالجِدُّ يَفْتَحُ كُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

وأَحَقُّ خَلْقِ اللّٰهِ بِالهَمِّ امْرُؤٌ ذُوْهِمَّةٍ يُبلىٰ بِعَيْشٍ ضَيِّقٍ
وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلىَ القَضَاءِ وحُكْمِهِ بُؤسُ اللَّبِيبِ وطِيْبُ عَيْشِ الأَحْمَقِ
لكِنْ مَنْ رُزِقَ الحِجىٰ حُرِمَ الغِنىٰ ضِدَّانِ يَفْتَرِقَانِ أَيُّ تَفَرُّقٍ

وأُنْشِدْتُ لِغيرِهِ:

تَمَنَّيْتَ أَنْ تُمْسِيَ فَقِيْهاً مُنَاظِراً بِغَيْرِ عَنَاءٍ والجُنُوْنُ فُنُوْنُ
ولَيْسَ اكْتِسَابُ المَالِ دُوْنَ مَشَقَّةٍ تَحَمَّلُهَا فَالعِلْمُ كَيْفَ يَكُوْنُ

قال أبو الطيب:

وَلَمْ أَرَ فِيْ عُيُوْبِ الناسِ عَيْباً كَنَقْصِ القَادِرِيْنَ عَلىَ التَّمَامِ

ترجمه: طالب علم کے لیے محنت، پیہم کوشش اور پابندی بھی انتہائی ضروری ہے، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول " يَا يَحْيىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ" کہ "اے یحییٰ مضبوطی سے کتاب تھام لو" اور " وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کہ " جنھوں نے ہمارے واسطے محنت کی ہم ان کو اپنی راہ سمجھائیں گے" میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جس شخص نے کچھ حاصل کرنا چاہا اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے تو وہ اس نے پالیا، اور جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور چمٹ گیا تو وہ داخل ہو ہی جائے گا۔

اور کہا گیا ہے کہ: جتنی مشقت اٹھاؤ گے اتنی ہی آرزو اور تمنا پاؤ گے۔

کہا گیا ہے کہ: علم حاصل کرنے اور فقہ سیکھنے کے لیے تین آدمیوں کو محنت کرنی پڑتی ہے: طالب علم کو، استاذ کو اور والد کو اگر وہ حیات ہوں۔

عالی مرتبت شیخ امام استاذ سدید الدین شیرازیؒ نے امام شافعیؒ کے یہ اشعار سنائے:

محنت ہر دور دراز کی چیز کو قریب کر دیتی ہے، محنت ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے۔

مخلوق خدا میں رنج وغم کا زیادہ حق دار وہ بلند ہمت انسان ہے جو بدحالی اور مفلسی کی

زندگی کی آزمائش میں ہو۔

عقل مند انسان کی زبوں حالی اور احمق و بیوقوف کی خوش حالی فیصلۂ خداوندی اور حکم الٰہی کی دلیل ہے۔

لیکن جس کو عقلندی عطاء کردی گئی ہو تو وہ مال و دولت سے محروم رہ گیا، یہ دونوں کس طرح ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اور کسی اور شاعر کے یہ اشعار مجھے سنائے گئے:

تمہاری تمنا ہے کہ بغیر محنت ومشقت کے تم فقیہ مناظر بن جاؤ، تو یاد رکھو کہ یہ پاگل پن مختلف قسموں کا ہے۔ بغیر مشقت اٹھائے تو مال بھی حاصل نہیں ہوتا تو علم کیوں کر حاصل ہوگا۔

اور ابوالطیب متنبی نے کہا ہے:

میں نے لوگوں کو عیوب میں کسی کام پر مکمل قدرت رکھنے والوں کے کام کو ادھورا چھوڑنے کے عیب کی طرح کوئی اور عیب نہیں دیکھا۔

حل لغات: قَرَعَ: قَرَعَ البابَ (ف، صحیح سالم) قَرْعًا: دروازے پر دستک دینا، دروازہ بجانا۔ لَجَّ: لَجَّ فِي الأمر (س، ض، مضاعف) لَجَجاً ولجاجةً: چمٹے رہنا، لازم پکڑنا۔ وَلَجَ: (ض، معتل الفاء) وُلُوجاً: داخل ہونا، تتعنى: تَعَنّىٰ (تفعیل، اصلہ عَنِيَ معتل الفاء ناقص) تَعَنّياً: تھکنا، مشقت اٹھانا۔ تتمنى: تَمَنّىٰ الشيءَ (تفعل، اصلہ مَنَى، معتل اللام ناقص) تَمَنّياً: ارادہ کرنا، تمنا اور خواہش کرنا۔ الأحياء: حَيّ کی جمع ہے بمعنی زندہ، باحیات، یہ میت کی ضد ہے۔ يُدْنِي: أدْنَاهُ (افعال، اصلہ دنی، معتل اللام ناقص) إدناءً: قریب کرنا۔ شاسع: اسم فاعل ہے، شَسَعَ (ف، صحیح سالم) شسوعاً: دور ہونا، مُغْلَق: صیغۂ اسم مفعول ہے أَغْلَقَ (افعال، اصلہ، غَلَقَ صحیح سالم) إغلاقاً: بند کرنا، الهَمّ: غم، رنج (ج) ہموم۔ يُبْلىٰ: صیغۂ مجہول، أبْلىٰ فلاناً (اِفعال،

اصلہ بَلِیَ، معتل اللام ناقص) اِبلاءً: آزمائش کرنا۔آزمانا۔بُؤسٌ: فقر تنگ دستی (ج) أَبْؤُسٌ اللَّبِيبُ: عقلمند، لَبَّ (ض، صحیح مضاعف) لبابۃً: عقل والا ہونا۔ الحِجيٰ: عقل۔الغِنیٰ: مالداری۔غَنِيَ (س، معتل اللام ناقص) غناءً وغِنیٰ: صاحب ثروت ہونا۔تُمْسِي: أَمسیَ (افعال، اصلہ مسَا، معتل اللام، ناقص) إمساءً: شام کے وقت میں داخل ہونا، اس کو افعال ناقصہ میں بھی شمار کیا جاتا ہے پھر یہ صَارَ کے معنیٰ میں ہوگا، یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ العناء: تعب اور مشقت۔ تحملها: اصلہ تَتَحَمَّلُهَا، فعل مضارع سے تخفیفا ایک ''تا'' کو حذف کردیا گیا ہے۔

تشریح: طالب علم کو چاہئے کہ اچھی طرح پیہم محنت کرے، اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے، حصول علم میں ہرگز سستی اور کاہلی سے کام نہ لے، کیوں کہ کاہلی علم سے محرومی کا سبب ہوگی۔

سلف کی زندگی پر غور کرے کہ انھوں نے کیسی محنت کی ہے، قرآن پاک میں خوب محنت کرنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:'' وَالَّذِينَ جَاهَدُوْ فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' کہ جن لوگوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی تو ضرور ہم ان کو سیدھی راہ دکھلائیں گے، دوسری جگہ ارشاد ہے:''يَا يَحْيىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ'' اے یحیٰ کتاب کو نہایت مضبوطی کے ساتھ لو۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص کسی چیز کا طالب ہے اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے تو اپنی کوشش کے مطابق اس کو ضرور پالے گا۔ نیز جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اہتمام کیا وہ ضرور داخل ہوجائے گا۔ انسان جب کوشش اور محنت کرتا ہے تو ہر مشکل کام آسان ہوجاتا ہے۔جس طرح بند دروازہ کوشش کے بعد کھل جاتا ہے۔لہٰذا لگاتار محنت اور جدوجہد سے علم بھی ضرور حاصل ہوجائے گا۔جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

''کہ تمہاری خواہش اگر یہ ہے کہ بغیر تکلیف ومشقت کے عالم وفاضل بن جاؤ تو یہ پاگل پن اور جنون ہے کیوں کہ جب مال ودولت کا حصول بلا مشقت برداشت کیے نہیں

ہوتا تو پھر علم جو اس سے بدرجہا بلند ہے اس کا حصول بلا مشقت کیسے ہو سکتا ہے؟''

ایک بزرگ کا قول ہے: ''العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه كلك'' علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے سکتا جب تک کہ پورے طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کردو۔ اسی طرح شیخ الاسلام انصاریؒ فرماتے ہیں کہ طلب علم ان جوان مردوں کا کام ہے جن کو مقصود بالذات یہی کام ہے۔

بستان المحدثین میں امام طحاویؒ کا حال لکھا ہے کہ ان کے ماموں امام مزنیؒ نے ان کے کند ذہن ہونے کی وجہ سے عار دلائی لیکن امام طحاویؒ نے اس قدر محنت اور لگن سے علم حاصل کیا کہ دنیا نے ان کی امامت کو تسلیم کیا۔

کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ علم کے حاصل کرنے کے لیے تین آدمیوں کی محنت درکار ہے، ایک خود طالب علم انتہائی جدوجہد کرے، دوسرے استاذ بھی خوب محنت سے پڑھائے، اور تیسرے والد بھی خوب محنت کرے اور والد کی محنت یہ ہے کہ بچہ کی نگرانی رکھے اس کے لیے مالی وسائل کی ضرورت کو پورا کرے۔

ابو الطیب متنبی نے اپنے اس شعر میں بہت عمدہ بات کہی ہے کہ انسانوں کا سب سے بڑا عیب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جب وہ کسی کام پر عزم مصمم کرے یا کوئی کام شروع کردے پھر اس کو پورا کرنے کی قدرت کے باوجود سستی اور کاہلی سے اس کو ادھورا اور ناقص چھوڑ دے، میری نظر میں تو یہ اس کا سب سے بڑا عیب ہے۔

ولَا بُدَّ لطالبِ العلمِ مِنْ سَهرِ اللَّيَالِي كَمَا قال الشاعرُ:

بِقَدْرِ الكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِي ... ومَنْ طَلَبَ العُلَا سَهِرَ اللَّيَالِي

تَرُوْمُ العِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيْلًا ... يَغُوصُ البَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِي

عُلُوُّ الْكَعْبِ بِالهِمَمِ العَوَالِي ... وعِزُّ المَرْءِ فِي سَهَرِ اللَّيَالِي

تَرَكْتُ النَّوْمَ رَبِّي فِي اللَّيَالِي ... لِأَجْلِ رِضَاكَ يَا مَوْلَى المَوَالِي

وَمَنْ رَامَ العُلاَ مِنْ غَيرِ كَدٍّ أضَاعَ العُمْرَ فِي طَلَبِ المَحَالِ
فَوَفِّقْنِي إلىَ تَحْصِيلِ عِلْمٍ وَبَلِّغْنِي إلىَ أقْصىَ المَعَالِي
وقيل: اتّخِذِ اللّيْلَ جَمَلاً تُدْرِكْ بِهِ أملاً.
قال المصنفُ- رحمه الله تعالىٰ-: وقد اتّفقَ لِي نَظْمٌ في هذا المَعْنىٰ:
مَنْ شَاءَ أنْ يَحْتِوِيَ آمالَه جُمَلاً فَلْيَتَّخِذْ لَيلَهُ فِي دَرْكِها جَمَلاً
أقْلِلْ طَعَامَكَ كَيْ تَحْظى بِهِ سَهراً إن شِئْتَ يَاصَاحِبِي أنْ تَبْلُغَ الْكَمَلا
وقيل: مَنْ أسْهَرَ نَفْسَهُ بِاللّيْلِ فَقَدَ فَرَّح قَلْبَهُ بِالنَّهَارِ.

ترجمہ: طالب علم کے لیے راتوں کو جاگنا ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: تم بلند مقام پر اپنی محنت اور کوشش کے مطابق پہنچو گے، اور جو بھی بلندی پر پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ راتوں کو جاگے۔

عزت اور ترقی چاہتے ہو اور تمام رات سو کر گزارتے ہو (یہ معلوم نہیں کہ) اس کو موتیوں کی طلب ہوتی ہے اس کو دریا میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔

عزائم کی بلندی کے بعد ہی انسان بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے، پس راتوں کو جاگنا انسان کی عزت کا باعث بنے گا۔

اے میرے پروردگار! تیری رضاء کی خاطر میں نے راتوں کی نیند چھوڑ دی ہے، اے آقاؤں کے آقا!

اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر تکلیف اور مشقت کے بلندی حاصل ہو جائے تو ایک محال بات ہے جس کی طلب میں وہ اپنی عمر ضائع کر رہا ہے۔

اے اللہ! مجھے تحصیل علم کی توفیق عطاء فرما اور مجھے بلندیوں کی چوٹی پر پہنچا دے۔

اور کہا گیا ہے کہ رات کو اپنی سواری بنالو، اس کے ذریعہ اپنی آرزو پالو گے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسی معنی میں میری ایک نظم ہے:

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ساری امیدیں پوری ہو جائیں اس کو چاہئے کہ ان کے حصول کے لیے اپنی راتوں کو اپنی سواری بنالے۔ کم کھاؤ تاکہ شب بیداری میں کامیابی ہو سکے، اے میرے پیارے! اگر تم کمال کو پہنچنا چاہتے ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ: جس نے اپنے آپ کو راتوں میں بیدار رکھا اس نے دن میں اپنے دل کو راحت بخشی۔

حل لغات: الكَدُّ: مصدر ہے کَدَّ (ن، صحیح مضاعف) کَدّاً: مشقت اٹھانا، تھکنا۔ المَعَالي: مَعْلىً کی جمع ہے بمعنی بلند جگہ۔ سَهر: سَهِرَ (س، صحیح سالم) سَهراً: جاگنا، بیدار رہنا، تَروم: رَامَ الشيَّ (ن، معتل العین اجوف) رَوْماً: ارادہ کرنا۔ يَغُوْصُ: غَاصَ في الماء (ن، معتل العین، اجوف) غَوْصاً: غوطہ زن ہونا۔ اللآلي: لؤلؤ کی جمع ہے بمعنی موتی۔ العَوَالي: عالي کی جمع ہے: بلند فَوَفِّقْنِي: صیغۂ امر ہے وَفَّقَهُ (اصلہ وَفَقَ، معتل الفاء مثال) توفیقاً: مراد تک پہنچنے کے معنی میں ہے، یہاں اضافت الصفت إلی الموصوف ہے أي المعالي الأقصی. جَمَلاً: اس کی جمع جُمَلٌ آتی ہے: بڑا اونٹ مراد مطلقاً سواری ہے۔ "اتخذ الليل جَمَلاً" یہ ضرب الامثال میں سے ہے، اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے جو رات بھر جاگتا ہے اور کام کرتا ہے، گویا کہ وہ رات پر سوار ہو گیا اور سویا نہیں۔ أَمَلاً: امید (ج) آمال آتی ہے۔ يَحْتَوِي: احتوی الشئ وعليه (افتعال، اصلہ حَوَی لفیف مقرون) احتواءً: مشتمل ہونا، قبضہ میں لینا، احاطہ میں لینا، جُمَلاً: جملہ کی جمع ہے جمیعاً کے معنی میں ہے۔ دَرْكُها "الدرك" إدراك کا مصدر ہے، أدرك الشئ (افعال، اصلہ دَرْكٌ) لیکن مجرد میں مستعمل نہیں ہے، صحیح سالم) إدراكاً: پانا، حاصل کرنا۔ أَقْلِلْ: صیغۂ امر ہے۔ أقل الشيَّ (افعال اصلہ قَلَّ، مضاعف) إقلالاً: کم کرنا۔ تَحْظَى: حَظِيَ بِه (س، معتل اللام، ناقص) حظوةً: پانا۔ الكَمَلاَ: بفتح الكاف والميم بمعنی کامل، کہا جاتا ہے: أعطاه المال كَمَلاً: فلاں کو مکمل مال دیا۔ مراد یہاں فضل وکمال ہے۔

تشریح: طالب علم کو اگر اپنی علمی استعداد میں ترقی کرنی ہے تو اس کے لیے راتوں کو جاگنا اور مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے بعد بھی وہ کتابوں کے مطالعہ میں ایسے منہمک رہتے تھے کہا گیا ہے کہ کوئی ان کو سلام کرتا تو بیخبری اور انہماک کی وجہ سے جواب دینے کے بجائے اس کے لیے دعاء کرنے لگتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ساری رات امام محمدؒ کے یہاں رہا آپ کی ساری رات اس طرح گزری کہ کچھ دیر مطالعہ کرتے پھر لیٹ جاتے پھر اٹھ جاتے اور مطالعہ کرنے لگتے، جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی معلوم ہوا کہ ساری رات باوضوء رہے اور جاگتے رہے۔

امام محمدؒ رات کو بہت کم سوتے تھے اکثر حصہ درس وتدریس اور مطالعہ میں گزارتے تھے۔ بعض احباب نے کم خوابی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: کہ سب لوگ تو اطمینان سے سور ہے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو ہم جا کر اس (امام محمد) سے پوچھ لیں گے۔ اب اگر میں بھی سو جاؤں اور دینی کتابوں کا مطالعہ نہ کروں تو اس میں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

شیخ محدث دہلویؒ اپنی طالب علمی کا حال درج کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔ ''در اثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب درمی گذشت والد قدس سرہ مرا فریاد می زدہ بابا چہ می کنی'' یعنی آپ رات میں اتنی دیر تک پڑھتے رہتے کہ والد ماجد کو رحم آجاتا اور فرماتے کہ کب تک جاگو گے۔ اب آرام کرو۔

حضرت خود فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی آواز سن کر فی الحال میں لیٹ جاتا اور جب والد صاحب سو جاتے تو پھر اٹھ کر پڑھنے لگتا۔

شاعر نے جو اشعار کہے ہیں ان میں اسی بات پر زور دیا ہے کہ اگر بلندیوں کے طالب ہو تو پھر راتوں کو جاگو، کیوں کہ جس کی پرواز بلند ہوتی ہے تو وہ اس وقت جاگتا ہے

جب ساری دنیا آرام طلبی میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ آرام سے راتوں کو سوئے اور پھر بڑا عالم بن جائے تو یہ اس کی حماقت اور بے وقوفی ہے۔

اسی طرح کسی بزرگ کا یہ مقولہ بھی بڑا عمدہ ہے کہ جس طرح آدمی اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کر دور دراز کی منازل طے کر لیتا ہے اسی طرح جو شخص رات ہی کو اپنی سواری بنالے یعنی رات بھر جاگے اور پڑھے تو وہ بھی یقیناً بلندیوں اور کمال کے منازل کو طے کرلیگا اور اپنی امیدوں کو بار آور کرلے گا۔

مصنفؒ نے جو اپنا شعر پیش کیا ہے: مَنْ شَاءَ أن يَحْتَوِي الخ اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ علمی خواہشات اور آرزؤں کے لیے شب بیداری امر ناگزیر ہے، پھر شب بیداری پر قدرت رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کھانا کم کھائے تاکہ بدن میں بھاری پن پیدا نہ ہو۔

نیز یہ بھی ایک فطری چیز ہے کہ رات میں جاگ کر کام زیادہ ہوتا ہے برخلاف دن کے، اس لیے کہ دن میں وہ سکون حاصل نہیں ہوتا اور جب رات میں جاگ کر کام زیادہ ہوگا تو یقیناً صبح کو اپنے کام پر ایک قلبی مسرت بھی ہوگی۔

حال یہ ہے کہ اگر کسی طالب علم کی آرزو یہ ہے کہ وہ علمی بلندیوں پر فائز ہو تو اس کو شب بیداری ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسباق کی پابندی بھی لازم ہے۔ مصنفؒ اب اسی پر زور دیں گے:

ولا بُدَّ لِطَالِبِ العِلْمِ مِنَ الْمُوَاظَبَةِ على الدرسِ والتكرارِ في أوَّلِ اللَّيْلِ وآخِرِه، فإنَّ مابَيْنَ الْعِشَائَيْنِ وَوَقْتَ السَّحْرِ وَقْتٌ مُبَارَكٌ.

وقيل:

يَاطَالِبَ العِلْمِ بَاشِرِ الوَرَعَا　　وجَنِّبِ النَّوْمَ واتْرُكِ الشِّبَعَا

دَاوِمْ عَلَىٰ الدرسِ لَا تُفَارِقُه　　فالعِلْمُ بالدَّرْسِ قَامَ وارْتَفَعَا

وَيَغْتَنِمْ أَيَّامَ الحَدَاثَةِ و عُنْفُوَانَ الشَّبَابِ. قيل:

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُعْطَى مَاتَرُوْمُ — فَمَنْ رَامَ الْمُنٰى لَيْلاً يَقُوْمُ

وأَيَّامَ الحَدَاثَةِ فاغْتَنِمْهَا — أَلَا إِنَّ الحَدَاثَةَ لَا تَدُوْمُ

ترجمه: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اول لیل اور آخر لیل میں سبق اور تکرار کی پابندی کرے، کیوں کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت اور رات کے اخیر حصہ کا وقت بڑا مبارک ہے۔ کہا گیا ہے:

اے طالب علم! تقویٰ اور پرہیزگاری کو تم اپنے لیے لازم اور ضروری سمجھو۔ نیند سے کنارہ کشی اختیار کرو، اور شکم سیری چھوڑ دو۔ درس کی پابندی کرو اس میں غیر حاضری نہ کرو، اس لیے کہ علم تو درس ہی سے حاصل ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔

ایام طفولت اور چڑھتی جوانی کے دنوں کو غنیمت جاننا چاہئے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

محنت کی بقدر ہی آپ کو آپ کا مقصد حاصل ہوگا۔ جو شخص آرزوؤں کا ارادہ کرتا ہے وہ رات کو جاگتا ہے، چڑھتی جوانی کو غنیمت سمجھو، سنو! جوانی ہمیشہ نہیں رہتی۔

حل لغات: **باشِر:** صیغۂ امر ہے بَاشَرَ الأمْر (مفاعلت، اصلہ بَشَرَ، صحیح سالم) مباشرةً: کسی کام کو خود کرنا۔ **الوَرَعَا:** تقویٰ اور پرہیزگاری۔ الف اس میں اشباع کا ہے۔ وَرَعَ سے مراد علم فقہ کا حصول اور حرام سے اجتناب ہے **جَنِّبْ:** صیغۂ امر ہے جَنَّبَ الشيَ (تفعیل، اصلہ جَنَبَ، صحیح سالم) تجنیباً: کسی چیز سے دور ہونا، کنارہ کشی اختیار کرنا، **الشِّبَعَا:** مصدر ہے، شَبِعَ (س، صحیح سالم) شبعاً: شکم سیر ہونا۔ **دَاوِمْ:** صیغہ امر ہے، دَاوَمَ علیه (مفاعلت، اصلہ دَامَ معتل العین اجوف) مُدَاوَمَةً: پابندی کرنا۔ **يَغْتَنِمْ:** اغْتَنَمَ الشيَ (افتعال، اصلہ غَنِمَ، صحیح سالم) اغتناماً: موقع کو غنیمت جاننا۔ **الحداثة:** کسی بھی چیز کی ابتداء **عُنْفُوَانُ:** عنفوان الشیٔ ابتداء، آغاز، **عنفوانُ الشباب:** آغاز جوانی، چڑھتی ہوئی جوانی۔

تشریح: طالب علم کو چاہئے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے۔اس سے بے برکتی ہوتی ہے، بسااوقات اس ناقدری کا نتیجہ علم سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے مگر اس طویل مدت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ وہ فجر کی نماز میں امام صاحب کے ساتھ نہ رہے ہوں، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فجر کے بعد ہی درس شروع فرمادیتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو وہ اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے، تا کہ امام ابو حنیفہؒ کے درس کا کوئی حصہ نہ چھوٹ جائے۔

ان اکابر کی زندگی کو سامنے رکھ کر طالب علم کو سوچنا چاہئے، اور اسباق میں کبھی ناغہ نہ کرنا چاہئے، تکرار اور مطالعہ میں اپنا وقت صرف کرنا چاہئے، تا کہ تقویٰ و طہارت سے آراستہ رہتے ہوئے حرام اور مکروہات سے اجتناب کرے، کم سونے کا اور کم کھانے کا اپنے آپ کو عادی بنائے۔اپنے عزائم کو بلند رکھے، اس لیے کہ بلند عزائم ہی سے اونچے مراتب ملا کرتے ہیں، اور اوج کمال کو پہنچنے کا راز بھی راتوں کے جاگنے میں ہی مضمر ہے وہ صرف اور صرف ایک بے حقیقت سراب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

ایام طفولیت کو غنیمت جانے اور اس زمانے میں زیادہ سے زیادہ حصول علم میں کوشش و محنت کرے، کیوں کہ یہ چڑھتی ہوئی جوانی ہی حصول علم اور محنت کا اصل وقت ہے، اور یہ زمانہ بار بار نہیں آتا، جو حضرات اپنے بچپن کو یوں ہی گنواں دیتے ہیں وہ حضرات پوری زندگی بھر کف افسوس ملتے ہیں۔

ولا يُجْهِدُ نَفْسَهُ جُهْداً يُضْعِفُ النفسَ حتى يَنْقَطِعَ عَنِ العَمَلِ، بَلْ يستعمل الرِّفْقَ فِي ذلك، والرِّفْقُ أَصْلٌ عظيمٌ في جميعِ الأشياءِ، قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " ألاَ إِنَّ هذا الدِّينَ مَتِينٌ فأَوْغِلُوا فِيه بِرِفقٍ، ولاَ تُبغِضْ عَلىٰ نَفْسِكَ

عبادةَ اللّٰه تعالیٰ: فإنَّ المُنبَتَّ لا أرضاً قَطَعَ ولا ظهراً أبقى".

وقال رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: " نَفسُكَ مطِيَّتُك فارْفُقْ بِهَا."

ترجمہ: اور اپنے نفس کو ایسا بامشقت نہ بنائے جو نفس کو کمزور کردے، یہاں تک کہ وہ کام سے بھی رک جائے بل کہ اس سلسلے میں نرمی کو اختیار کرے، اور نرمی ہی تمام اشیاء کی اصل عظیم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: سنو! یہ دین مضبوط اور محکم دین ہے، اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہو، اپنے اوپر اللہ کی عبادت کو بوجھل نہ بناؤ، کیوں کہ کمزور پیٹھ والا نہ تو مسافت زمین طے کر پاتا ہے اور نہ ہی (پیٹھ) سواری باقی رکھ پاتا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمہارا نفس تمہاری سواری ہے اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔

حل لغات: يُجْهِدُ: أَجْهَدَ النفس (افعال اصلہ جَهَدَ، صحیح سالم) إجهاداً: اپنے آپ کو تھکانا، محنت میں ڈالنا۔ الرِّفْقُ: مصدر ہے۔ رَفَقَ (ن، صحیح سالم) رِفقاً: نرم ہونا۔ فأوغلوا: صیغۂ امر ہے أَوْغَلَ في العلم والدين (افعال، اصلہ وَغَلَ معتل الفاء، مثال) إيغالاً: داخل ہونا۔ تُبْغِضُ: أَبْغَضَهُ على أحدٍ (افعال، اصلہ بَغَضَ، صحیح سالم) إبغاضًا: بوجھل بنادینا۔ المنبت: اسم فاعل ہے۔ أَنْبَتَ (انفعال، اصلہ بَتَّ مضاعف) انباتاً: کٹ جانا، اور کمر کی طاقت کمزور ہوجانا۔ مطيتك: المطية بمعنی اونٹنی، سواری۔ (ج) مطايا.

تشریح: سابقہ عبارت میں مصنفؒ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ طالب علم کو خوب محنت کرنی چاہئے اور راتوں کو جاگنا چاہئے، اب اس طرف متوجہ فرمارہے ہیں کہ اتنی بھی محنت نہ کرے جس سے جسم لاغر اور کمزور ہوجائے اور کسی کام کا باقی نہ رہے۔ اس لیے میانہ روی کا معاملہ رکھے، اپنے بدن کے ساتھ کسی قسم کا ظلم ہرگز نہ کرے، اپنی صحت کا ہر وقت خیال رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دین اسلام تو ایک مضبوط دین ہے اس میں انتہائی نرمی سے داخل ہوؤ، ورنہ تھک جاؤ گے، ایسا نہ ہو کہ اپنے آپ پر اتنی سختی کرو کہ ہر وقت عبادت میں ہی مشغول رہو اور جلد ہی تمہارا جسم کمزور ہو جائے اور عبادت کے لائق نہ رہے یہاں تک کہ اب عبادت کو اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگو۔

حدیث شریف میں جو فرمایا گیا ہے: "إنّ الْمُنبتّ لا أرضاً قَطَعَ ولا ظهراً أَبْقَى" یہ محاورہ ہے جو عربوں کے یہاں اس شخص کے بارے میں بولا جاتا ہے جو کسی چیز کے حصول میں مبالغہ کرتا ہے۔ حتی کہ وہ اپنے آپ کو تھکا لیتا ہے اور تھکا ہوا انسان کسی منزل تک نہیں پہنچ پاتا اور اس کی سواری بھی اس لائق نہیں رہتی کہ وہ کام کی متحمل ہو سکے۔ اس لیے انسان کو چاہئے کہ میانہ روی کے ساتھ عبادت کرے۔

یہی مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بھی ہے کہ تمہارا نفس تمہاری سواری ہے، جس طرح سواری کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے، تاکہ آدمی منزل مقصود تک بآسانی پہنچ جائے اسی طرح نفس کو مشقت میں نہ ڈالنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ نرم معاملہ کرے تاکہ وہ نہ تھکے اور زیادہ دنوں تک کام کرتا رہے۔

وَلَا بُدَّ لطالِبِ العِلْمِ مِنَ الهِمَّةِ العَالِيَةِ في العِلْمِ؛ فإنَّ المَرْأَ يَطِيْرُ بِهِمَّتِهِ كَالطَّيْرِ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ.

قال أبو الطيب:

عَلىٰ قَدْرِ أَهْلِ العَزْمِ تَأتِي العَزَائِمُ	وَتَأتِي عَلىٰ قَدْرِ الكِرَامِ الْمَكَارِمُ
وَتَعْظُمُ فِي عَيْنِ الصَّغِيْرِ صِغَارُهَا	وتَصْغُرُ في عَيْنِ العَظِيْمِ العَظَائِمُ

وزِيْدَ في نُسْخَةٍ:

اِحْرِصْ عَلىٰ كُلِّ عِلْمٍ تَبْلُغُ الْكَمَلاَ	لاَ تَقِفْ عِنْدَعِلْمٍ واحِدٍ كسلاً
فَالنَّحْلُ نَاحِلُ مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ	اِيَّاكَ بِالْحَقِّ هذا الشَّمْعَ والعسَلاَ

الشَّمْعُ فِيه ضِيَاءٌ في ضِيَاء تِهٖ	وَالشَّهْدُ فيه شِفَاءٌ يَشْفِي العِلَلاَ
يا طالبَ العِلْمِ أنتَ فَارِسٌ	وغَيرُكَ راجِلٌ، وعِلْمُكَ حَارِسٌ
يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْم القِيامة عُرْيَاناً	وأنتَ بِنُوْرِ العِلْمِ لابِسٌ
ويُوْ ضَعُ لِكُلِّ شيْءٍ مِنبَرٌ	والعالِمُ تَحتَ العَرْشِ جَالِسٌ
يا طالبَ العِلْمِ الْزِمْ الوَرَعا	واهْجُرِ النوَم وتْرُكِ الشَّبَعَا
يَا طَالِبِ العِلْمِ فَاجْهَدْ بِاللَّيْلِ والنَّهارِ	فإنَّ تحصيلَ العِلْمِ بالجَهْدِ والتكرارِ
وإنَّ لِكُلِّ شَيٍ آفَةٌ	وَآفَةُ العِلْمِ تَرْكُ الجَهْدِ والتكرارِ

ترجمہ: حصول علم میں طالب علم کے لیے بلند ہمتی ضروری ہے؛ کیوں کہ انسان اپنی ہمت ہی کے ذریعہ اس پرندے کی طرح پرواز کرتا ہے جو اپنے پروں سے اڑتا ہے۔

ابوالطیب متنبی کا کہنا ہے:

مقاصد کا حصول تو عزائم کرنے والوں کے مرتبہ کے اعتبار سے ہے، اور فیاضی و سخاوت بھی کرم وسخاوت کرنے والوں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

پست ہمت انسان کی نگاہ میں معمولی سخاوت بھی بڑی دکھائی دیتی ہے، اور بلند ہمت لوگوں کی نگاہ میں بڑی چیزیں بھی چھوٹی اور معمولی دکھائی دیتی ہیں۔

بعض نسخوں میں یہ بھی ہے:

ہر علم کے حریص ہو جاؤ باکمال ہو جاؤ گے، سستی کی وجہ سے کسی ایک علم پر اکتفانہ کرو۔

شہد کی مکھی ہر طرح کے پھلوں سے یہ موم اور شہد چوستی ہے، لہٰذا حق کو لازم پکڑے رہو۔

چراغ کے جلنے سے اس میں روشنی ہوتی ہے، اور شہد میں ایسی شفا ہے جو بیماروں کو شفا دیتی ہے

اے طالب علم! تم شہسوار ہو، تمہارے علاوہ لوگ پیادہ پا ہیں اور تمہارا علم نگہبان۔

لوگ قیامت کے دن ننگے جمع کیے جائیں گے، اور تم علم کے نور میں ملبوس ہوگے۔

ہر چیز کے لیے ایک منبر رکھا جائے گا، اور صاحب علم عرش کے نیچے بیٹھا ہوگا۔
اے طالب علم! تقویٰ اور طہارت کو لازم پکڑو، خواب غفلت اور شکم سیری کو چھوڑ دو۔
اے طالب علم شب و روز محنت کرو، کیوں کہ حصول علم محنت اور تکرار سے ہوتا ہے۔
اور ہر چیز کے لیے ایک آفت ہے، علم کی آفت محنت اور تکرار کو چھوڑ دینا ہے۔

حل لغات و ترکیب: العزائم: عزیمة کی جمع ہے بمعنی مضبوط اور پختہ ارادہ، مقاصد۔ المکارم: مَکْرُمَةٌ کی جمع ہے یعنی قابل قدر کام، کارنامہ، سخاوت، تَعظُم: عَظُمَ الشيُ (ك، صحیح سالم) عَظْماً وَعَظَامةً: بڑا ہونا۔ العظائم: عظیمة کی جمع ہے: اہم، زبردست، پرشوکت۔ ناخِلٌ: اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ نَخَلَ الشيَ (ن، صحیح سالم) نَخلاً: چھاننا، صاف کرنا اور بعض نسخوں میں یہ لفظ "دِاحِقٌ" ہے جس کے معنی چوسنے کے ہیں، ایک صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شہد کی مکھی تمام قسم کے پھلوں کا عرق صاف کرتی ہے، اور ایک صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ وہ تمام پھلوں سے عرق ریزی کرتی ہے۔ هذا الشمع و العَسَلا: یہ ناخل کا اسم مفعول ہے۔ حَارِسٌ: محافظ، نگہبان (ج) حُرَاسٌ، عریاناً: اسم فاعل ہے، عَرِيَ (س، معتل اللام، ناقص) عرياً: ننگا ہونا۔ اهجر: صیغۂ امر ہے هَجَرَ (ن، صحیح سالم) هجراً: چھوڑنا، اعراض کرنا۔

تشریح: اس عبارت کے تحت مصنفؒ طالب علم کو حصول علم کے سلسلے میں بلند ہمتی کی تاکید فرما رہے ہیں۔ جب کوئی بھی انسان بلند ہمت ہوتا ہے تو اس کی پرواز بھی بلند ہوتی ہے، متنبی کے اشعار میں بلند ہمتی کی ہی تاکید ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ عزائم و ارادے جتنے بلند ہوں گے اتنے ہی بلند مقاصد حاصل ہوں گے، اور شریف النفس کی شرافت و سخاوت کے اعتبار سے جود و سخا کا مظاہرہ ہوتا ہے، کم ہمت لوگ معمولی کام کو بھی بڑا کارنامہ تصور کرتے ہیں، جب کہ بلند عزائم رکھنے والے بڑے بڑے کارناموں کو بھی چھوٹا اور معمولی کارنامہ سمجھتے ہیں۔ اور مزید بڑے بڑے کارناموں کے حصول کے درپے رہتے ہیں۔ یہ

سب کچھ بلند ہمتی کی وجہ سے ہے، اس لیے طالب علم کو بلند ہمت رہنا چاہئے۔

اگلی سطور میں جن اشعار کو نقل کیا گیا ہے یہ اشعار قدیم نسخوں میں تو نہیں ہیں، اسی طرح شیخ ابن اسمٰعیل کی عربی شرح پر جو متن ہے اس میں بھی نہیں ہیں، البتہ بیروت سے چھپے ہوئے ایک نسخے سے ان اشعار کو لیا گیا ہے۔

ان اشعار میں جہاں بلند ہمتی کی طرف اشارہ ہے وہیں پر جدوجہد کرنے کی طرف بھی توجہ مرکوز کرائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر طالب علم باکمال وباصلاحیت بننا چاہتا ہے تو اس کو علم کا حریص اور لالچی ہونا پڑے گا، اپنے آپ کو شہد کی مکھی کی طرح مشقت کا عادی بنانا ہوگا کہ جس طرح وہ میلوں کا سفر طے کرتی ہے اور ہر طرح کے پھلوں سے عرق کشید کرتی ہے اور پھر بہترین نفع بخش شہد تیار کرتی ہے بالکل اسی طرح طالب علم بھی ایک علم پر اکتفا نہ کرے بلکہ ہر طرح کے علم کو اپنا مطمح نظر بنائے اور دور دراز کی مسافتوں کو طے کر کے محنت وجانفشانی کے ساتھ علم حاصل کر کے امت مسلمہ کے بیماروں میں علمی روح بیدار کرے شہد کی طرح ان کے لیے نافع ثابت ہو، اور جس طرح موم چراغ میں اپنے آپ کو فنا کر لیتا ہے پھر روشنی دیتا ہے اسی طرح طالب علم بھی اپنے کو فنا کرے اور دوسروں کو علم کی روشنی عطا کرے۔

اور طالب علم کی حیثیت تو ایک شہسوار کی سی ہے، جو اپنے علم کی روشنی میں پیدل چلنے والے عوام سے آگے نکل جاتا ہے، اور راستہ میں اس کو کوئی ٹھوکر بھی نہیں لگتی، یہ راستہ سے بھٹکتا بھی نہیں؛ کیوں کہ اس کا علم اس کی حفاظت کرتا ہے، یہ فائدہ تو اس دنیا میں حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں اس طالب علم کا اعزاز یہ ہے کہ جب تمام لوگوں کو ننگے بدن جمع کیا جائے گا تو اس کو علم کا لباس زیب تن کرنے کے لیے دے دیا جائے گا، اور ہر ایک بندۂ مؤمن کے لیے تو منبر رکھے جائیں گے جس پر وہ جلوہ افروز ہوں گے لیکن طالب علم کا اعزاز یہ ہوگا کہ اس کو عرش کے سایہ میں جگہ عطا کی جائے گی۔

جب صورت حال ایسی ہے تو اب طالب علم کو چاہئے کہ اپنی زندگی بھی طالب علمانہ ہی گزارے، تقویٰ وطہارت، ترک شکم سیری وشب بیداری اور شب وروز محنت وتکرار کو اپنا شیوہ بنالے، کسی بھی حال میں ان چیزوں کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔ اس لیے کہ اگر محنت وکوشش میں کمی آ گئی تو گویا علم کی آفت اور مصیبت آ گئی۔

نوٹ: عَلیٰ قَدْرِ أهل العزم الخ سے لے کر "ترك الجهد والتكرار" تک سب اشعار ہیں، طباعت کی کمی کی وجہ سے کتابوں میں اشعار کی طرح لکھے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ نثر کے انداز میں لکھے ہوئے ہیں۔

وَالرَّأسُ في تَحْصِيلِ الأشياءِ: الجدُّ والهِمَّةُ العَالِيةُ، فَمَنْ كَانَتْ هِمَّتُه حِفْظَ جَمِيْعِ كُتُبِ محمد بنِ الحسن – رحمه الله تعالىٰ– واقْتَرَنَ بذلك الجدُّ والمواظبةُ؛ فالظاهرُ انه يَحْفَظُ أكْثَرَهَا او نِصْفَهَا، فأمَّا إذَا كَانَتْ لَهُ هِمَّةٌ عَالِيَةٌ ولَمْ يَكُنْ له جِدٌّ او كان له جِدٌّ ولم يَكُنْ لَهُ هِمَّةٌ عَالِيَةٌ فلا يَحْصُل لَه العِلْمُ إلاّ قَلِيْلاً.

وذكر الشيخُ الإمامُ الأجَلُّ الأسْتَاذُ رضي الدين النيسابوري – رحمه الله– في كتاب "مكارِمِ الأخلاق": أنَّ ذَا القَرْنَيْنِ لَمَّاأرَادَ أنْ يُسَافِرَ لِيَسْتَوْلِيَ على المَشْرِقِ والمَغرِبِ شَاوَرَ الحُكَمَاءَ في ذلك وقال: كَيْفَ أسَافِرُ لِهٰذا القَدْرِ مِن المُلْكِ؟ فإنَّ الدنيا قليلةٌ فَانيةٌ، ومُلْكُ الدُّنيَا أمْرٌ حَقِيرٌ فليس هذا من عُلُوِّ الهِمَّةِ، فقال الحُكَمَاءُ: سَافِرْ لِيَحْصُلَ لَكَ مُلْكُ الدنيا والآخرة. فقال: هذا حَسَنٌ.

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله تَعالىٰ يُحِبُّ مَعَالِي الأمُوْرِ ويَكْرَهُ سَفْسَافَهَا"

حل لغات: الراس: اصل، بنیاد، (ج) رؤوس۔ اقترن: اقترن الشیٔ

بغیرہ (افتعال، اصلہ قَرَنَ، صحیح سالم) اقتراناً: ملنا، ساتھ ہونا۔ یستولي: استولی علیہ (استفعال، اصلہ ولی معتل لفیف مفروق) استیلاءً: غلبہ پانا۔ سفسافہا: السفساف بمعنی حقیر اور گھٹیا کام، (ج) سفاسف آتی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں بھی بلند ہمتی اپنانے پر زور دیا گیا ہے، کہ طالب علم کو چاہئے کہ محنت کے ساتھ ساتھ بلندیٔ ہمت کو اختیار کرے، بلند ہمتی کے سلسلے میں استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی دامت برکاتہم ''استاذ عربی ادب دار العلوم دیوبند'' فرمایا کرتے ہیں کہ اگر تمہارا حوصلہ اور ہمت یہ ہے کہ تم حضرت تھانویؒ جیسے بن جاؤ تو یقیناً تم ان سے کم درجہ کے تو بن ہی جاؤ گے، اگر ان جیسے نہ بنے تو ان کے مریدین اور تلامذہ جیسے ضرور بن جاؤ گے۔ اسی کو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر طالب علم یہ ہمت کرلے کہ امام محمدؒ کی تمام تصانیف کو یاد کرے گا اور پھر محنت بھی کرنے لگے تو بلاشبہ ان کی سب کتابوں کو نہیں تو اکثر یا کم از کم آدھی کتابوں کو تو یاد ہی کرلے گا۔ لہٰذا طالب علم کے لیے بلند ہمتی اور محنت دونوں امر لازم اور ضروری ہیں۔

ذوالقرنین بادشاہ کی بلند ہمتی ہم سب کے لیے نمونہ ہے۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے بڑے کارناموں کی انجام دہی کو پسند کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ بڑے کارنامے بلند ہمتی کے بغیر ہرگز حاصل نہ ہوں گے۔ اور چھوٹے کام، گھٹیا امور، نازیبا حرکات کو خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

وقیل:

فَلَا تَعْجَلْ بِأَمْرِكَ وَاسْتَدِمْهُ   فَمَا صَلَّى عَصَاكَ كَمُسْتَدِيمِ

قیل: قال أبو حنیفة - رحمه الله- لأبي یوسف: كُنْتَ بَلِيْداً فَأَخْرَجَتْكَ الْمُوَاظَبَةُ وإِيَّاكَ والْكَسَلَ؛ فإنّه شُؤْمٌ وآفَةٌ عَظِيْمَةٌ.

قال الشيخُ الإمامُ أبو نَصْرٍ الصَفّارُ الأنْصَارِي:

يا نَفْسِ يا نَفْسِ لا تُرْخِي عَن الْعَمَلِ
في البِرِّ والعَدْلِ والإحْسَانِ في مَهَلِ
فَكُلُّ ذِي عَمَلٍ في الخَيْرِ مُغْتَبِطٌ
وفي بَلاءٍ وشُؤْم كُلُّ ذي كَسَلِ

قال المصنفُ – رحمه اللّٰه تعالىٰ – وقد اتفق لي في هذا المعنى:

دعي نَفْسِي التكاسُلَ والتَّوانِيَ
وإلّا فاثْبُتِي فِي ذِي الْهَوَانِ
فَلَمْ أَرَلِلْكُسَالىٰ الحَظَّ لِيُعْطِي
سِوَى نَدَمٍ وحِرْمَانِ الأَمَانِي

وقيل:

كَمْ مِن حَيَاءٍ وكَمْ عَجْزٍ وكَمْ نَدَمٍ
جَمٌّ تَوَلَّدَ لِلإنْسَانِ مِن كَسَلٍ
إيَّاكَ عَنْ كَسَلٍ في البَحْثِ عَنْ شُبَهٍ
ماقَدْ عَلِمْتَ وما قَدْ شَكَّ مِنْ كَسَلٍ

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ اپنے کام میں جلد بازی مت کرو بلکہ پابندی اختیار کرو، اس لیے کہ کسی نے بھی پابند شخص کی طرح تمہاری لاٹھی کو سیدھا نہیں کیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا کہ تم کند ذہن تھے، پابندیٔ درس نے تم کو کند ذہنی سے نکال دیا، (لہٰذا مواظبت کو لازم پکڑے رہو اور سستی سے احتراز کرے رہو۔ کیوں کہ یہ تو نحوست اور بڑی مصیبت ہے۔

شیخ ابونصر صفار انصاریؒ فرماتے ہیں: اے نفس اے نفس! میانہ روی کی حالت میں نیکی، عدل و انصاف اور احسان کرنے میں سستی نہ کر، ہر اچھے کام کرنے والا قابل رشک ہوتا ہے، اور ہر سستی کرنے والا مصیبت اور نحوست میں ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ میرے یہ اشعار بھی اسی معنی میں ہیں: اے نفس یا تو کاہلی اور سستی چھوڑ ورنہ ذلت والوں کے ساتھ رہ۔ میں نے لاپرواہوں کی قسمت جاگتی ہوئی نہیں دیکھی سوائے پشیمانی اور آرزوں کے حرماں نصیبی کے۔

کہا گیا کہ کتنی زیادہ شرمندگی اور عجز و ندامت انسان میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

ان شبہات کی تفتیش کرنے میں سستی سے بچو جن کو تم جانتے ہو اور جن میں تمہیں سستی کی وجہ سے شک ہے۔

حل لغات: استدمه: صیغۂ امر ہے، اسْتِدَامَ الشيَّ (استفعال، اصلہ دَامَ، معتل العین اجوف) استدامةً: ہمیشگی طلب کرنا، کسی کام کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر کرنا۔ صَلَّى: صَلَّى العَصَا بالنار (تفعیل، اصلہ صَلیَ، معتل اللام ناقص) تَصْلِيَةً: لاٹھی کو آگ پر تپانا تاکہ وہ گرم ہو کر نرم ہو جائے، اور اسے موڑا جا سکے۔ بليداً: کند ذہن، بَلِدَ (س، كَ صحیح سالم) بَلَداً وبَلَادَةً: کم عقل والا ہونا، کم ذہن والا ہونا۔ تُرْخِي: أَرخىٰ الشيَّ (افعال، اصلہ رخا، معتل اللام ناقص) إرخاءً: نرم کرنا۔ اور جب صلہ عَنْ آئے تو بمعنی چھوڑنا۔ مَهَل: بفتح الميم و الهاء: سکون واطمینان، نرمی اور آہستگی۔ مُغْتَبَطٌ: بصیغہ اسم مفعول بمعنی قابل رشک، نفسي: منادی ہے، وزن شعر کی وجہ سے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ التَّوَانِي: تَوَانَى (تفاعل اصلہ وَنَى معتل لفیف مفرُوق) توانیاً: کام میں سستی برتنا، اسے ٹھیک طور پر انجام نہ دینا۔ ذِي الهَوَانِ: بعض نسخوں میں ذا الهَوَانِ ہے، یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جو تینوں حالتوں میں اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب

الف کے ساتھ دیتے ہیں، هَوَان کے معنی ہیں ذلت اور رسوائی. الأماني: أمنِيَّةٌ کی جمع ہے بمعنی آرزو، امید۔ جَمّ: کثرت، (ج) جِمام اور جموم آتی ہے۔ شُبَه: بضم الشين وبفتح الباء شَبْهَةٌ کی جمع ہے بمعنی شک، التباس، شرعاً شبہ اس کو کہتے ہیں جس کی حرمت وحلت اور حق وباطل ہونا معلوم نہ ہو۔

تشریح: فلا تعجل الخ: اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی لاٹھی (لوہے کی چھڑی) ٹیڑھی ہو تو اس کو سیدھا کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو آگ میں خوب گرم کیا جائے اور ایک ضرب سے اس کو سیدھا کر دیا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے بار بار آگ میں رکھا اور تھوڑا گرم کر کے ضرب لگائی پھر تھوڑی دیر آگ پر تپایا اور ضرب لگا کر سیدھا کیا۔ ان دونوں طریقوں میں سے دوسرا طریقہ زیادہ اچھا ہے، اس سے لاٹھی اچھی طرح سیدھی ہو جائے گی اور ٹوٹے گی بھی نہیں۔ برخلاف پہلے طریقہ کے کہ اس میں لاٹھی کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔

اب شاعر یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ کسی کام میں عجلت اور جلدی نہ کرو بلکہ آہستہ آہستہ اس کام کو انجام دو، اسی میں پائے داری ہے، جلدی میں کیا ہوا کام پائے دار نہ ہوگا۔ جیسا کہ بیک دفعہ گرم کر کے جلدی میں سیدھی کی گئی لاٹھی اس لاٹھی کی طرح نہیں ہو سکتی جس کو آہستہ آہستہ بار بار کی ضربوں سے سیدھا کیا ہو، لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ حصول علم میں مواظبت اور پابندی کے ساتھ لگا رہے، تھوڑا تھوڑا پابندی سے پڑھا ہو جلدی میں بہت سے پڑھے ہوئے سے بہتر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ کو یہی نصیحت فرما رہے ہیں کہ تم اتنے ذہین نہ تھے لیکن تمہاری مواظبت اور پابندی نے تم کو ذہین بنا دیا، اس لیے اب بھی سستی اور کاہلی سے دور رہنا اس کے قریب بھی نہ جانا، کیوں کہ یہ تو ایک مصیبت ہے۔

اسی طرح ابونصر الصفارؒ نے اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے نفس میانہ

روی کے ساتھ ساتھ نیکی، عدل وانصاف اور حسن سلوک جیسے اعمال میں سستی مت کرنا اور اے نفس! یادرکھ کہ ہر وہ شخص جو بھلائی کو اختیار کرتا ہے وہی قابل رشک ہوتا ہے اور جو سستی کو اختیار کرے وہ تو پریشانیوں اور نحوست ہی کا شکار ہے۔

ایسے ہی ہمارے مصنف علام نے اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ میرے نفس! یا تو سستی اور کاہلی کو چھوڑ دے ورنہ ذلت ورسوائی کے لیے تیار ہو جا۔ اور یادرکھ کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سست لوگوں کے نصیبہ میں ذلت، شرمندگی اور حرمان نصیبی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

کاہلی ایک ایسی بلاء ہے جو بہت سی شرمندگیوں کا باعث بن جاتی ہے، اگر کسی مسئلہ میں تم کو شکوک وشبہات ہیں، تو ان کے ازالہ کے لیے سستی مت کرو بلکہ اپنے بڑوں کی طرف رجوع کرکے ان شکوک کی تحقیق کرلو، خواہ یہ شکوک تمہاری کم علمی یا سستی کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہوں، لیکن ان کے ازالہ میں سستی نہ کرو ورنہ ان میں اضافہ ہوتا رہے گا جس کا بڑا نقصان ہوگا۔

وقد قيل: يَحْصُلُ الكَسَلُ مِنْ قِلَّةِ التأمُّلِ في مَنَاقِبِ العِلْمِ وفَضَائِلِه، فَيَنْبَغي لِلْمُتَعَلِّمِ أنْ يُتْعِبَ نَفْسَه عَلىَ التَّحْصِيلِ والجِدِّ والمواظبةِ بالتأمُّلِ في فضائلِ العِلَمِ، فانَّ العِلْمَ يَبْقىَ، والمالَ يَفْنىٰ، كما قَالَ أميرُ المؤمنين عَلِيُّ بنُ أبي طالب رضي الله عنه:

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الجَبَّارِ فِيْنَا لَنَا عِلْمٌ ولِلأعْداءِ مَالُ
فإنَّ المَالَ يَفْنىٰ عَنْ قَرِيبٍ وإنَّ العِلْمَ يَبْقىٰ لايَزَالُ

والعِلمُ النافِعُ يَحْصُلُ بِه حُسْنُ الذِّكْرِ ويَبْقىٰ ذلك بَعْدَ وَفاتِه، فَإنَّه حَياةٌ بَاقِيةٌ أبَدِيَّةٌ.

أنشدني الشيخُ الإمامُ الأجلُّ ظهير الدين مُفتِي الأئمةِ الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ المعروفُ بِالمَرْغِينَانِي رحمه الله تعلى:

الجَاهِلُوْنَ فَمَوْتىٰ قَبْلَ مَوْتِهِم　　والعَالِمُوْنَ وإنْ مَاتُوا فأحياء.

وأنشدنا شيخُ الإِ سلام برهان الدين:

وفِي الجُهْلِ قَبْلَ المَوْتِ مَوْتٌ لأهْلِه　　فَأَجْسَامُهم قَبْلَ القُبُوْرِ قُبُوْرُ

وإن امْرءً لَمْ يَحْيَى بالعِلْمِ مَيِّتٌ　　فَلَيْسَ لَهُ حِينَ النُّشُوْرِ نُشُوْرُ

وقيل:

أَخُو العِلْمِ حَيٌّ خَالِدٌ بَعْدَ مَوْتِه　　وأَوْصَالُه تَحْتَ التُّرابِ رَمِيْمُ

وذُوالجَهْلِ مَيِّتٌ وهُوَ يَمْشِي عَلَى الثَّرىٰ　　يُظَنُّ مِنَ الأحْيَاءِ وهُوَ عَدِيْمُ

وقيل:

حَيَاةُ القَلْبِ عِلْمٌ فَاغْتَنِمْهُ　　ومَوْتُ القَلْبِ جَهْلٌ فَاجْتَنِبْهُ

وقيل:

العِلْمُ تاجٌ لِلْفَتىٰ　　والعَقْلُ طَوْقٌ مِنْ ذَهَبْ

والعِلْمُ نُوْرٌ يَلْتَظِي　　والجَهْلُ نَارٌ تَلْتَهِبْ

ترجمه: اور کہا گیا ہے کہ سستی علم کے فضائل ومناقب میں کم غور وفکر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔لہذا طالب علم کے لیے مناسب ہے کہ فضائل علم میں غور وفکر کر کے تحصیل علم، محنت اور پابندی پر اپنے آپ کو آمادہ کرے، کیوں کہ علم ہی باقی رہتا ہے، مال تو ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا:

ہم تو اپنے بارے میں اللہ تعالی کی تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمارے لیے علم ہے اور دشمنوں کے لیے مال و دولت، بیشک مال تو عنقریب ختم ہو جائیگا اور علم ہمیشہ باقی رہیگا۔

اور علم نافع سے ذکر خیر حاصل ہوتا ہے، اور یہ ذکر خیر صاحب علم کی وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس لیے کہ حسن ذکر ہی ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے۔

عالی مرتبت شیخ امام ظہیر الدین حسن بن علیؒ جو مرغینانی کے نام سے مشہور ہیں نے یہ شعر سنایا:

جاہل تو اپنی موت سے پہلے ہی مردہ ہیں، اور اہل علم اگرچہ وفات پا جائیں تب بھی زندہ ہیں۔

اور شیخ الاسلام برہان الدینؒ نے ہمیں یہ اشعار سنائے:

جہالت میں جاہلوں کی موت، ان کی موت سے پہلے ہی ہے، ان کے جسم قبر میں جانے سے پہلے ہی قبر ہیں، بلاشبہ جو شخص علم کے ساتھ زندہ نہ رہا وہ مردہ ہے، اٹھتے وقت ان کی کوئی زندگی نہ ہوگی۔

کہا گیا ہے کہ: اہل علم اپنی وفات کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، حالانکہ ان کی ہڈیاں مٹی کے نیچے بوسیدہ ہو جاتی ہیں، جاہل مردہ ہے اگرچہ وہ زمین پر چلتا ہے، اس کا شمار زندوں میں ہوتا ہے حالاں کہ وہ مردہ ہے۔

اور کہا گیا ہے: دل کی زندگی علم ہے لہذا اس کو غنیمت سمجھو، اور جہالت دل کی مردگی ہے اس لیے اس سے اجتناب کرو۔

اور کہا گیا ہے: علم نوجوان کا تاج ہے اور عقل سونے کا ہار ہے، علم ایسی روشنی ہے جو پھیلتی ہے اور جہالت ایک آگ ہے جو بھڑکتی ہے۔

حل لغات: **يُتعِبُ**: **أتعَبَهُ** (افعال، اصلہ تَعِبَ، صحیح سالم) إتعاباً: تھکانا، بوجھ ڈالنا، آمادہ کرنا، **الأعداء**: عَدُوّ کی جمع ہے بمعنی دشمن۔ **يفنى**: فَنِيَ الشيُّ (س، معتل اللام، ناقص) فَنَاءً: ختم ہونا، فنا ہونا، **نُشُورٌ**: بعث بعد الموت، "یوم النشور" قیامت کا دن **أوصال**: وصلٌ کی جمع ہے بمعنی ہڈیوں کے جوڑ، **رَمِيمٌ**: ہڈی کا بوسیدہ

ہونا رَمَّ العظمُ (ض، مضاعف) رمیماً : ہڈی کا پرانا اور بوسیدہ ہونا، الثری: نرم مٹی ،زمین ،عدیم: عَدِمَ الشیُٔ (س، صحیح سالم) عَدَماً: معدوم ہونا، ختم ہونا، یلتظي: التظت النارُ (افتعال اصلہ لَظِيَ معتل اللام ناقص) التظاءً : آگ کا بھڑکنا تلتھب: التھبت النارُ: (افتعال، اصلہ لَھِبَ، صحیح مضاعف) التھاباً :آگ کا بھڑکنا۔

تشریح: جب کسی کو کسی چیز کی خوبی اور بھلائی کا علم ہوتا ہے، نیز اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ مجھے اس کام کے کرنے میں نفع حاصل ہوگا تو وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی تکلیف اور پریشانی کو برداشت کرے گا اور پابندی سے اس کام کو کرے گا، لہٰذا طالب علم کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ علم کے فضائل، خوبیوں اور منافع کے بارے میں غور وفکر کرتا رہے تا کہ محنت اور مواظبت میں کوئی کمی نہ آئے، حضرت علیؓ کا شعر تمام طالبان علوم نبوت کے لیے ایک بڑا نمونہ ہے کہ طالب علم کو تو علم کی دوڑ دھوپ میں لگے رہنا چاہئے، مال ودولت کے چکر میں بالکل نہ پڑے، اس لیے کہ علم ہی باقی رہنے والی چیز ہے جو اس کے لیے آخرت میں نفع بخش ہوگی، مال ومتاع تو چندروز میں فنا ہو جانے والا ہے۔

پھر علم بھی دو قسم پر ہے ایک علم نافع اور دوسرے غیر نافع، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کی دعاء کرنے کی تعلیم دی ہے، علم نافع کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ صاحب علم کے مرنے کے بعد بھی اس کا ذکر خیر ہوتا ہے، مرنے کے بعد لوگ اس کے علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کا حُسن ذکر کرتے رہتے ہیں، اور مرنے کے بعد جس کا ذکر خیر ہوتا رہے گویا اس کو حیات ابدی حاصل ہوگئی۔

اس کے برخلاف جو لوگ جاہل ہوتے ہیں وہ مرنے سے پہلے ہی مردہ ہیں، کہ جس طرح جمادات سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا ایسے ہی ان سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ نیز عدم معرفت میں یہ مردوں کی طرح ہیں، اور علماء مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں اس لیے کہ دنیا میں ان کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے، آپ اندازہ لگایئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ پر روزانہ

پوری دنیا میں کتنی مرتبہ دعاء رحمت بھیجی جاتی ہے، آپ کا اسم گرامی ایک زندہ آدمی سے کہیں زیادہ روشن ہے، اسی کا نام حیات ابدی ہے، لہٰذا اگر حیات ابدی کے خواہش مند ہو تو امام ابو حنیفہؒ کی طرح شب و روز محنت کرو، جب قیامت کا دن ہوگا اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو جہلاء علماء کے ساتھ نہ اٹھیں گے "فلیس له حين النشور نشور" کا یہی مطلب ہے۔

علم کی بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس کی روشنی سے دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے، اور جہالت کی آگ تو سوائے نقصان کے کچھ اور نہیں کرتی، خود انسان بھی جاہلوں سے ایسے ہی بھاگتے ہیں جیسے آگ سے بھاگتے ہیں۔

علم کی فضیلت کے سلسلے میں شیخ برہان الدینؒ کے مندرجہ ذیل اشعار انتہائی قیمتی اور عمدہ ہیں۔

وأَنْشَدَنِي الشيخُ الإسلامِ بُرْهَانُ الدين رحمه الله تعالىٰ

إِذِالْعِلْمُ أعلىٰ رُتْبَةً في المَرَاتِبِ ... ومِنْ دُوْنِه عِزُّ العُلىٰ فِي المَوَاكِبِ

فَذُو العِلْمِ يَبْقَى عِزُّه مُتَضَا عِفاً ... وذُوالجَهْلِ بَعْدَالمَوْتِ تَحْتَ التَّيَارِبِ

فَهَيْهَاتَ لايَرْجُوْ مَدَاهُ مَنْ ارْتَقَى ... رُقِيَّ وَلِيِّ المُلْكِ،وَالِي الكَتَائِبِ

سَأُمْلِيْ عَلَيْكُمْ بَعْضَ مَا فِيْهِ فَاسْمَعُوْا ... فَبِي حصَرٌ عَنْ ذِكْرِ كُلِّ المَنَاقِبِ

هُو النورُ كُلَّ النُّورِ يَهْدِي عَنِ العَمٰى ... وذُوالجهْلِ مَرَّالدَّهْرِ بَيْنَ الغيَاهِبِ

هُوَ الذُّرْوَةُ الشَّمَّاءُ تَحْمِي مَنْ التَجا ... إِلَيْهَاويَمْشِي آمِناً في النَّوَائِبِ

بِهِ يُنْتَجى وَالرُّوْحُ بَيْنَ التَرائِبِ ... بِهِ يُرْتَجى والرُّوْحُ بَيْنَ التَرائِبِ

به يَشْفَعُ الإنسانُ مَنْ رَاحَ عَاصِياً ... إلى دَرْكِ النِّيْرَانِ شَرِّ العَوَاقِبِ

فمَنْ رَامَه رَامَ الْمآرِبَ كُلَّهاَ ... ومَنْ حَازَه قد حَازَ كُلَّ المَطَالِبِ

هُوَ المَنْصِبُ العَالِي فَيَا صاحِبَ الحِجَا ... إذا نِلْتَه هَوِّنْ بِفَوْتِ المَنَاصِبِ

فإنْ فَاتَكَ الدُّنيا وطِيبُ نَعِيمِها　　فَغمِّض فإنَّ العِلْمَ خيرُ المَواهِبِ

وأُنشِدْتُ لِبَعْضِهِم:

اذا مَا اعْتَزَّ ذُوعِلمٍ بِعِلْمٍ　　فَعِلْمُ الفِقْهِ أَوْلىٰ باعْتِزَازِ

فَكَمْ طِيْبٍ يَفُوحُ ولاَ كَمِسْكٍ　　وكَمْ طَيْرٍ يَطِيْرُ ولاَ كَبَازِيْ

وأنشدتُ أيضاً لِبَعْضِهِمْ:

الفِقْهُ أَنْفَسُ شَيءٍ أَنْتَ ذَاخِرُهُ　　مَنْ يَدْرُسْ الفِقْهَ لَمْ تَدْرُسْ مَفَاخِرُهُ

فَاكْسِبْ لِنَفْسِكَ مَا أصْبَحتَ تَجْهَلُهُ　　فَأَوَّلُ العِلْمِ إِقْبَالٌ وآخِرُهُ

وكَفَى بِلَذَّةِ العِلْمِ وَالفِقْهِ وَالفَهْمِ دَاعِياً وبَاعِثاً لِلْعَامِلِ عَلىٰ تَحْصِيْلِ العِلْمِ.

ترجمہ: اور شیخ الاسلام برہان الدینؒ نے مجھے یہ اشعار سنائے:

یادرکھو کہ علم تمام مراتب میں سب سے اونچا مرتبہ ہے، اور علم کے بغیر بلندی کا مرتبہ چلتی پھرتی سواری کی طرح بے ثبات ہے۔

صاحب علم کی عزت بڑھتی رہتی ہے، اور جاہل مرنے کے بعد مٹی کے نیچے ہوتا ہے۔

دور رہو! علم کے مرتبہ کو تو وہ شخص بھی نہیں پہنچ سکتا جو فوجیوں کے سربراہ اور بادشاہ مملکت کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہو۔

تمہارے سامنے میں علم کے بعض فوائد بیان کرتا ہوں، تم غور سے سنو، البتہ تمام فضائل کے بیان کرنے سے میں قاصر ہوں۔

علم تو نور ہی نور ہے، جو جہالت کی تاریکیوں کو دور کر کے راہ دکھلاتا ہے، اور جاہل انسان زندگی بھر تاریکیوں میں رہتا ہے۔

علم ایک بلند چوٹی ہے جو پناہ مانگنے والے کو پناہ دیتا ہے، اور وہ سختیوں میں مامون رہتا ہے۔ اور جب لوگ غفلت میں ہوتے ہیں تو علم ہی کے ذریعہ نجات حاصل کی جاتی ہے، اور

علم ہی کے ذریعہ (عذاب سے حفاظت کی) امید کی جاتی ہے جب کہ روح سینوں میں (نزع کے وقت) ہوتی ہے اور علم ہی کے ذریعہ انسان (عالم آدمی) اس شخص کے لیے سفارش کرتا ہے جو گنہ گار ہونے کی حالت میں جہنم کی تہ کی طرف جارہا ہے جو کہ برا انجام ہے

اور جس نے علم حاصل کرلیا اس نے تمام مقاصد کو حاصل کرلیا، اور جس نے اس کا احاطہ کرلیا اس نے تمام مقاصد کو حاصل کرلیا۔

اے عقلمند! علم ہی سب سے اونچا مرتبہ اور منصب ہے، جب تم اس کو حاصل کرلو تو تمام مناصب کو ہیچ سمجھو۔

اگر تم سے دنیا اور دنیا کی حلاوت وشادمانی چھوٹ جائے تو چشم پوشی کرلو (توجہ وفکر نہ کرو) اس لیے کہ علم ایک بہترین عطیہ ہے۔

بعض علماء کے یہ اشعار مجھے سنائے گئے:

جب کوئی صاحب علم علم کے ذریعہ عزیز بننا چاہے تو معزز بننے کے لیے سب سے بہتر علم فقہ ہے۔

خوشبوئیں تو بہت مہکتی ہیں لیکن مشک کی طرح نہیں، اور پرندے تو بہت اڑتے ہیں مگر شاہین جیسی پرواز نہیں۔

نیز مجھ کو بعض علماء کے یہ اشعار سنائے گئے:

علم فقہ بہت عمدہ چیز ہے جس کو تم جمع کر رہے ہو، جو شخص علم فقہ پڑھتا ہے اس کے کارنامے مٹتے نہیں۔

پس محنت کر کے تم ان چیزوں کو حاصل کرلو جن سے تم جاہل ہو، اس لیے کہ علم کی ابتداء اور انتہاء دونوں سعادت کی چیزیں ہیں۔

علم، فقہ اور فہم کی لذت کے لیے کافی ہے کہ عقلمند کو حصول علم پر شوق ورغبت دلائے۔

حل لغات مع تشریح: إذاً لعلمٌ: إذ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، أي

اذ کر وقت کون العلم أعلی مرتبةً......المواکِبُ: مَوکِبٌ کی جمع ہے بمعنی جلوس، قافلہ، اونٹ سواروں کا قافلہ، پیدل چلنے والوں کی جماعت۔

مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ تمام مراتب میں علم کا مرتبہ سب سے بڑا ہے، اس کے علاوہ جتنے مراتب ومناصب ہیں وہ تو جلوس اور قافلہ کی طرح چلتے پھرتے ہیں جن کو ثبات نہیں آج کسی کے پاس ہیں اور کل کو کوئی اور ان کا اہل ہو جاتا ہے۔

متضاعفاً: اسم فاعل ہے۔ حال کی بناء پر منصوب ہے، تضاعف (تفاعل، صحیح سالم) تضا عفاً: بڑھنا، دوگنا ہونا، التیارب: تِیرَبٌ اور فضائل تو بے شمار ہیں، سب کو بیان کرنا تو میرے بس میں نہیں ہے البتہ بعض خوبیاں میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں غور سے سنو، اب ان خوبیوں کا بیان ہوتا ہے۔

الغیا ھب: غَیھبٌ کی جمع ہے بمعنی شدید تاریکی، یہ علم کی بڑی فضیلت ہے کہ علم تو روشنی ہی روشنی ہے، سراپا نور ہے جو انسانوں کو جہالت کی گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کے راستوں پر گامزن کر دیتا ہے، اور جاہل آدمی تو ہمیشہ خوفناک گمراہی میں پڑا رہتا ہے۔

الذُروَةُ الشَمَّاءُ: "الذروة" اس کے معنی ہیں چوٹی اوپر کا حصہ، اور الشماء: أشَمَ کا مؤنث ہے بمعنی بلند، تَحمِي: حَمَی (ض، معتل اللام ناقص) حما یةً: حفاظت کرنا، التجاء: التَجَأ إلی الشيَ (افتعال، اصلہ لَجَأ، مہموز اللام) التجاءً: پناہ لینا، یمسي: یہ افعال ناقصہ میں ہے یصیر کے معنی میں، بعض نسخوں میں یہ "کیمشِي" بمعنی چلنا، لکھا ہوا ہے، مناسب بسین المھملہ ہی ہے، النوائب: نائبة کی جمع ہے بمعنی مصیبت اور حادثہ، مطلب یہ ہے کہ علم ایک بلند چوٹی ہے جس نے اس کی پناہ لی تو یہ اس کی حفاظت کرتا ہے، یہاں تک کہ علم کی وجہ سے آدمی جہالت کی تمام تر آفات اور مصیبتوں سے مامون ہو جاتا ہے۔

یُنتَجیٰ: بصیغۂ مجہول، انتَجیٰ (افتعال، اصلہ نجا، معتل اللام ناقص) انتجاءً: نجات طلب کرنا، یُرتَجیٰ: کی جمع ہے بمعنی مٹی، مطلب یہ ہے کہ صاحب علم کا وفات کے

بعد بھی ذکر خیر ہوتا رہتا ہے جس سے اس کا مقام ومرتبہ بڑھتا ہے، اور خاص طور سے اس ذکر جمیل سے آخرت میں اس کے مراتب بلند ہوتے رہتے ہیں، بخلاف جاہل کے کہ اس کو کوئی یاد نہیں کرتا بلکہ وہ تو مٹی بن کر رہ جاتا ہے۔

فهيهات: اسم فعل ہے بَعُدَ کے معنی میں، **مَدَاهُ:** غایت، انتہاء، **رُقِيّ:** مصدر ہے، بضم الراء و کسر القاف، وتشدید الیاء، بروزن دُخُول، اس لیے کہ اس کی اصل رُقُوْيٌ تھی، بمعنی بلندی **وَلِيّ الملك:** ملک کا منتظم، **وَالي الكتائب:** والي کے معنی حاکم کے ہیں، اور ”الكتائب“ کتیبة کی جمع ہے بمعنی فوج کی ٹکڑی، یعنی علم اور صاحب علم کے مقام ومرتبہ کو تو وہ انسان بھی نہیں پہنچ سکتا جو بادشاہت اور فوج کی کمانڈری کے مقام کو پہنچ گیا ہو، اس لیے کہ وزارت اور کمانڈری کے عہدے تو فانی ہیں جبکہ علم کا مقام یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اہل علم دنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن دنیا والوں کے دلوں میں ان کی عظمت برقرار رہتی ہے۔

سأملي: أَملىَ عليه (افعال، اصلہ مَلَاً، معتل اللام ناقص) إملاءً: املاء کرانا، **حَصَرٌ:** بفتح الحاء والصاد بمعنی عجز، حَصِرَ (س، صحیح سالم) حَصَراً: گفتگو میں عاجز ہونا، شیخ الاسلامؒ یہ فرماتے ہیں کہ علم کی خوبیاں إِرتَجىَ الشيئَ (افتعال، اصلہ رَجِيَ، معتل اللام ناقص) ارتجاءً: امید اور توقع رکھنا، **الترائب:** تريبة کی جمع ہے بمعنی سینہ کی ہڈی، آخرت میں جب لوگ نفسی نفسی کے عالم میں غافل ہوں گے تو عذاب خداوندی سے علم ہی کے ذریعہ نجات ملے گی، کیوں کہ علم حاصل کرنے کی وجہ سے انسان نے نیک اعمال کیے اور بری چیزوں سے بچا تو اصل چیز تو علم ہی ہوئی، اسی طرح جب موت کا وقت ہوتا ہے، نزع کی حالت ہوتی ہے تو علم ہی کی وجہ سے آدمی کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کا خدا اس کو جہنم کے عذاب سے بچالیگا، مرتے وقت آدمی کو امید پر ہی قائم رہنا چاہیئے۔

يشفع الإنسان: شفع في الأحد (ف، صحیح سالم) شفعاً :سفارش کرنا، رَاحَ (ن، معتل العین اجوف) رواحاً: چلنا، عَاصِياً: حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، عَصَاهُ (ض، معتل اللام، ناقص) معصية وعصياناً: نافرمانی کرنا، دَرك: دركة کی جمع ہے بمعنی تہہ، نچلا حصہ، النیران نار کی جمع ہے بمعنی آگ، شر العواقب: میزان سے بدل ہونے کی وجہ مجرور ہے، علم کا یہ شرف ہے کہ اس کی وجہ سے اہل علم ان لوگوں کے لیے سفارش کریں گے جو گناہوں کی وجہ سے نار جہنم کی طرف جارہے ہوں گے۔ اور جہنم بہت برا انجام ہے۔

فَمَن رَامه: رَامَهُ (ن، معتل العین اجوف) رَوماً ومَرَاماً :ارادہ کرنا، المآرب : مَارِبَةٌ کی جمع ہے بمعنی اغراض ومقاصد، حَازَهُ: حَازَ الشيَّ (ن، معتل العین اجوف) حيازةً: مالک ہونا، احاطہ کرنا، جس شخص نے علم حاصل کرلیا اس نے اپنے تمام مقاصد خواہ دنیوی ہوں یا اخروی حاصل کر لیے، کیونکہ علم سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں ہوسکتا۔

صاحب الحجا: الحجا بمعنی عقل جمع احجاء آتی ہے، نِلتَه: بروزن خِفتَ، بصیغہ ماضی، نَالَ الشيَّ (س، معتل العین اجوف) نیلاً: پانا، حاصل کرنا، هَوِّن: صیغہ امر ہے، هَوَّنَ الأمرَ (تفعیل، اصلہ هَانَ، معتل العین، اجوف) تَهوِيناً: آسان کرنا، کم تر سمجھنا، حقیر جاننا۔

شاعر طالب علم کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے عقلمند! علم ایک بہت بلند مقام ہے اگر وہ تم کو حاصل ہوجائے تو دنیا کی تمام چیزوں کو ہیچ اور کمتر سمجھو، ان کے چھوٹ جانے پر کوئی افسوس یا ملامت نہ کرو، دنیا کی خوشحالی اور رنگینی کے عدم حصول پر چشم پوشی کرلو اور اس کی طرف قطعاً توجہ نہ دو، اس لیے کہ علم جیسا بہترین عطیہ تمہارے پاس موجود ہے۔

إذا ما اعتز: کلمة "ما" زائدہ ہے۔ اعتَزَّ به (افتعال، اصلہ عَزَّ، مضاعف) اعتزازاً: عزت حاصل کرنا، سربلند ہونا، يفوح: فَاحَ الشيُّ (ن، معتل العین اجوف)

فوحاً وفوَحا ناً: خوشبو مہکنا، پھیلنا، باز :شاہین، جس کی پرواز بڑی عمدہ اور اچھی ہوتی ہے۔

ان اشعار میں بطور خاص علم فقہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر علم کے ذریعہ عزت وشرافت چاہتے ہو تو علم فقہ اس کے لیے زیادہ مناسب ہے، علم فقہ سے جو عزت حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور علم سے نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ علم احکام وشرائع کو کھول کھول کر وضاحت سے بیان کرتا ہے، اور انسان کو قدم قدم پر اس علم کی ضرورت پڑتی ہے۔

دوسرے مصرع میں علم فقہ کو مثال سے سمجھایا گیا ہے، کہ دنیا میں خوشبوئیں تو بہت ہیں لیکن مشک کی خوشبو سے سب ہیچ ہیں، آسمان میں پرندے تو بہت پرواز کرتے ہیں لیکن شاہین جیسی عمدہ اور شاندار پرواز کسی پرندے کی نہیں ہوسکتی، بالکل اسی طرح علوم تو بہت ہیں لیکن علم فقہ آفتاب ومہتاب کی طرح ہے، جو تمام علوم میں اعلی مقام رکھتا ہے۔

الفقه أَنْفَسُ: أنفسُ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، بہت عمدہ، یَدرُسُ: دَرَسَ (ن، صحیح سالم) درساً ودراسةً: پڑھنا، تَدرُس: دَرَسَ (ن، صحیح سالم) دُرُوساً: ختم ہونا، مٹنا، إقبال: سعادت اور نیک بختی۔

مزید علم فقہ کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے تم جتنی چیزیں اور جتنے علوم حاصل کرتے ہو ان سب میں بہتر اور عمدہ چیز علم فقہ کا حصول ہے، اس علم کا کمال یہ ہے کہ جس نے بھی اس علم کو پڑھا اور اس کی اشاعت میں لگا اس کے قابل فخر کارنامے کبھی مٹتے نہیں، حضرات ائمہ اربعہ کی زندگی اس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس علم کے حصول کا کوئی مخصوص زمانہ نہیں ہے۔ بلکہ تک جب انسان جاہل اور مسائل سے ناواقف ہے اسی وقت تک اس کو حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہے، یہ علم تو وہ ہے جس کو اگر کم سنی میں حاصل کرے تو بھی سعادت ہے اور پیرانہ سالی میں حاصل کرے تب بھی نیک بختی اور سعادت مندی کی بات ہے۔

نوٹ: شاعر نے علم فقہ کی فضیلت میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے ورنہ تو علم حدیث وتفسیر کا بھی بہت بڑا مقام ہے۔

وقد يَتولَّدُ الكَسَلُ مِن كثرةِ البَلْغَمِ والرُّطوباتِ، وطريقُ تَقْلِيلِه تَقْلِيلُ الطعامِ، قيل: اتَّفَقَ سَبْعُوْنَ نَبِياً عليهم الصلاة والسلام عَلىٰ أَنَّ كَثْرَةَ النِّسْيَانِ مِنْ كثرةِ البَلْغَمِ، وكَثْرَةُ البَلْغَمِ مِن كثرةِ شُرْبِ المَاءِ، وكثرةُ شُرْبِ الماءِ مِن كثرةِ الأَكْلِ، وَالخُبْزُ اليَابِسُ يَقْطَعُ البَلْغَمَ، وكَذَا أَكْلُ الزبيبِ عَلىٰ الرِّيْقِ، ولا يُكْثِرُ مِنْهُ حَتّى لا يَحْتَاجَ إلى شُرْبِ الماءِ، فَيزِيدُ البَلْغَمُ، والسِّوَاكُ يُقَلِّلُ البَلْغَمَ، ويزيدُ في ثوابِ الصلاةِ وقراءةِ القرآن وكذلك القَيّ يُقلِّلُ البلغمَ والرطوباتِ، وطريقُ تَقْلِيلِ الأكلِ التأمُّلُ في منافِعِ قِلَّةِ الأكلِ، وهي: الصحةُ، والعِفَّةُ والإيثارُ، وقِيْلَ في ذِمَّةِ الأَكْلِ:فَعارٌ ثُمّ عَارٌ، شَقَاءُ المرءِ من أجلِ الطَّعَامِ.

وعَنِ النبي صلى الله عليه وسلم "ثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُم اللّٰهُ تَعالىٰ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ: الأَكُولُ، والبَخِيلُ والمُتَكَبِّرُ"

ترجمہ: اور بسا اوقات کاہلی بلغم اور رطوبت کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے، اس کو کم کرنے کا طریقہ کم کھانا ہے، کہا گیا ہے کہ ستر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نسیان کی زیادتی کثرتِ بلغم سے ہوتی ہے، اور بلغم کی کثرت زیادہ پانی پینے سے ہوتی ہے، اور زیادہ پیاس زیادہ کھانے کی وجہ سے لگتی ہے، خشک روٹی بلغم ختم کرتی ہے، اسی طرح نہار منہ کشمش کھانا بھی بلغم کو کم کرتا ہے، البتہ کشمش زیادہ نہ کھائے، ورنہ پانی پینے کی ضرورت ہوگی جس سے بلغم بڑھے گا، اور مسواک بھی بلغم کو کم کرتی ہے، حافظہ اور شستہ زبانی میں اضافہ کرتی ہے، کیوں کہ مسواک ایک پسندیدہ سنت ہے، ایسے ہی قئی کرنا بھی بلغم اور رطوبت میں کمی کرتا ہے۔

کھانے کی کمی کا طریقہ کم کھانے کے فوائد میں غور وفکر کرنا ہے، اور یہ فوائد صحت ، پاک دامنی اور ایثار وقربانی ہیں۔

بسار خوری کے بارے میں کہا گیا ہے: شرمندگی ہے، شرمندگی ہی شرمندگی ہے، زیادہ کھانے سے انسان کی بدبختی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے ہی نفرت کرتا ہے: بسیار خور، بخیل اور مغرور ومتکبر۔

حل لغات: الزبیب :خشک انگور ، منقی، کشمش، الرِّيق: لعاب دھن ،(ج) أرِيَاق، عَلَى الرِّ يق :نہار منہ کھایا، الفصاحة: شستہ زبانی، سُنَّةٌ سَنِيَّةٌ : أي سُنَّةٌ عالية، بلند اور پسندیدہ سنت، العِفَّة: پاک دامنی، تمام شہوات نفسانیہ سے اجتناب کرنا، عَفَّ (ض، مضاعف) عِفَّةً وعَفَافاً: حرام چیزوں سے بچنا، پاک دامن ہونا، الأکُولُ: مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بسیار خور۔

تشریح: مصنفؒ نے ماقبل میں "إيّاكَ والكسل" سے یہ بیان کیا تھا کہ سستی اور کاہلی آفت ومصیبت ہے تحصیل علم کے لیے نہایت مضر ہے، پھر بیان کیا تھا کہ مناقب علم میں غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے سستی پیدا ہوتی ہے اس لیے پہلے علم کے فضائل ومناقب کو بیان کیا اور اس سلسلے میں بہت سے اشعار کو ذکر کیا، اب "قد يتولد الكسل" سے سستی پیدا ہونے کا دوسرا سبب بیان فرماتے ہیں، کہ کثرت اکل سے انسان میں کاہلی پیدا ہوتی ہے اس لیے قلت اکل کو اپنانا چاہیے، کیوں کہ بسیار خوری سے پیاس لگتی ہے، اور پانی سے بلغم پیدا ہوتا ہے بلغم سے سستی آتی ہے، لہذا سستی کا اصل سبب زیادہ کھانا ہی ہوا۔

کثرت اکل سے بچنے کے مصنفؒ نے تین طریقے بیان فرمائے؛

(۱) قلت اکل اور کم خوری کے منافع اور فوائد میں غور وفکر کرنا، کہ کم کھانے سے یہ یہ فائدے ہوتے ہیں ، مثلاً: آدمی کی صحت اچھی رہتی ہے، شہوات نفسانیہ کا غلبہ نہیں ہوتا،

گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور دوسروں کے تئیں ایثار وقربانی کا جذبہ بھی باقی رہتا ہے، اس کے برخلاف بسیار خوری بری عادت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغیر کسی جرم کے ہی نفرت کرتا ہے: ایک تو بہت زیادہ کھانے والے سے، دوسرے صدقات وخیرات میں بخل کرنے والے سے، اور تیسرے متکبر اور مغرور سے، اس لیے کہ بڑائی تو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، بسیار خور کی مذمت میں اور بھی بہت سی روایات آپؐ سے منقول ہیں۔

(۲) کثرت اکل سے پیدا ہونے والے نقصانات میں غور وفکر کرنا، مثلاً زیادہ کھانے سے آدمی پیٹ کا مریض ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے، طبیعت میں افتادگی اور بوجھل پن ہو جاتا ہے، ذہانت میں کمی پیدا ہوتی ہے ان بیماریوں میں غور کرنے سے بھی کثرت اکل کی عادت چھوٹ سکتی ہے، زیادہ کھانے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس میں مال کا ضیاع ہے، بسیار خور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے، اور آخرت میں عذاب خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔

(۳) بسیار خوری کے ترک کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بھوکوں کے ساتھ نہ کھائے، اس لیے کہ اس سے کھانے کی مزید حرص پیدا ہوتی ہے، اسی طرح لذیذ کھانے کو پہلے کھائے، چکنی اور مرغن غذا سے بھی کھانا کم کھایا جاتا ہے، اس لیے مرغن غذا کا استعمال کرنا چاہئے۔

طریقہ نمبر ۲/۳ کو آئندہ سطور میں بیان فرمارہے ہیں:

وَالتَأمُّلُ في مَضارِّ كَثْرَةِ الأكْلِ وهِيَ الأمراض، وكَلَالَةُ الطَّبْعِ، وقِيْلَ: البِطْنَةُ تُذهِبُ الفِطْنَةَ.

وحُكِيَ عن جَالِيْنُوسَ الْحَكِيْمِ أنه قال: الرُّمّانُ نَافِعٌ كُلُّه والسَمَكُ ضَارٌّ كُلُّه، وَقَلِيْلُ السَّمَكِ خَيْرٌ مِنْ كَثِيْرِ الرُّمَّانِ.

وفيه أيضاً إتْلَافُ المَالِ، والأكلُ فَوْقَ الشِّبَعِ ضَرَرٌ مَحْضٌ، ويَسْتَحِقُّ

بِه العِقَابَ فِي دارِ الآخرةِ، والأَكُولُ بَغِيضٌ فِي القلوب.

وطريقُ تقليلِ الأكل أنْ يَأكُلَ الأطْعِمَةَ الدَّسِمَةَ ويُقَدِّمَ فِي الأكلِ الألطَفَ والأشهىٰ، ولا يأكُلَ مَعَ الجِيْعَانِ، إلّا إذَا كان له غَرَضٌ صَحِيْحٌ في كثرةِ الأكلِ، بأنْ يُقَوّي بِه علىٰ الصِّيَامِ والصلاةِ والأعمال الشَّاقَّةِ.

ترجمہ: زیادہ کھانے کے نقصانات میں غور وفکر کرنا بھی کم خوری کا سبب ہے، اور وہ نقصانات طرح طرح کی بیماریاں اور افتاد طبع ہے، کہا گیا ہے کہ شکم سیری کا مرض ذہانت وفطانت کو ختم کر دیتا ہے۔

حکیم جالینوس سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ انار مکمل نفع بخش ہے، اور مچھلی سراپا نقصان دہ ہے، البتہ کم مچھلی کھانا زیادہ انار سے بہتر ہے۔

نیز بسیار خوری میں مال کا بھی ضیاع ہے، ضرورت سے زیادہ کھانا نقصان محض ہی ہے جس سے آدمی آخرت میں عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اور بسیار خور لوگوں کی نظروں میں مبغوض ہوتا ہے۔

اور کم خوری کا طریقہ یہ بھی ہے کہ چکنی غذا کھائے، کھانے میں نرم اور مزے دار چیز کو مقدم رکھے، بھوکوں کے ساتھ نہ کھائے، اگر بسیار خوری سے کوئی نیک مقصود ہو تو جائز ہے، جیسے روزہ، نماز، اور قابل مشقت اعمال وغیرہ۔

حل لغات: کلالة الطبع : گراوٹ، طبیعت کا بوجھل ہونا، البطنة: بسیار خوری کا مرض، شکم پُری الفطنة: ذکاوت وذہانت (ج) فِطَنٌ.

تشریح: مذکورہ عبارت کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے۔ الحمد للہ فصل پوری ہوگئی

محمد عبد الرزاق غفرلہ

خادم جامعہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم

جامع مسجد امروہہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ بروز بدھ بعد نماز عصر

فصـــل في بداية السبق، وقدره، وترتيبه

سبق کا آغاز، اس کی مقدار اور ترتیب کا بیان

مصنفؒ نے اس فصل میں چند باتوں کی ہدایت اور راہ نمائی کی ہے، تا کہ طالب علم بحسن وخوبی اپنے تعلیمی سفر کو پورا کر سکے، طالب علم سبق کا آغاز کب اور کس طرح کرے، ابتداء میں سبق کی مقدار کیا ہو اور انتہاء میں کیا ہو، دوران تعلیم طالب علم کس چیز کو اپنی تمام تر توجہ کا مرکز بنائے، آپس میں بحث ومباحثہ کا کیا فائدہ ہے، تکرار اور مطالعہ کے لیے کون کون سے اوقات مناسب اور بہتر ہیں، یہ تمام امور ہیں جن کو مصنفؒ نے بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے، اور اخیر فصل میں چند اہم نصائح کی ہیں جو ایک طالب علم کے لیے انتہائی لازمی اور ضروری ہیں۔

كَانَ أُسْتَاذُنَا الشيخُ الإمامُ برهان الدينِ رحمه الله تعالىٰ يُوْقِفُ بِدَايَةَ السبقِ على يَوْمِ الأَرْبِعَاء، وكان يَرْوِي في ذلك حدِيثاً فَيَسْتَدِلُّ بِه، وَيقولُ: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَامِنْ شيْ بُدِئَ يَوْمَ الأَرْبِعَاءِ إلّا وقَدْ تَمّ"

وهكذا كَانَ يَفْعَلُ أبِي - رحمه الله تعالىٰ -، وكان يَرْوِي الحديثَ المذكورَ بإسنادِهِ عَنْ أستاذِهِ الشيخِ الإمامِ الأجَلِّ قِوَامِ الدين أحمدَ بنِ عَبْدِالرشيد.

وسمعت مِمَّنْ أَثِقُ به أَنَّ الشَّيْخَ الإمامَ يُوْسُفَ الهَمْدَانِي رحمه الله تعالىٰ كَانَ يُوْقِفُ كُلَّ عَمَلٍ مِن أعمالِ الخَيرِ علىٰ يَومِ الأربعاءِ، وهذا لأن يَوْمَ الأربعاءِ يَوْمٌ خُلِقَ فيه النُّوْرُ، وهو يَوْمُ نَحْسٍ في حَقِّ الكُفّارِ، فيكونُ مُبارَكاً للمؤمنين.

ترجمہ: ہمارے استاذ شیخ الامام برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ سبق کے آغاز کو بدھ کے دن پر موقوف رکھتے تھے، اور اس سلسلے میں ایک حدیث روایت کرتے تھے، اور اس سے استدلال کرتے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو چیز بھی بدھ کو شروع ہوتی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔

اسی طرح میرے والد محترم کیا کرتے تھے، اور اس حدیث مذکور کو وہ اپنی سند سے اپنے استاذ عالی مرتبت قوام الدین احمد بن عبد الرشیدؒ سے بیان کرتے تھے۔

اور میں نے ایسے شخص سے سنا ہے جس پر مجھے اعتماد ہے کہ شیخ امام یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہر نیک کام کو بدھ کے دن پر موقوف رکھتے تھے، اور یہ ثابت ہے، اس لیے کہ بدھ کا دن تو ایسا دن ہے جس میں نور کو پیدا کیا گیا ہے، اور یہ کفار کے حق میں منحوس دن ہے، لہٰذا مؤمنین کے لیے بابرکت ہوگا۔

حل لغات: یوقف: أَوقَفَ الشيءَ (افعال، اصلہ وقف معتل الفاء) إیقافاً: بند کرنا، روکنا، کسی چیز کو کسی پر معلق کرنا، **هكذا كان يفعل أبي:** یہاں بعض نسخوں میں تحریف ہوگئی ہے اور عبارت اس طرح لکھی ہوئی ہے: "**هكذا كان يفعل أبو حنيفة**" اصل عبارت "**كان يفعل أبي رحمه الله**" تھی، أبي کو "أبو" سے بدلا اور رحمۃ اللہ کی جگہ حنیفۃ کر دیا گیا اس طرح یہاں تحریف ہوگئی۔ اس لیے کہ یہاں علامہ زرنوجیؒ اپنے والد محترم کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میرے والد بھی ایسا ہی کرتے تھے، نہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں، ہم جو کہہ رہے ہیں کہ یہاں تحریف ہوئی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے مصنف یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ اس حدیث کو اپنی سند سے اپنے استاذ احمد بن عبد الرشید سے نقل کرتے تھے۔ حالانکہ احمد بن عبد الرشید امام ابوحنیفہؒ کے استاذ تو درکنار ان کے تو معاصر بھی نہیں ہیں، اس لیے مطلب یہ ہے کہ صاحب تعلیم المتعلم یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے والد بھی اپنے سبق کی ابتداء کو بدھ کے دن پر موقوف رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے استاذ احمد بن عبد الرشید سے ایک روایت بھی نقل کرتے تھے، **أَثِقُ به:** بصیغۂ متکلم ہے وثِقَ

به(حَسِبَ معتل الفاء مثال) ثِقَةً، ووُثوقاً: اعتماد اور بھروسہ کرنا۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنفؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی بھی کتاب کا آغاز اور اس کے سبق کی ابتداء بدھ کے دن سے کرنی چاہئے، اس سلسلے میں مصنفؒ نے ایک تو حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "جو کام بدھ کے دن شروع کیا جاتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے" یہ حدیث علامہ سخاویؒ نے "المقاصد الحسنہ" میں نقل کی ہے، اور اس کو بے اصل قرار دیا ہے، "المقاصد" کے محقق نے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث اور اس کے ہم معنی روایات بالکل باطل ہیں، احقر کو بھی کسی معتبر کتاب میں یہ حدیث نہیں ملی، بلکہ موضوعات کی کتابوں میں اس کو بے سند کے نقل کیا گیا ہے۔

دوسری چیز مصنفؒ نے اپنے والد کے عمل کو نقل کیا ہے، کہ وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، سو ان کے والد کا عمل حجت نہیں ہے۔

تیسری چیز مصنفؒ نے اس عمل کے ثبوت پر مسلم شریف (کتاب المنافقین حدیث ر۲۷) کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بدھ کے دن نور کو پیدا کیا ہے، لہذا اس دن اگر کسی علم کا آغاز کیا جائے گا تو علم کے نور کو تقویت ملے گی، اور ظاہر سی بات ہے کہ جس دن نور کو پیدا کیا گیا ہے وہ دن مبارک ہوگا اور مبارک دن میں مبارک کام کا آغاز کرنا بہتر ہے، شاید اکابرین نے اسی وجہ سے یہ عمل کیا ہو۔

بدھ کا دن کفار کے حق میں منحوس ہے اس کے بارے میں شیخ ابن اسمٰعیل کی عربی شرح میں لکھا ہے کہ جتنی بھی اقوام ہلاک اور برباد ہوئی ہیں وہ سب مہینہ کے آخری بدھ کو ہوئی ہیں، اس وجہ سے یہ دن کفار کے حق میں منحوس ہوگا۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ شریعت اسلامیہ نے اس بات پر پابندی عائد کی ہے کہ کسی دن یا مہینے یا گھڑی کو منحوس سمجھا جائے، کسی بھی دن کو منحوس سمجھنا اہل اسلام کا شیوہ نہیں۔

نوٹ: مصنف کی عبارت "وهذا ثابت" میں ہذا کا مصداق "توقيف العمل

علی یوم الأ ربعاء" ہے، مذکورہ حدیث نہیں ہے، جیسا کہ بعض شارحین کو وہم پیدا ہو گیا ہے'

وأمّا قَدْرُ السَّبَقِ في الابتداءِ:

فقَدْ كان يَحْكِي عنِ الشيخِ الإمامِ القاضِي الإمامِ عُمَرَ بنِ أبي بَكْرٍ الزنجريِ رحمه الله تعالىٰ أنه قال: قال مَشَايِخُنَا: يَنْبغِي أنْ يكونَ قَدْرُ السبقِ لِلْمُبتَدِي قدرَ ما يُمْكِنُ ضَبْطُه بالإ عادَةِ مرَّتَيْنِ بالرِّفقِ، ويَزِيْدُ كُلَّ يَوْمٍ كلمةً، حَتّى إنّه وإنْ طالَ السَّبَقُ و كَثُرَ يُمْكِنُ ضَبْطُه بالإعَادةِ مرتين،ويَزِيدُ بِالرِّفْقِ والتدريجِ، فأمّا إذا طَالَ السَّبَقُ في الابْتِدَاءِ واحْتَاجَ إلى الإعادةِ عَشْرَ مَرَّاتٍ فَهُوَ في الانتهاءِ أيضاً يَكُوْنُ كَذلكَ، لأ نَّهُ يَعْتَادُ ذلك، ولا يَتْرُكُ تلك العادةَ إلا بِجُهْدٍ كثيرٍ.

وقد قيل: السَّبَقُ حَرْفٌ وَالتَّكْرَارُ أَلْفٌ.

وَيَنْبغِي أن يَبْتَدِئَ بَشَئٍ يَكُوْنُ أقْرَبَ إلى فَهْمِه وكان الشيخُ الإمامُ الأستاذُ شَرَفُ الدين العَقِيْلِي رحمه الله تعالىٰ يقولُ: الصَّوَابُ عَنْدِي في هذا ما فَعَلَهُ مَشَايِخُنَا رحمه الله تعالىٰ فإنَّهُم كَانُوا يَخْتارُوْنَ لِلْمُبْتَدِي صِغَارَاتِ المَبْسُوطَاتِ؛ لأنه أقْرَبُ إلى الفَهْمِ والضَّبْطِ، وأبْعَدُ عَنِ المَلاَلَةِ، وأكْثَرُ وقوعاً بين الناسِ.

ترجمہ: جہاں تک شروع میں اسباق کی مقدار کا تعلق ہے تو: (صاحب ہدایہؒ) شیخ قاضی امام عمر بن ابی بکر زرنجیؒ سے نقل کیا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ کہتے تھے کہ ابتدائی طالب علم کے لیے مناسب ہے کہ اس کے سبق کی مقدار اتنی ہو جس کو آسانی کے ساتھ دو مرتبہ دہرا کر محفوظ کرنا ممکن ہو، اور ہر دن ایک ایک کلمہ کا اضافہ کرے، تا کہ جب سبق طویل اور زیادہ ہو جائے تو بھی اس کو دو دفعہ دہرا کر محفوظ کیا جا سکتا ہو، آہستہ

آہستہ تھوڑا تھوڑا اضافہ کیا جائے، لیکن جب ابتداء میں سبق زیادہ ہو جائے اور طالب علم کو دس مرتبہ دہرانے کی ضرورت پڑے تو وہ آخر میں بھی اسی طرح اعادہ کی ضرورت رہے گی، کیونکہ یہ طالب علم کی عادت بن چکی ہے، وہ اس عادت کو بے پناہ محنت کے بغیر نہیں چھوڑ پائیگا۔

اور کہا گیا ہے کہ سبق ایک حرف ہو اور تکرار ہزار مرتبہ۔

اور مناسب ہے کہ ایسے علم سے آغاز کیا جائے جو اقرب الی الفہم ہو، شیخ امام استاذ شرف الدین عقیلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس سلسلے میں میرے نزدیک وہ طریقہ درست ہے جو ہمارے مشائخ کا تھا، کیوں کہ وہ حضرات ابتدائی طالب علم کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابیں پسند کرتے تھے، اس لیے کہ وہ سمجھنے اور ضبط و محفوظ کرنے کے زیادہ قریب ہیں۔ اور کبیدگی سے دور ہیں، اور لوگوں کے درمیان زیادہ پیش آمدہ ہیں۔

حل لغات: العقیلی: بفتح العین، یہ عقیل بن ابی طالب کی طرف نسبت ہے، صغارات المبسوطات: وہ چھوٹی کتابیں جو بڑی کتابوں کے خلاصہ پر مشتمل ہوں، أماقدرہ: مبتدا ہے اور اس کی خبر حکایت مذکورہ کا مفہوم ہے۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب کوئی بھی کتاب شروع کی جائے تو ابتداء میں سبق کی مقدار کم ہو، اتنا سبق پڑھایا جائے جو ایک دو دفعہ کے تکرار سے پختہ ہو جائے پھر تھوڑا تھوڑا اضافہ کرتا رہے، ایسا نہ ہو کہ شروع ہی میں سبق کی مقدار بڑھا دی جائے اور وہ پختہ نہ ہو پائے جس کی وجہ سے دسیوں بار دہرانے کی ضرورت پڑے، اگر شروع میں دس دفعہ دہرانے کی عادت پڑ جائیگی تو پھر اس سے کم میں سبق یاد نہ ہوگا۔ اور بعد میں پریشانی ہوگی۔

نیز جب تعلیم کا آغاز کیا جائے تو ایسے علم سے ابتداء کی جائے جس کا سمجھنا آسان ہو، مشکل علوم کو بعد میں پڑھایا جائے، کتابوں کے انتخاب میں بھی ترتیب اس طرح رکھے کہ

اولاً متون مختصرہ کو پڑھا جائے بعد میں مطولات کی طرف رجوع کیا جائے۔

وينبغي أن يُعلّق السَّبَقَ بَعْدَ الضَّبْطِ والإعادةِ، فإنه نافعٌ جداً ولاَ يَكْتُبُ المُتَعَلِّمُ شيئاً لاَ يَفْهَمُه؛ فإنه يُورِثُ كَلاَلَةَ الطبعِ، ويُذْهِبُ الفِطْنَةَ، ويُضَيِّعُ أوْقَاتَهُ.

ويَنْبَغِي أن يَجْتَهِدَ في الفَهْمِ عن الأستاذِ أَوْبالتأمُّلِ والتفكر وكثرة التكرار، فإنّه إذا قَلَّ السَّبَقُ وكَثُرَ التَّكْرَارُ وَالتَّأَمُّلُ، يُدْرَكُ ويُفْهَمُ.

وقيل: حِفْظُ حَرْفَيْنِ خَيْرٌ مِنْ سَمَاعِ وِقْرَيْنِ، وفَهْمُ حَرْفَيْنِ خَيْرٌ مِنْ حِفْظِ وِقْرَيْنِ، وإِذَا تَعَاوَنَ في الفَهْمِ ولَمْ يَجْتَهِدْ مرّةً أو مَرَّتَيْنِ يَعْتَادُ ذلك، فلا يَفْهَمُ الكلامَ الْيَسِيْرَ، فينبغي أنْ لا يَتهَاوَنَ بالفَهْمِ، بل يَجْتَهِدُ و يَدْعُو اللّٰهَ تعالىٰ ويَتَضَرَّعُ إليه، فإنّه يجيبُ مَنْ دَعَاهُ ولا يُخَيِّبُ مَنْ رَجَاهُ.

ترجمہ: سبق کو محفوظ کر لینے اور دہرانے کے بعد لکھ لینا مناسب ہے، کیوں کہ لکھنا بہت مفید ہے، طالب علم ایسی کوئی چیز نہ لکھے جس کو اس نے نہ سمجھا ہو، کیوں کہ یہ افسرد طبع کا ذریعہ ہے، ذہانت خراب کرتا ہے اور اوقات کو ضائع کرتا ہے۔

اور مناسب ہے کہ استاذ سے کتاب سمجھنے کی کوشش کرے، یا (اس کی تقریر میں) غور وفکر اور کثرت تکرار کے ذریعہ (سمجھنے میں محنت کرے) کیوں کہ جب سبق کم ہوگا اور تکرار وغور وفکر زیادہ ہوگا تو سبق محفوظ بھی ہو جائیگا اور سمجھ میں آ جائیگا۔

کہا گیا ہے کہ: دو حرف کا یاد کرنا دو گٹھری کے بقدر سننے سے بہتر ہے، اور ''حرف کا سمجھنا دو گٹھری کے بقدر یاد کرنے سے بہتر ہے، اور جب ایک یا دو دفعہ سمجھنے میں سستی کی اور محنت نہیں کی تو وہ اس کا عادی ہو جائیگا، اور معمولی بات بھی نہیں سمجھ سکیگا، اس لیے مناسب ہے کہ سمجھنے میں لاپرواہی نہ کرے، بلکہ محنت اور کوشش کرے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا وگریہ زاری کرتا رہے، کیوں کہ وہ اس شخص کی دعاء قبول کرتا ہے جو اس سے مانگے، اور جو اس

سے امید رکھے اس کو محروم نہیں کرتا۔

حل لغات: یُعَلِّق: عَلَّق (تفعیل، اصلہ عَلَقَ صحیح سالم) تعلیقاً: حاشیہ لکھنا، مراد یہاں خلاصہ درس لکھنا ہے یُورِثُ: أَوْرَثَ (افعال، اصلہ وَرِثَ، معتل الفاء، مثال) اِیراثاً: سبب بننا وِقرَین: وِقرٌ کا تثنیہ ہے، بمعنی گٹھری، بھاری بوجھ (ج) أوقار، تَهاوَنَ (تفاعل، اصلہ: هَانَ، معتل العین) تهاوناً: لاپرواہی کرنا، سست کرنا یُخَیِّبُ: خَیَّبَهُ (تفعیل، اصلہ خَابَ، معتل العین) تَخییباً: ناامید کرنا، محروم کرنا۔

تشریح: طالب علم کے لیے یہ چیز بہت ہی نفع بخش ہے کہ وہ سبق کو یاد کرنے اور تکرار کرنے کے بعد اپنی کاپی پر اس کا خلاصہ لکھ لیا کرے، تاکہ آئندہ اس کتاب کے حل کرنے میں کوئی مشقت اور پریشانی نہ ہو، لیکن لکھنے میں اس بات کا خاص خیال رہے کہ جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کو ہرگز نہ لکھے، کیوں کہ بغیر سمجھے کسی چیز کو لکھنا افادِ طبع اور ضیاعِ وقت کا سبب بنتا ہے۔

اپنے سبق کو اولاً خود ہی مطالعہ اور غور و فکر کے ذریعہ سمجھنے کی پوری کوشش کرے اور پھر جو بات خود نہ سمجھا ہو اس کو استاذ کی تقریر سے سمجھ لے، تکرار میں اپنے ساتھیوں سے سمجھ لے، کسی بھی کتاب کو اچھی طرح سمجھ لینا اس کو بے سمجھے یاد کرنے سے بہتر ہے۔

کسی کہنے والے نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ دو حرف کا یاد کرنا دو گٹھری کے بقدر سننے سے بہتر ہے، اور دو حروف کا سمجھ لینا دو گٹھری کے یاد کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کتاب کے سمجھنے میں دو چار مرتبہ بھی لاپرواہی کی گئی تو پھر طالب علم کی عادت ہی لاپرواہی بن جاتی ہے اور پھر وہ پڑھنے لکھنے میں قطعاً محنت نہیں کرتا بلکہ سستی کا عادی ہو جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کتاب کے سمجھنے میں انتہائی انہماک اور غور و فکر سے کام لے سکتا ہے اس کو محروم نہیں کرتا۔

حفظ و تکرار اور مطالعہ و فہم کے بارے میں مصنفؒ آئندہ سطور میں حماد بن اسمٰعیلؒ کے

اشعار کو نقل کر رہے ہیں:

أَنْشَدَنَا الشيخُ الإمامُ الأَجلُ قِوامُ الدين حَمَّادُ بنُ إبراهيمَ بنِ إسماعيلَ الصَّفَّارُ الأنْصَارِيِ رحمه الله تعالىٰ إملاءً للقاضي الخليلِ بنِ أَحْمَدَ السرخسي رحمه الله تعالىٰ في ذلك:

اخْدُمِ العِلْمَ خِدْمَةَ المُسْتَفِيْدِ ۔۔۔ وَادِمِ الدرسَ بِفِعْلِ الحَمِيْدِ
وإذا مَا حَفِظْتَ شَيْئاً اَعِدْهُ ۔۔۔ ثُمَّ اَكِّدْهُ غَايَةَ التاكِيْدِ
ثم عَلِّقْهُ كَيْ تَعُوْدَ إليهِ ۔۔۔ وإلىٰ دَرْسِهِ عَلى التأبِيْدِ
وإذا مَا اَمِنْتَ منهُ فَوَاتاً ۔۔۔ فانْتَدِبْ بَعْدَهُ بشئي جدِيْدِ
مَعَ تكْرارِ مَا تَقَدَّمَ مِنْهُ ۔۔۔ اقْتِنَاءً لِشانِ هذا المَزِيْدِ
ذَاكِرِ الناسَ بالعُلومِ لِتَحْيَا ۔۔۔ لاتَكُنْ مَن أولي النُّهٰى بِبَعِيْدِ
إن كَتَمْتَ العُلُوْمَ فَاُنْسِيْتَ حَتّٰى ۔۔۔ لَا تُرَى غَيْرَ جاهَلٍ وَ بَلِيْدِ
ثُم اُلْجِمْتَ في القيامة ناراً ۔۔۔ وَتَلهَّبْتَ في العَذابِ الشَّدِيْدِ

ترجمہ: اس سلسلے میں عالی مرتبت شیخ قوام الدین حماد بن ابراہیم الصفارؒ نے قاضی خلیل بن احمد سرخسیؒ کے یہ اشعار ہمیں سنائے:

علم کی لذت سے استفادہ کرنے والے کی خدمت کی طرح تم بھی علم کی خدمت کرو، اچھے عمل کے ساتھ درس کی پابندی کرو۔

جب تم کسی چیز کو یاد کرلو تو اس کو دہرالو اور پھر اس کو اچھی طرح محفوظ کرلو۔

پھر تم اس کو لکھ لو تا کہ تم اس کی طرف (ضرورت کے وقت) رجوع کر سکو، اور اس کو ہمیشہ پڑھ سکو۔

اور جب تم اس کے فوت ہونے سے مطمئن ہو جاؤ تو اس کے بعد کسی نئی چیز (علم) کی طرف دوڑو۔

پچھلے سبق کے تکرار کے ساتھ ساتھ اس شئی جدید کی شان کو حاصل کرتے ہوئے۔
لوگوں کو علوم سکھلاؤ، تا کہ تم زندہ رہو، عقلمند لوگوں سے دور مت رہو، (عقلمندوں کی صحبت دنیا اور آخرت میں نفع بخش ہے۔)
اگر تم نے علوم کو چھپایا تو بھلا دیئے جاؤ گے، یہاں تک کہ تمکو جاہل اور احمق کے علاوہ کچھ نہ سمجھا جائیگا۔
پھر تمہارے قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائیگی اور سخت عذات میں شعلہ بنو گے۔

حل لغات مع تشریح: اخدم : صیغۂ امر ہے، خَدَمَهُ (ن،ض، صحیح سالم) خدمةً: خدمت کرنا، یہاں علم کی خدمت سے مراد محنت کرنا ہے، أدِم : صیغۂ امر ہے أدَامَ الشئي (افعال، اصلہ دام، معتل العین) إدامةً: ہمیشہ کرنا، مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ علم کے حوالے سے ایسی محنت کرو جیسا کہ وہ شخص محنت اور جدو جہد کرتا ہے جو علم کی لذت کو محسوس کر چکا ہو اور برابر علم سے استفادے میں لگا رہتا ہے اور محنت کرتا رہتا ہے اور فعل حمید یعنی حفظ و تکرار کے ساتھ سبق کی پابندی کرتے رہو۔

ثم أكدْه: صیغۂ امر ہے، أكّدَ الشئي (تفعیل اصلہ أكَدَ، مہموز الفاء) تاکیداً: پختہ کرنا، مضبوط بنانا، یعنی جب کوئی چیز یاد ہو جائے تو اس کو بار بار دہراتے رہو اور خوب اچھی طرح پختہ یاد کر کے اپنی کاپی پر اس کو لکھ لو تا کہ بوقت ضرورت اس کی طرف رجوع کر سکو۔

فا نتدب: صیغۂ امر ہے، انتَدَبَ إلى شئي ولَهُ وبه (افتعال، اصلہ نَدَبَ صحیح سالم) انتداباً: سبقت کرنا، جلدی سے کسی کام کے لیے اٹھ کھڑے ہونا، مطلب یہ ہے کہ جب ایک چیز پختہ یاد ہو جائے تو اب نئی چیز کے حصول کی طرف سبقت کرو، لیکن ساتھ ساتھ پچھلے اسباق کا تکرار بھی کرتے کراتے رہو اور مزید کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے رہو، نیک لوگوں کی صحبت میں رہو نیکوں کی صحبت دنیا و آخرت میں بھلائی اور

کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

اقتناءً: مصدر ہے، اقتنی المال (افتعال، اصلہ قنی، معتل اللام ناقص) اقتناءً: جمع کرنا، حاصل کرنا۔ کتمت: کَتَمَ العلم ونَحوَہٗ (ن، صحیح سالم) کَتماً و کِتماناً: چھپانا، الجِمتَ: بصیغۂ مجہول، اَلجَمَ الدابّۃَ (افعال اصلہ: ل، ج، م) إلجاماً: لگام پہنانا، تَلَھَّبَت: تلھبت النار (تفعل، اصلہ :لَھِبَ، صحیح سالم) تَلَھباً: آگ کا بھڑکنا۔

علوم کو چھپانا نہیں چاہیے، ورنہ جب آدمی علوم کو چھپائیگا تو نسیان کا شکار ہو جائیگا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس کو جاہل اور بے وقوف سمجھیں گے۔ اور اسی پر بس نہیں ہوگا بلکہ اس کو عذاب شدید بھی دیا جائیگا کہ قیامت کے دن اسکو آگ کی لگام پہنائی جائیگی۔

شاعر نے ان اشعار میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَن سُئِلَ عَن عِلمٍ فَکَتَمَہُ اُلجِمَ یوم القیامۃ بِلِجامٍ من نارٍ" کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔

یہاں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کتمان علم پر یہ سخت وعید انہیں علوم و مسائل سے متعلق ہے جو قرآن وحدیث میں واضح بیان کیے گئے ہیں اور ان کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام کی سمجھ میں نہ آسکتے ہوں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلاء ہو جائیں گے تو ایسے مسائل کو عوام کے سامنے نہ بیان کرنا ہی بہتر ہے، اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں۔ (التعلیق الصبیح ۱۵۲/۱)۔

وَلَا بُدَّ لِطَالِبِ العِلْمِ مِنَ المُذَاکَرَۃِ والمُنَاظَرَۃِ والمُطَارَحَۃِ، فَیَنْبَغِي أَنْ یکونَ بالانصافِ والتأنّي و التأمُّلِ، ویَحْتَرِزَ عن الشَّغَبِ والغَضَبِ؛ فإنَّ المناظرۃَ والمذاکرۃَ مُشَاوَرَۃٌ، وَالمُشَاوَرَۃُ إنما تکونُ لاستِخْرَاجِ

الصَّوَابِ، وذلك إِنَّمَا يَحْصُلُ بالتامّل والتَّأنّي والإنْصَافِ، ولايَحْصُلُ ذلك بالغَضَبِ و الشَّغَبِ.

فَإِنْ كانَتْ نِيَّتُهُ اِلْزَامَ الخَصْمِ وقَهْرِهِ فَلَا يَحِلُّ ذلك. وإنما يَحِلُّ ذلك بإِظْهَارِ الحَقِّ.

وأما إذا أَرَادَ التَّمْوِيْهَ والحِيْلَةَ فيها فلا يَجُوْزُ إلّا إذا كَانَ الخَصْمُ مُتَعَنِّتاً لا طَالِباً للحَقِّ.

وكانَ محمد بنُ يحى رحمه الله تعالىٰ إِذَا تَوَجَّهَ عَليه الإشكالُ ولَمْ يَحْضُرْهُ الجوابُ يقول: ما أَلْزمْتَهُ مِنَ السوال لَازِمٌ وأنافيه نَاظِرٌ، وفَوْقَ كُلِّ ذي عِلْمٍ عَلِيْمٌ.

ترجمہ: اور طالب علم کے لیے تکرار، بحث ومباحثہ اور علمی مسائل پر تبادلۂ خیال کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ سب کچھ انصاف سنجیدگی اور غور وفکر کے ساتھ ہونا چاہیے، شور وشغب اور غصہ سے احتراز کرے، اس لیے کہ بحث ومباحثہ اور تکرار تو آپسی مشورہ ہے اور مشورہ درست بات تک رسائی کے لیے ہوتا ہے، اور یہ غور وفکر، سنجیدگی اور انصاف سے ہوتا ہے نہ کہ شور وشغب اور غصہ سے۔

پس اگر کسی کا ارادہ اپنے مقابل کو زیر کرنا اور اس پر غلبہ پانا ہے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ یہ تو محض حق کو ظاہر کرنے کے لیے ہی درست ہے لیکن جب بحث ومباحثہ سے ملمع سازی اور حیلہ سازی کا ارادہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا مگر یہ کہ فریق مخالف دوسروں کی لغزش ڈھونڈنے والا ہو حق کا متلاشی نہ ہو، تو اس صورت میں جائز ہے۔

محمد بن یحیٰؒ سے جب کوئی اشکال کیا جاتا اور ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا تو فرماتے: جو اشکال آپ نے کیا ہے لازم آتا ہے اور میں اس میں غور وفکر کر رہا ہوں، ہر علم والے سے زیادہ علم والا موجود ہے۔

حل لغات: المُطَارَحَةُ: طَارَحَهُ (مفاعلت، اصلہ طَرَحَ، صحیح سالم) مطارحةً: تبادلہ خیال کرنا۔ الشَغَبُ: بسکون الغین وفتحها شَغَبَ (ف، صحیح سالم) شَغباً: شور کرنا قَهَرَهُ (ف، صحیح سالم) قهراً: غلبہ پانا، التَموِيهُ: مَوَّهَ عليه الأَمرَ (تفعیل، اصلہ مَاهَ، معتل العین، اجوف) تَمويهاً: ملمع سازی کرنا، جھوٹی بات خلاف واقعہ کہنا، الحيلَةَ: دھوکہ، چالاکی، ایسا ماہرانہ طریقہ جو ظاہر سے ہٹ کر مقصد تک پہنچنے کی حکمت عملی پر مبنی ہو۔ (ج) حِيَلٌ وحِوَلٌ آتا ہے۔

تشریح:۔طالب علم کے لیے از حد ضروری ہے کہ سبق کو غور سے سنے اور پھر اس کا تکرار کرے، بغیر تکرار و مذاکرہ کے علم باقی نہیں رہتا اور نہ ہی بغیر تکرار کے استعداد پیدا ہوتی ہے۔ حضرت امام زہریؒ کا بیان ہے کہ تکرار نہ کرنے سے نسیان پیدا ہو جاتا ہے اور علم ضائع ہو جاتا ہے۔

لیکن تکرار اور مذاکرہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سنجیدگی، انصاف، غور و فکر اور حق کی تلاش کی غرض سے کیا جائے نہ اپنے فریق مخالف (ساتھی) کو زیر کرنے کا ارادہ ہو اور نہ اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہو، اگر ایسا ارادہ ہوگا تو یہ تکرار اور مذاکرہ بجائے ثواب کے گناہ کا باعث ہوگا۔

وفائدةُ المُطَارَحَةِ والمُنَاظَرَةِ أَقْوَى مِن فائدةِ مُجرَّدِ التكرارِ، لأنَّ فيه تَكْرَاراً وزيادةً فقد قيل: مُطَارَحَةُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِن تكرارِ شَهْرٍ، ولكن إذا كان مع مُنصِفٍ سليمِ الطَّبْعِ.

وإياكَ والمذاكرةَ مع مُتَعَنِّتٍ غَيرِ مُسْتَقِيمِ الطبعِ فإنَّ الطبِيْعَةَ مُتَسَرِّقَةٌ مُتغيِّرةٌ، والأخلاقَ مُتعَدِّيَةٌ والمُجاوَرَةَ مُؤَثِّرَةٌ.

وفي الشعر الذي ذكره الخليلُ بنُ أحمدَ رحمه الله تعالىٰ فَوَائِدُ كَثِيْرَةٌ وقَدْ قِيْلَ:

العِلْمُ مِن شَرْطِهِ لِمَنْ خَدَمَه أَنْ يَجْعَلَ الناسَ كُلُّهُم خَدَمَهُ.

ترجمہ: علمی بحث ومباحثہ اور مناظرہ کا فائدہ محض تکرار کے فائدے سے زیادہ قوی ہے، کیوں کہ اس میں تکرار بھی ہے اور زیادتی ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ: ایک گھڑی کا بحث ومباحثہ ایک مہینے کے تکرار محض سے زیادہ بہتر ہے لیکن یہ جب ہی ہے جبکہ یہ مناظرہ انصاف پسند اور سلیم الطبع کے ساتھ ہو غیر سلیم الطبع اور اپنے مدمقابل کو لاجواب کرنے کا ارادہ رکھنے والے سے بحث مباحثہ کرنے سے احتراز کرو کیوں کہ طبیعت چرانے والی اور بدلنے والی ہے، اور اخلاق متعدی ہوتے ہیں، اور صحبت اثر انگیز ہوتی ہے۔

خلیل بن احمدؒ کے ماقبل میں ذکر کردہ اشعار میں بہت سی مفید باتیں ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ علم کی شرط یہ ہے کہ یہ تمام لوگوں کو اس شخص کا خادم بنادیتا ہے جس نے اس (علم) کی خدمت کی ہوتی ہے۔

حل لغات: مُتَسَرِّقَةٌ: اسم فاعل مؤنث ہے، تَسَرَّقَ الشئی (تفعل، اصلہ سَرَقَ، صحیح سالم) تسرقاً: تھوڑا تھوڑا لینا، چوری کرنا، مُتَغَيِّرَةٌ: اسم فاعل ہے، تَغَيَّرَ الشئیُ (تفعل اصلہ غَارَ، اجوف یائی) تغیراً: بدلنا، متغیر ہونا۔ مُتَعَدِّيَةٌ: تَعَدّى الشئِيَ (تفعل اصلہ عَدَا، ناقص وادی) تَعَدِّياً: حد سے تجاوز کرنا، دوسرے تک پہنچنا، المُجاوَرَةُ: مصدر ہے، جَاوَرَهُ (مفاعلت، اصلہ جَارَ، اجوف وادی) مُجَاوَرَةً وجِوَاراً ساتھ رہنا، باہم قریب رہنا، خَدَمَهُ: صیغہ فعل ماضی (ن، ض، صحیح سالم) خِدمَةً: خدمت کرنا، خَدَمَةُ: یہ خَادِمٌ کی جمع ہے، بمعنی خدمت گزار۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ نے بحث ومباحثہ اور مناظرہ کے فائدے کا تذکرہ کیا ہے کہ بحث ومباحثہ اور علمی تبادلۂ خیال کرنا تکرار محض سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ بحث ومباحثہ سے ایسے دقیق معانی تک رسائی ہوجاتی ہے جن کا سمجھنا مطالعہ اور تکرار سے مشکل ہوتا ہے۔ البتہ شرط یہی ہے کہ مباحثہ سنجیدہ اور انصاف پسند آدمی سے ہو اور جس کی طبیعت

میں سلامتی نہ ہو اس کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ ہرگز نہ کیا جائے، کیونکہ اگر غیر سلیم الطبع سے بحث و مباحثہ ہوگا تو اس کے برے اخلاق کا اثر سلیم الطبع طالب علم پر بھی پڑے گا، اس لیے کہ طبیعت تو ایک دوسرے کا اثر قبول کرتی ہی ہے، سرکش طالب علم کے ساتھ رہ کر یقیناً برے اوصاف اس کی طرف آئیں گے، لہذا ایسے طالب علم سے تو اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں ''اخدم العلم خدمة المستفيد'' سے جو اشعار بیان کیے گئے ہیں ان میں طالب علم کے لیے بہت فوائد ہیں، بطور خاص ان میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ عقلمند لوگوں کے ساتھ رہو اور علمی بحث و مباحثہ کرتے رہو۔

کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ علم کے لیے جتنی محنت کر سکو کرو، اس کی خوب خدمت کرو، رات دن کتب بینی اور مطالعہ میں لگے رہو، اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق تصنیف کرتے رہو، کیوں کہ جو شخص علم کی خدمت کرتا ہے تو یہ علم تمام لوگوں کو اس کا خادم بنا دیتا ہے کہ لوگ خود بخود آتے ہیں اور اس کی خدمت کرتے ہیں، یہ خصوصیت صرف اور صرف علم ہی کی ہے۔

وينبغي لِطَالِبِ العلمِ أن يكونَ مُتَأمِّلاً في جميعِ الأوقاتِ في دَقَائِقِ العلمِ، ويَعْتَادُ ذلك، فإنما تُدْرَكُ الدَّقَائِقُ بالتأمُّلِ ؛ ولهذا قيل: تَأمَّلْ تُدْرِكْ ہو لا بد من التأمُّلِ قَبْلَ الكَلَامِ حتّى يَكُوْنَ صَوَاباً، فإنّ الكلامَ كالسَّهْمِ فلا بُدّ مِن تَقْوِيْمِه بالتأمّلِ قبل الرَّمْيِ حتّى يكون مُصِيْباً، وقال فِي أصولِ الفقه: هذا أصلٌ كَبِيْرٌ، وهو أن يكون كَلَامُ الفَقِيهِ الْمُنَاظِرِ بالتأمّلِ.

وقيل: رَأسُ العَقْلِ أن يكونَ الكَلَامُ بالتَّثَبُّتِ و التأمُّلِ، قال القائلُ:

أُوْصِيْكَ بنَظْمِ الكَلَامِ بِخَمْسَةٍ ۔۔۔ إنْ كُنْتَ لِلْمُوْصِي الشفِيْقِ مُطِيْعاً
لا تُغْفِلَنْ سَبَبَ الكلامِ ووَقْتَه ۔۔۔ والكَيْفَ والكَمَّ والمَكَانَ جَمِيْعاً

ويَكُوْنُ مُسْتَفِيْداً في جميع الأحْوالِ والأوقاتِ، ومِنْ جميعِ الأشْخاصِ.
قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم :"الحِكْمَةُ ضَالَّةُ المُؤمِنِ، أيْنما وَجَدهَا أخَذَها".
وقيل: خُذْ مَا صَفَا لَكَ، ودَعْ ما كَدُرَ.
وسمعت الشيخَ الإمامَ الأجَلَّ الأستاذَ فَخْرالدين الكاشَانِي رحمه الله تعالىٰ يقولُ: كَانَتْ جَارِيةُ أبي يوسفَ أمانةً عِنْدَ محمدٍ رحمه الله تعالىٰ فقال لَهَا: هل تَحْفَظِيْنَ في هذا الوقتِ من أبي يُوْسُفَ في الفِقْهِ شَيْئاً؟ فقالَتْ: لَا، إلّاأنّه كَانَ يُكَرِّرُ ويَقُوْلُ: سَهْمُ الدَّوْرِسَاقِطٌ، فحَفِظَ ذلك مِنْهَا، وكَانَتْ تلك المَسْئَلَةُ مُشْكِلَةً على محمدٍ، فارْتَفَعَ إشْكَالُه بِهذه الكَلِمَةِ، فَعُلِمَ أنَّ الاستفادةَ مُمْكِنَةٌ مِنْ كُلِّ أحدٍ.
ولهٰذَا قال أبو يوسف رحمه الله تعالى حِيْنَ قيل له: بِمَ أدْرَكْتَ العِلْمَ؟ قال: ما اسْتَنْكَفْتُ مِن الاسْتِفَادَةِ ومَا بَخِلْتُ بِا لإفَادَةِ.
وقيل لابنِ عبّاسٍ رضى الله عنه: بِمَ أدْرَكْتَ العِلْمَ؟ قال:بِلِسَانٍ سَؤُوْلٍ وقَلْبٍ عَقُوْلٍ.
وإنّما سُمِّيَ الطالبُ "ما تَقُوْلُ" لِكَثْرَةِ مَا كَا نُوا يَقُوْلونَ في الزمانِ الأوّلِ: ما تقُوْلُ في هذه المَسْئَلَةِ.

ترجمہ: اور طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ ہمہ وقت علم کی باریکیوں میں غور وفکر کرنے والا ہو، اور اس کا عادی بن جائے کیونکہ علم کی باریکیاں غور وفکر سے ہی حاصل ہوتی ہیں، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غور وفکر کرو، حاصل کرلو گے، اور بولنے سے پہلے ہی غور وخوض کر لینا ضروری ہے، تاکہ کلام درست ہو، اس لیے کہ کلام تیر کی مانند ہے لہٰذا گفتگو کرنے سے پہلے غور وفکر کر کے کلام کا درست کر لینا ضروری ہے، حتیٰ کہ وہ بات کہنے میں درستگی پر ہو۔

اور اصول فقہ میں (صاحب اصول فقہ نے) کہا ہے: کہ یہ ایک بڑی بنیادی چیز ہے کہ مناظر فقیہ کا کلام غور و فکر کے ساتھ ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ عقلمندی کی بنیاد یہ ہے کہ گفتگو سنجیدگی اور تامل کے ساتھ ہو۔

کسی کہنے والے نے شعر میں کہا ہے: میں آپ کو منظم کلام کرنے کے حوالے سے پانچ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، اگر تم مہربان وصیت کرنے والے کے فرمان بردار ہو: مقصد گفتگو، اوقات گفتگو، طرز گفتگو، مقدار گفتگو اور مکان گفتگو جیسی تمام چیزوں سے غافل نہ رہو۔

(نیز طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ) وہ تمام احوال اور اوقات میں ہر شخص سے استفادہ کرنے والا ہو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: حکمت اور دانائی تو مؤمن کی گم شدہ چیز ہے اس کو جہاں پائے حاصل کرلے۔

اور کہا گیا ہے کہ جو چیز تمہارے لیے اچھی ہو اسے لے لو اور جو چیز گندی ہو اس کو چھوڑ دو۔

میں نے عظیم المرتبت امام استاذ شیخ فخر الدین کا سانی ؒ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضرت امام ابو یوسف ؒ کی ایک باندی امام محمد ؒ کے پاس بطور امانت تھی۔ امام محمد ؒ نے اس باندی سے پوچھا کیا تمہیں اس وقت امام ابو یوسف ؒ کی فقہ میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں؛ البتہ امام ابو یوسف ؒ بار بار یہ فرماتے تھے "سَهْمُ الدَّوْرِ سَاقِطٌ" کہ دور کا حصہ ساقط ہے، امام محمد ؒ نے باندی سے سن کر یہ بات یاد کرلی، جبکہ امام محمد ؒ کے لیے یہ مسئلہ مشکل بنا ہوا تھا، باندی کے اس جملہ سے ان کا اشکال ختم ہو گیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہر ایک سے استفادہ کرنا ممکن ہے۔

اسی وجہ سے جب امام ابو یوسف ؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس طرح علم حاصل کیا؟ تو فرمایا کہ میں نے نہ تو استفادہ کرنے میں شرم محسوس کی اور نہ ہی دوسروں کو فائدہ پہنچانے

میں بخل کیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کیسے علم حاصل کیا تو فرمایا: بہت زیادہ سوال کرنے والی زبان اور بہت زیادہ سمجھ رکھنے والے دل سے علم حاصل کیا۔

اسی وجہ سے (پہلے زمانے میں) طالب علم کا نام ہی ”ما تقُولُ“ پڑ گیا تھا، کیونکہ دور قدیم میں طلبہ بکثرت آپس میں یہ کہتے تھے ”ما تقُولُ في هذه المسألَةِ“ کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حل لغات: يَعتَادَ: اعتَادَ الشئى (افتعال، اصلہ عَادَ، اجوف واوی) اعتِيَاداً: اپنی عادت بنانا، تقويمُه : قَوَّمَ المُعَوَّجَ (تفعیل، اصلہ قَامَ اجوف واوی) تقويماً: سیدھا کرنا، درست کرنا، مُصِيباً: اسم فاعل ہے أصَابَ (افعال اصلہ صَابَ اجوف واوی) إصاباً و إصَابَةً: آدمی کا حق بجانب پہنچنا، قول وفعل کا ٹھیک ہونا، التَّثَبُّتُ: تَثَبَّتَ في الكلام (تفعل اصلہ ثَبَتَ، صحیح سالم) تَثَبُّتاً: تحقیق کرنا، غور وفکر سے کام لینا، الكيف: طریقہ، الكم: مقدار، صَفَا (ن، ناقص واوی) صفواً و صَفَاءً: خالص اور صاف ستھرا ہونا، كَدِرَ (س، صحیح سالم) كدراً و كَدُرَ (ک) كَدَارَةً و كدورةً: گدلا ہونا، استَنكَفتُ: استنكف مِنَ الشئى و عَنهُ (استفعال، اصلہ نَكَفَ صحیح سالم) استنكافاً: رکنا، بڑائی اور تکبر کی وجہ سے کسی کام میں عار محسوس کرنا، سؤُولٌ: مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت زیادہ سوال کرنے والا، العَقُول: یہ عَاقِلٌ کا مبالغہ ہے بہت زیادہ سمجھ دار۔

تشریح: اس مفصل عبارت میں مصنفؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ طالب علم ہمہ وقت علم کی باریکیوں میں متفکر رہے، اس لیے کہ علم کی باریکیوں میں غور وخوض کرنے سے نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں اور بہت سی وہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو محض مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتیں۔ طالب علم بطور خاص اس امر کا لحاظ رکھے کہ فضول گوئی سے بچے،

جب گفتگو کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچ لے اور کلام کے مثبت اور منفی پہلو میں تفکر کرے، یہاں تک کہ اس کا کلام بالکل صحیح اور درست رہے، کلام کی مثال بالکل تیر کے مانند ہے کہ جس طرح تیر میں اگر ٹیڑھا پن ہو اور اسکو پھینکنے سے قبل درست نہ کیا گیا ہو تو وہ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا، بالکل اسی طرح جس کلام میں تکلم سے پہلے تفکر نہ ہو وہ بھی غیر مفید ہوگا اور مقصد اس سے حاصل نہ ہوگا، کسی صاحب اصول فقہ نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ فقیہ اور مفتی کا کلام تو تأمل اور غور وفکر کے بعد ہی ہونا چاہئے، اس کے لیے یہ ایک بہت بڑا اصول ہے آدمی کی عقل کا مدار ہی اس بات پر ہے کہ اس کا کلام تدبر اور غور وفکر کے بعد ہو۔

کسی شاعر نے اپنے مخاطبین سے بڑے دردمندانہ انداز میں یہ کہا ہے کہ اگر تم نصیحت قبول کرو تو میں تم کو گفتگو کے سلسلے میں پانچ باتوں کی نصیحت کرتا ہوں اور میں اپنی نصیحت کرنے میں تمہارا مشفق اور خیر خواہ ہوں، شاعر کہتا ہے:

(۱) گفتگو صرف مقصد اصلی پر ہونی چاہئے، جب بھی گفتگو کرو تو مقصد گفتگو کو پیش نظر رکھو۔

(۲) اوقات گفتگو سے غافل نہ ہو، انہیں اوقات میں گفتگو کرو جن میں گفتگو کرنا مناسب ہو، ایسا نہ ہو کہ مجلس میں کسی خاص موضوع پر بحث ہو رہی ہو اور اسی وقت تم دوسری بات شروع کردو۔

(۳) انداز گفتگو سے بھی غافل نہ ہونا، کلام کرتے وقت تمہارا انداز نرم ہونا چاہئے۔

(۴) ضرورت کی بقدر گفتگو کرو فضول گوئی سے حتی الوسع اجتناب کرو۔

(۵) جس مجلس میں گفتگو کر رہے ہو اس کا پاس ولحاظ رکھو، ایسا نہ ہو کہ مجلس میں کسی کی توہین ہو جائے۔

شاعر کے اس کلام سے یہ معلوم ہوا کہ سوال کرنا اور کلام کرنا بڑی اہمیت کی چیز ہے اس کے طریقۂ کار کو طالب علم ہر وقت اپنے پیش نظر رکھے۔

ويكون مستفيداً في جميع الأحول......: طالب علم میں حصول علم کا ایسا بے

پناہ شوق اور جذبہ ہو جو اس کو ہر وقت استفادہ کرنے پر آمادہ کرتا رہے، حصول علم میں اس کو عار اور شرم نہ ہو یہ ہرگز نہ دیکھے کہ معلم شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا رضیع خاندان سے، وہ صغیر ہے یا کبیر، مذکر ہے یا مؤنث، اسی چیز کی طرف حضور علیہ السلام نے اپنے قول "الحکمة ضالة المؤمن" سے اشارہ فرمایا ہے، کہ علم وحکمت تو مؤمن کا کھویا ہوا سامان ہے ہر وقت اس کا متلاشی رہے، جہاں اس کو اپنا کھویا ہوا سامان مل جائے اس کو فوراً حاصل کرلے، البتہ اس کا خیال رکھے کہ صاف چیز کو حاصل کرے یعنی ایسے علم سے اجتناب کرے جو دینی اعتبار سے بالکل نافع نہ ہو۔

مصنفؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر ایک سے علمی استفادہ کرنا چاہئے اپنی اس بات کے استشہاد میں امام ابو یوسفؒ کی ایک باندی کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے حصول علم میں ایک باندی سے بھی عار محسوس نہیں کی، باندی سے ہی علم حاصل کرلیا۔

صورت حال یوں ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک باندی حضرت امام محمدؒ کے یہاں بطور امانت رہتی تھی، ایک روز امام محمدؒ نے اس باندی سے یہ معلوم کیا کہ تمکو حضرت امام ابو یوسفؒ کے حوالے سے کوئی فقہی مسئلہ یاد ہے؟ باندی نے کہا کہ نہیں! البتہ اتنا یاد ہے کہ امام ابو یوسفؒ اکثر و بیشتر یہ فرماتے رہتے تھے "سَهمُ الدَّورِ ساقِطٌ"، حضرت امام محمدؒ اس مسئلہ میں بہت دنوں سے پریشان تھے، باندی کے اس کلام کو سن کر وہ فوراً سمجھ گئے اور ان کا پیچیدہ مسئلہ حل ہوگیا۔

سهم الدو ر ساقط: یہ ایک فقہی مسئلہ ہے، صورت اس کی یوں پیش آئی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ تقریباً ہر سال حج کیا کرتے تھے، جب آپ حج کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کے تلامذہ استقبال کرنے کے لیے آتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حج کے لیے روانگی کا وقت آیا تو آپ کے تلامذہ آپ کے پاس کوفہ میں حاضر ہوئے، ملاقات کے بعد انہوں نے آپ سے ایک ایسا مسئلہ معلوم کیا جس کا جواب دینے میں بہت سے حضرات

سے غلطی ہوگئی تھی، اور یہ مسئلہ یہی 'مسئلۂ دور' تھا، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے سن کر فوراً بر جستہ جواب دیا "اسقِطُوا السَّهمَ الدَّائرَ" کہ جب حصہ میں دور لازم آرہا ہے اس کو گرادو مسئلہ صحیح ہو جائیگا، آپ کے تلامذہ اس جواب کو سن کر مطمئن ہو گئے۔

اب مسئلہ دور سنیئے: ایک مریض مثلاً خالد نے اپنا ایک غلام دوسرے مریض مثلاً زید کو ہبہ کیا اور اس کے حوالے بھی کر دیا، پھر موہوب لہ زید نے واہب خالد کو یہی غلام ہبہ کر دیا اور سپرد بھی کر دیا، اس کے بعد اسی مرض میں دونوں کا انتقال ہو گیا، اور ان کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہیں ہے، اب اس غلام کی تقسیم میں دور لازم آرہا ہے، کیوں کہ خالد نے جو غلام زید کو ہبہ کیا ہے یہ ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے صرف تہائی حصہ میں نافذ ہوگا، گویا خالد کی جانب سے زید کو ایک تہائی غلام پہنچا، پھر چونکہ زید نے جو کہ مرض الموت ہی میں تھا، واہب خالد کو ہبہ کر دیا زید جس ایک تہائی کا مالک ہوا تھا اس تہائی کا تہائی واہب اول خالد کو ملیگا، واہب اول خالد کے مال میں اضافہ ہو گیا، اس لیے زید سے جو تہائی کا تہائی ملا ہے اس کا تہائی پھر خالد کو ملنا چاہئے، اب اس خالد کے مال میں پھر اضافہ ہوا، اس لیے اس اضافہ کا تہائی حصہ پھر زید کو ملا، پھر زید خالد کو دے گا، اسی طرح چلتا رہے گا، اسی کا نام دور ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس حصہ میں دور لازم آتا ہے اس کو ساقط کر دو مسئلہ صحیح ہو جائیگا اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک ایسا عدد متعین کیجئے جس کے تہائی کا تہائی نکل سکے، وہ نو کا عدد ہے، ہبہ ایک تہائی یعنی تین میں درست ہوا چوں کہ دوسرے نے بھی وصیت کی ہے اس لیے اس کو ملے ہوئے ایک تہائی یعنی تین کا تہائی (ایک حصہ) واہب اول خالد کو ملا یہی ایک وہ حصہ ہے جس میں دور لازم آتا ہے اس کو ساقط کر دیجئے آٹھ رہ جائیگا جس میں ایک تہائی (تین) دوسرے کو دیا، پھر ان تین میں سے ایک واہب اول کی طرف واپس آگیا، واہب اول کے پاس چھ ہو گئے اور دوسرے کے پاس

دورہ گئے، واہب ثانی کا دوگنا بھی ہے، اور واہب ثانی کے پاس واہب اول کا ایک ثلث یعنی دو ہے۔ اب مسئلہ صحیح ہوگیا۔ (شرح شیخ ابن اسمعیل ۳۸)

اس مسئلہ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوا کہ حصول علم میں عار محسوس نہ کرنی چاہئے، جیسا کہ امام محمدؒ نے ایک باندی سے استفادہ کرنے میں عار محسوس نہیں کی۔

اپنی اسی بات کی تائید میں مصنفؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت علیؓ کے اقوال کو بھی پیش کیا ہے۔

وإنما تَفَقَّهَ أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ بكَثْرَةِ المُطَارَحَةِ والمُذَاكَرَةِ في دُكَّانِه حِيْنَ كَانَ بَزَّازاً، فبِهذا يُعْلَمُ أنَّ تحصيلَ العِلْمِ والفِقْهِ يَجْتَمِعُ مَعَ الكَسَبِ، وكَانَ أبُو حَفْصٍ الكبير رحمه الله تعالىٰ يَكْتَسِبُ ويُكَرِّرُ.

فإن كان لا بُدّ لِطالِبِ العِلْمِ مِنَ الكَسْبِ لِنَفْقَةِ عَيَالِه وغَيْرِهِ فَلْيَكْتَسِبْ ولْيُكَرِّرْ ولْيُذَاكِرْ، ولا يَكْسِلُ، ولَيْسَ لِصَحِيْحِ البَدنِ والعَقْلِ عُذْرٌ في تَرْكِ التعلمِ والتفقهِ، فإنّه لا يَكُوْنُ أَفْقَرَ مِن أبِي يوسف ولَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ التفقهِ، فَمَنْ كَانَ له مَالٌ كَثِيْرٌ فَنِعْمَ المالُ الصالحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ المُنْصَرِفِ في طريقِ العِلْمِ.

قيل لِعالِمٍ: بِمَ أَدْرَكْتَ العَلْمَ؟قال: بِأَبٍ غَنِيّ، لِأَنَّه كَانَ يَصْطَنِعُ بِه أَهْلَ العِلْمِ وَالفَضْلِ، فإنه سَبَبُ زِيَادَةِ العِلْمِ، لأنه شُكْرٌ عَلىٰ نِعْمَةِ العقلِ والعِلْمِ وهُوَ سَبَبُ الزيادةِ.

قيل : قالَ أبوحنيفة إنّمَا أَدْرَكْتُ العِلْمَ بالحَمْدِ لِلّٰه والشُّكْرِ ،فَكُلّماَ فَهِمْتُ شَيْئاً مِن العُلومِ ووَقَفْتُ على فِقْهٍ وحِكْمَةٍ قلتُ : الحمدُ لِلّٰه تَعالىٰ، فَازْدَادَ عِلْمِي.

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کپڑا فروشی کے زمانے میں اپنی دکان میں علمی

بحث ومباحثے اور مذاکرے سے ہی فقہ میں مہارت حاصل کی۔ معلوم ہوا کہ تحصیل علم وفقہ کسب معاش کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ حضرت ابو حفص کبیرؒ کسب معاش بھی کرتے اور علمی مذاکرہ بھی کرتے تھے۔

پس اگر کسی طالب علم کے لیے اپنے اہل وعیال کی خاطر کسب معاش ضروری ہو تو کسب معاش بھی کرے اور تکرار و مذاکرہ بھی کرے۔ سستی نہ کرے، اس لیے کہ عقلمند اور صحت مند شخص کے لیے تحصیل علم اور فقہی بصیرت کو ترک کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی طالب علم حضرت امام ابو یوسفؒ سے زیادہ محتاج نہ ہوگا، حالانکہ ان کی محتاجگی نے ان کو تحصیل علم سے نہیں روکا۔ پس جس کے پاس زیادہ مال ہو تو بہترین مال اس بہترین شخص کے لیے ہے جو علمی سفر میں ہو۔

ایک عالم سے کہا گیا: آپ نے کس طرح علم حاصل کیا؟ فرمایا: مالدار والد کی بدولت، اس لیے کہ وہ اس مال کے ذریعہ اہل علم وفضل کے ساتھ حسن سلوک (احسان کا معاملہ) کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ چیز زیادتیٔ علم کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ یہ عقل وعلم کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے اور شکر ادا کرنا زیادتیٔ علم کا سبب ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے علم حاصل کیا حمد وثنا، اور اس کا شکر ادا کرنے کے ذریعہ، جب جب میں کسی علم کو سمجھتا یا مجھے کسی فقہی مسئلے یا حکمت و دانائی کی بات معلوم ہوتی تو میں کہتا: **الحمد للّٰہ تعالیٰ** (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں)، اس سے میرے علم میں اضافہ ہوا۔

حل لغات: **اَلْمُطَارَحَۃُ:** **طَارَحَہُ الحدیثَ ونَحْوَہُ** (مفاعلت، صلہ طَرَحَ، صحیح سالم) **مُطَارَحَۃً:** تبادلۂ خیال کرنا، بحث ومباحثہ کرنا۔ **یَصْطَنِعُ:** **اِصْطَنَعَ بہ وعِنْدَہ** (افتعال، اصلہ صَنَعَ، صحیح سالم) **اِصْطِنَاعًا:** حسن سلوک کرنا۔

تشریح: طالب علم کو ہمہ وقت بحث وتکرار میں لگے رہنا چاہئے، اگر اس کو کسب

معاش کی ضرورت ہو اور کسی پیشے کو یہ اختیار کرے تو بھی علمی بحث و مباحثہ کو برقرار رکھے جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کپڑا فروشی کے مشغلہ میں مصروف تھے اور اپنی دوکان پر بیٹھتے تھے لیکن پھر بھی بحث و مباحثہ اور تکرار ضرور کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ دنیا کے بڑے امام بنے۔ اسی طرح فقیہ ابو حفص کبیرؒ کسب معاش بھی کرتے تھے اور بحث و تکرار بھی۔

ایسے ہی حضرت امام ابو یوسفؒ نہایت غریب تھے اور بڑی محنت و مشقت سے اپنے گھر والوں کا خرچ چلاتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی وہ حصول علم میں کمی نہیں کرتے تھے۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مال عطا کرے تو اس کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو حصول علم پر خرچ کرے، اگر اس نے اپنے مال کو حصول علم پر خرچ کرلیا تو اس کا یہ مال بہترین اموال میں شمار ہوگا اور قیامت کے دن اس کے لیے نجات کا سبب بنے گا۔

طلبہ کے والدین کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اموال کو اپنی اولاد کے اساتذہ کرام پر صرف کریں، اس سے ان کی اولاد کو زیادتیٔ علم حاصل ہوگی۔ اخیر میں حضرت مصنفؒ نے یہ نصیحت بھی فرمائی ہے کہ اس سب کے باوجود اپنی عقل اور اپنے علم پر ناز نہ ہو بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کرتا رہے اور اس کا اپنی زبان سے شکر ادا کرتا رہے۔ اس سے انشاء اللہ علم میں زیادتی حاصل ہوگی۔

وهكذا ينبغي لِطَالِبِ العِلْمِ أن يَشْتَغِلَ بالشُّكْرِ بِاللِّسَانِ والجِنَانِ والأَرْكَانِ والمَالِ، وَيرَى الفَهْمَ والعِلْمَ والتوفيقَ مِن اللّٰه تعالىٰ. ويَطْلُبَ الهِدايَةَ مِن اللّٰه تعالىٰ بِالدُّعَاءِ له، والتَّضَرُّعِ إليه، فإنه تعالىٰ هَادٍ مَنْ اسْتَهْدَاهُ، فأهْلُ الحَقِّ - وهُمْ أهلُ السُّنَّةِ والجَمَاعَةِ - طَلَبُوا الحَقَّ مِنَ اللّٰه تعالىٰ الحَقِّ المُبِينِ الهَادِي العَاصِمِ، فَهَدَاهُمُ اللّٰه تعالىٰ وعَصَمَهُمْ عَنِ الضَّلَالَةِ.

وأهلُ الضَّلَالَةِ اعْجِبُوْا بِرَأيِهِم وعَقْلِهِمْ وطَلَبُوا الحَقَّ مِنَ المَخْلُوْقِ العَاجزِ وهو العَقلُ، لأن العقلَ لا يُدْرِكُ جميعَ الأشياءِ، كَالبَصَرِ لا يُبْصِرُ جميعَ الأشياءِ فحُجِبُوا وعَجَزُوا وضَلُّوا وأضَلُّوا.

قال رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم: "الغَافِلُ مَنْ عَمِلَ بِغَفْلَتِهِ، والعَاقِلُ مَنْ عَمِلَ بعَقْلِه"

فَالعَمَلُ بِالعَقْلِ أولًا: أَنْ يَعْرِف عَجْزَ نَفْسِهِ عن مَعْرِفَةِ الحَقِّ، قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرف رَبَّه".

فإذا عَرَفَ عَجزَنَفْسِهِ عَرَفَ قُدْرَةَ اللّٰه تعالىٰ، ولا يَعْتَمِدُ علىٰ نفْسِهِ وعَقْلِه، بَلْ يَعْتَمِدُ وَيَتوكَّلُ عَلَى اللّٰه تعالىٰ، ويَطْلُبُ الحَقَّ مِنه؛ "وَمَنْ يَتوَكَّلْ عَلَى الله فَهُوَ حَسْبُه." وَيَهْدِيْهِ إلىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيم.

ترجمہ: ایسے ہی طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی زبان، دل، جوارح اور تمام اعضاء سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکرادا کرتا رہے، فہم وسمجھ، علم اور اس کی توفیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے سمجھے، اللہ تعالیٰ سے دعا اور گریہ زاری کر کے ہدایت کا طالب رہے، اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتا ہے اللہ اسی کی راہنمائی کرتا ہے، چنانچہ اہل حق یعنی اہل سنت والجماعت نے اس خدا سے راہ حق مانگی، جو خدا حق ہے، (حقیقت کو) واضح کرنے والا ہے، ہدایت دینے والا ہے اور (گمراہی سے بندوں کی) حفاظت کرنے والا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ ہدایت نصیب فرمائی اور ان کو گمراہی سے بھی بچایا۔

(اس کے برخلاف) گمراہ لوگوں کو اپنی رائے اور عقل پر ناز ہوا اور انھوں نے حق کو عاجز مخلوق یعنی عقل سے مانگا (عقل عاجز مخلوق اس لیے ہے کہ) عقل تمام چیزوں کو نہیں جان سکتی جیسا کہ آنکھ تمام چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی؛ تو وہ محروم وعاجز رہے، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غافل وہ شخص ہے جو اپنی غفلت اور لاپرواہی پر عمل کرے، اور عاقل وہ ہے جو اپنی عقل پر کاربند رہے، عقل کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ معرفت الٰہی سے اپنے آپ کو عاجز سمجھے، حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا، جب وہ اپنے آپ کی عاجزی کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھی پہچان لے گا، اور اپنی ذات و اپنی عقل پر اعتماد نہیں کرے گا بلکہ اس کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہوگا، اور اسی سے حق کا طالب بھی رہے گا۔ (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

حل لغات: الجنان: دل، جمع اُجنان آتی ہے۔ الارکان: اعضاء و جوارح، یہ رُکنٌ کی جمع ہے، استهدى: (استفعال، اصلہ هدى، ناقص یائی) استهداءً: ہدایت طلب کرنا، عَصَمَهُم: عَصَمَ فُلَانًا من الشر ونحوه (ض، صحیح سالم) عصمةً: حفاظت کرنا، اعْجِبُوا: أُعجِبَ بالشيء (افعال، اصلہ عجب، صحیح سالم) إعجاباً: خوش ہونا، ناز کرنا، حُجِبُوا: حَجَبَهُ (ن، صحیح سالم) حَجباً: روکنا، محروم کرنا۔

تشریح: اسی طرح طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ وقت دل وزبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حصول علم کے لیے منتخب فرمایا جو ایک بڑی نعمت ہے، اگر اس کے پاس مال ہے تو اپنے اس پاکیزہ مال سے غرباء اور نادار ساتھیوں کی بطور خاص خدمت کرے، اپنی فہم وفراست پر کبھی بھروسہ نہ کرے بل کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھے اور اسی سے دعاء کرتا رہے تاکہ فہم وفراست میں مزید ترقی ہو، اہل سنت والجماعت کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ وہ ہر وقت اللہ سے ہدایت کے طالب رہتے ہیں، اپنی عقل وفہم پر انہیں ذرا بھی ناز نہیں ہوتا، اس کے برخلاف جن لوگوں نے عقل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا، اس لیے طالب علم کو اپنی

عقل وفہم پر اعتماد کامل کر کے اسی کو معیار نہیں بنانا چاہئے، صحیح یہ ہے کہ عقل وفہم کے ساتھ ساتھ اپنے کو ہدایت کے سلسلے میں خدا کا محتاج تصور کرے کیوں کہ خدا تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے اور گمراہی سے بچانے والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا، یعنی جس نے اپنے آپ کو مخلوق کی صفات: عجز، فنا، ضعف اور فقر کے ساتھ پہچان لیا اس نے اپنے خالق کو اس کی صفات کے ساتھ پہچان لیا کہ وہ قدرت والا ہے، بقاء، قوت اور غنا سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ (شرح شیخ ابن اسمٰعیل ۳۹)

ومَنْ كَانَ له مالٌ فلاَ يَبْخَلْ، وَيَنْبَغِي أنْ يَتعَوَّذَ باللّٰهِ تعالى مِنَ البُخْلِ، قالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم : أَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ البُخْلِ".

وكان أبو الشيخِ الإمامُ الأجَلُّ شَمْسُ الأئمةِ الحَلْوَانِي فَقِيْراً يَبِيْعُ الْحَلْوَاءَ، وكان يُعْطِي الفُقَهَاءَ ويقولُ: ادْعُوْا لِابْنِي، فَبِبَرَكَةِ جُوْدِهٖ واعْتِقَادِهٖ، وشَفَقَتِهٖ وتَضَرُّعِهٖ بالله تعالى نَالَ ابْنُهُ مَا نَالَ.

ويشتري بالمَالِ الكُتُبَ، ويَسْتَكْتِبَ فيكونُ عَوْناً على التَّعَلُّمِ والتَّفَقُّهِ.

وقَدْ كَانَ لِمُحَمَّدِ بنِ الْحَسن رحمه الله تعالىٰ مالٌ كَثِيرٌ حتىٰ كَانَ لَهُ ثلاثُ مائةٍ من الْوُكَلاءِ عَلَىَ مالِه، فَانْفَقَهَ كُلَّهُ في العِلْمِ والفِقْهِ، ولَمْ يَبْقَ له ثَوْبٌ نَفِيسٌ، فَرَآهُ أبو يُوْسُف رحمه الله تعالىٰ في ثوبٍ خَلَقٍ؛ فَارسَلَ إليه ثِيَاباً نَفِيْسَةً فلَمْ يَقْبَلْهَا، فقال: عُجِّلَ لَكُمْ واُجِّلَ لَنَا، ولَعَلَّهُ إنَّمَا لَمْ يَقْبَلْهَا. وإنْ كَانَ قُبُولُ الهَدِيَّةِ سُنَّةً. لِمَا رَاٰى في ذلك مَذَلَّةً لِنَفْسِه.

وقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: لَيْسَ لِلْمُؤمِنِ انْ يُذِلَّ نَفْسَهُ، وحُكِيَ انَّ الشيخَ الإمامَ فَخرَالإسلامِ الأرسَابَنْدِيَّ رحمه الله تعالىٰ جَمَعَ قُشُوْرَ البِطِّيخِ المُلْقَاةَ في مكانٍ خَالٍ فَغَسَلَهَا واكَلَهَا، فَرَاٰتْهُ جَارِيَةٌ فَأخْبَرَتْ

بذلك مولاها، فَاتَّخَذَ له دعوةً فدَعَاهُ إِلَيْهَا فَلَمْ يَقْبَلْ لِهٰذا.

وهكذا ينبغي لطالبِ العِلْمِ أن يكونَ ذا هِمَّةٍ عَالِيةٍ لايَطْمَعُ فِي أموالِ الناسِ، قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "إيَّاكَ والطَّمَعَ فإنّه فَقْرٌ حَاضِرٌ".

ولاَ يَبْخَلُ بِما عِنْدَه مِنَ المَالِ، بَلْ يُنْفِقُ عَلىٰ نَفْسِه وَعَلىٰ غَيْرِهٖ، قال النبيُّ صلى الله عليه وسلم: النَّاسُ كُلُّهم في الفَقْرِ مَخَافَةَ الفَقْرِ.

وكانَ الناسُ فِي الزمانِ الأوَّلِ يَتَعَلَّمُوْنَ الحِرْفَةَ ثم يَتَعَلَّمُوْنَ العِلْمَ حَتّى لايَطْمَعُوا فِي أموالِ الناس.

وفي الحكمة: من اسْتَغْنىٰ بِمَالِ الناسِ فَقَدْ افْتَقَرَ.

والعَالِمُ إذا كانَ طَمَّاعاً لَمْ تَبْقَ له حُرْمَةُ العِلْمِ، ولاَ يَقُوْلُ بالحَقّ، ولهذا كان يَتَعَوَّذُ صَاحِبُ الشرعِ عليه السلام ويقول: أعُوْذُ بِالله مِنْ طَمَعٍ يُدْنِي إلى طَبَعٍ

ترجمہ: جس شخص کے پاس مال ہو وہ بخل نہ کرے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ بخل سے پناہ مانگتا رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بخل سے زیادہ سنگین بیماری کون سی ہے۔

عالی مرتبت شیخ الامام شمس الائمہ حلوائیؒ کے والد محترم فقیر تھے، مٹھائی بیچا کرتے تھے، اور یہ فقہاء کرام کو ہدیہ دیا کرتے اور فرماتے کہ میرے بیٹے کے لیے دعاء کرنا، پس ان کی سخاوت، ان کے اعتقاد، ان کی شفقت اور اللہ تعالیٰ سے گریہ زاری کی بدولت ان کے فرزند نے وہ مقام حاصل کرلیا جو حاصل کرنا تھا مال سے وہ کتابیں خریدتے اور کتاب لکھوایا کرتے تھے، ان کا یہ عمل حصول علم اور فقہی بصیرت لیے معاون ہوتا۔

اسی طرح امام محمد بن حسنؒ کے پاس بھی بہت زیادہ مال تھا، حتیٰ کہ ان کے مال کی دیکھ

بحال کرنے والے تین سو وکیل تھے، لیکن انہوں نے سب مال علم وفقہ کے حصول میں خرچ کر دیا (کتابیں خریدتے اور معلمین کو اجرت دیتے) اور ان کے پاس کوئی اچھا کپڑا بھی باقی نہ رہا، حضرت ابو یوسفؒ نے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو ان کے پاس عمدہ کپڑے بھیج دیئے امام محمدؒ نے ان کو قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ تمہارے لیے (دنیا میں عمدہ کپڑے دیکر) جلدی کی گئی ہے اور ہمارے لیے دیر کردی گئی ہے، (آخرت میں یہ سب نعمتیں ملیں گی)

(اب مصنفؒ فرماتے ہیں کہ) شاید امام محمدؒ نے ہدیہ اس لیے قبول نہیں کیا کہ اس میں انہوں نے اپنی ذلت اور رسوائی محسوس کی، اگرچہ ہدیہ کا قبول کرنا سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بندۂ مؤمن کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا مناسب نہیں ہے۔

منقول ہے کہ شیخ الامام فخر الاسلام ارسابندیؒ خالی جگہوں میں خربوزے کے گرے ہوئے چھلکے جمع کرتے اور ان کو کھاتے ایک باندی نے ان کو دیکھ لیا اور اپنے آقا کو اس واقعہ کی خبر کی تو آقا نے انکے لیے ایک دعوت تیار کرائی اور ان کو بلایا لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا، (تا کہ ذلت نفس نہ اٹھانی پڑے)

اسی طرح طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلند حوصلہ ہو لوگوں کے مال میں لالچ نہ کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: لالچ سے بچو کیوں کہ لالچ موجودہ فقر و فاقہ ہے۔

جو مال بھی اس کے پاس ہے اس میں بخل نہ کرے، بلکہ (اللہ تعالیٰ کی رضا، جوئی کے لیے) اپنے اوپر اور دوسروں پر خرچ کرے، (اس لیے کہ سب ہی اس کے محتاج ہیں، جیسا کہ آگے حدیث میں ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام کے تمام لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے فاقہ کشی میں ہیں۔

پہلے زمانے میں تو لوگ حرفت و پیشہ سیکھا کرتے تھے اور پھر علم حاصل کرتے تا کہ لوگوں کے اموال میں حرص پیدا نہ ہو، حکمت و دانائی کی بات ہے کہ جو شخص لوگوں کے اموال سے مالداری کو طلب کرے تو وہ غریب ہوگا، عالم دین جب لالچی ہوتا ہے تو علم کا

پاس ولحاظ نہیں رکھتا، اور نہ حق بات کہتا ہے، اسی لیے (کہ طمع سے مذکورہ خرابی لازم آتی ہے) صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: میں ایسی حرص وطمع سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو عیب اور گندگی سے قریب کردے۔

حل لغات: الحَلواء: مٹھائی، ہر وہ کھانے کی چیز جس میں شکر وغیرہ کوئی میٹھی چیز ملادی گئی ہو، تَضَرُّعه: تضرع إلى الله وبه (تفعل، اصلہ ضَرَّعَ، صحیح سالم) تضرعاً: گریہ زاری کرنا، نَالَ: نَالَ الشيْ (س، اجوف یائی) نیلاً: حاصل کرنا، یَستَکتِبُ: استکتَبَ فُلاَناً الشیَّ: (استفعال، اصلہ کَتَبَ، صحیح سالم) اسْتِکْتَاباً: لکھوانا: خَلَق: خَلَقَ الثوبُ (ن، صحیح سالم) خلوقاً (س، ک) خَلاَقَةً وخَلَقاً: پرانا ہونا، بوسیدہ ہونا، افتَقَرَ: افتقر فُلاَنٌ (افتعال، اصلہ فَقَرَ صحیح سالم) افتقاراً: فقیر ومحتاج ہونا، طماعاً: مبالغہ کا صیغہ ہے: بہت زیادہ لالچی اور حریص، طَبَعٌ: عیب (ج) أطباع۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے بخل سے اجتناب کرنے اور صفت سخاوت کو اپنانے پر زور دیا ہے، کہ طالب علم اور اس کے والدین کے لیے بہت ضروری ہے کہ حصول علم میں مال خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لیا جائے، دینی کتابوں کی خرید اور معلمین واساتذہ کے لیے ہدایا دینے میں فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اس سے علم میں بہت برکت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح لوگوں کے اموال میں حرص وطمع سے حتی الامکان بچنا چاہئے، اس لیے کہ اس میں عزت نفس باقی نہیں رہتی اور ایک مسلمان کے لیے اپنی عزت نفس کی حفاظت بہت ضروری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "لَیسَ للمؤمن أن یَذِل نفسَه" کا یہی مطلب ہے۔

اکابرین کے ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ انہوں نے فقر وفاقہ کی زندگی گزاری لیکن اپنی عزت پر داغ نہ آنے دیا، اور یہ حقیقت ہے کہ جب آدمی حریص اور لالچی ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ فقر وفاقہ میں ہی رہتا ہے کہ کتنا ہی مال حاصل ہوجائے وہ مزید کا خواہش مند رہتا ہے۔

اس لیے طالب علم کو چاہئے کہ خود محنت سے کمائے بھی اور علم بھی حاصل کرتا رہے۔

وَيَنْبَغِي لِلْمُؤمِنِ أَنْ لَايَرْجُو إِلَّا مِنَ الله تعالى، ولا يَخَافُ إِلَّا مِنْهُ، وَيَظْهَرُ ذلكِ بِمُجَاوَزَةِ حَدِّ الشَّرْعِ وعَدَمِهَا.

فَمَنْ عَصَى الله تعالى خَوْفاً مِنَ المَخْلُوْقِ فَقَدْ خَافَ غَيْرَ اللّٰهِ تعالى، وإذَا لَمْ يَعْصِ اللّٰه تعالى لِخَوْفِ الْمَخْلُوْقِ ورَاقَبَ حُدُوْدَ الشرعِ فَلَمْ يَخَفْ غَيْرَ الله تعالى، بَلَ خَافَ اللّٰه تعالى، و كذا في جانِب الرَّجاءِ.

ترجمه: مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ ہی سے امید رکھے، اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے، اور یہ (اللہ سے امید رکھنا اور اسی سے ڈرنا) حدودشرع سے تجاوز کرنے اور نہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے، پس جس نے مخلوق کے خوف سے اللہ کی نافرمانی کی وہ غیر اللہ سے ڈرا اور جب اس نے مخلوق کے خوف سے اللہ کی نافرمانی نہیں کی اور حدودشرع کی پابندی بھی کی تو وہ غیر اللہ سے نہیں ڈرا، بلکہ اللہ سے خوف کھایا، اسی طرح کی تفصیل امید کے بارے میں ہے۔

حل لغات: مجاوزة: جَاوَزَ الحَدَّ (مفاعلت، اُصله جَازَ، اجوف واوی) مُجَاوَزَةً حد سے آگے بڑھنا رَاقَبَ: رَاقَبَهُ (مفاعلت، اصله رَقَبَ، صحیح سالم) مُرَاقَبَةً حفاظت کرنا۔

تشریح: کوئی بھی بندۂ مؤمن ہو اس کو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرنا چاہئے، غیر اللہ کا خوف اس کے دل میں ہرگز پیدا نہ ہونا چاہئے، غیر اللہ سے ڈرنا بڑی نافرمانی ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ حدودشرع کی حفاظت کرتا ہے اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ حدود شرع سے تجاوز کرتا ہے۔(و كذا في جانب الرجاء: یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے مخلوق سے کسی امید کی وجہ سے تو اس نے غیر اللہ سے لو لگائی، اور جب مخلوق سے امید کی وجہ سے نافرمانی نہیں کی بلکہ اطاعت کی اور حدودشرع کی حفاظت کی تو وہ غیر اللہ سے امید کرنے والا نہیں ہوگا۔

وينبغي لطالب العِلْمِ ان يَعُدَّ ويُقَدِّرَ لِنَفْسِه تَقْدِيراً في التكرارَ، فإنّه لا يَسْتَقِرُّ قَلْبُه حتّى يَبْلُغَ ذلك المَبْلَغَ.

وينبغي لِطَالِبِ العِلْمِ ان يُكَرِّرَ سَبْقَ الأمْسِ خَمْسَ مَرَّاتٍ، وسَبْقَ اليَوْمِ الذي قبل الأمْسِ أَرْبَعَ مَرّاتٍ، والسَّبْقَ الذي قَبْلَه ثَلاثاً، والذي قَبْلَه اثْنَيْنِ، والذي قَبْلَه مَرَّةً واحدةً، فهذا أَدْعىٰ إلى الحِفْظِ.

وينبغي أن يَعْتَادَ المَخَافَتَةَ في التَكْرَارِ، لأنَّ الدَّرْسَ والتَّكْرَارِ ينبغي أَنْ يكون بقُوَّةٍ ونَشَاطٍ، ولَا يَجْهَرَ جَهْراً يُجْهِدُ نَفْسَه كَيْ لا يَنْقَطِعَ عَنِ التكرارِ فَخَيْرُ الأمُوْرِ أوساطُهَا.

وحُكِيَ أنَّ أبا يُوْسُف رحمه الله تعالىٰ كَانَ يُذَاكِرُ الفِقْهَ مَعَ الفُقَهَاءِ بقُوَّةٍ ونشاطٍ، وكان صِهْرُهُ عنده يَتَعَجَّبُ مِنْهُ في أمْرِهِ، وكان يقولُ: أنَا أعْلَمُ أنَّه جَائِعٌ مُنْذُ خَمْسَةِ أيَّامٍ، ومَعَ ذلك أنه يُنَاظِرُ بقُوَّةٍ ونشاطٍ.

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے لیے تکرار کے سلسلے میں ایک تعداد اور مقدار متعین کر لے (کہ روزانہ اسی مقدار کا پابندی سے تکرار کرتا رہے) کیوں کہ اس تعداد کے بغیر اس کا دل جم نہیں سکتا۔

طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کل گزشتہ کے سبق کو پانچ مرتبہ دہرائے، اس سے پہلے سبق کو چار مرتبہ اور اس سے پہلے کو تین مرتبہ اور اس سے پہلے کو دو مرتبہ اور اس سے پہلے (چھٹے دن) کے سبق کو ایک مرتبہ دہرائے، یہ علوم کو محفوظ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اور مناسب ہے کہ تکرار میں آہستہ بولنے کی عادت نہ ڈالے، کیوں کہ درس و تکرار چستی اور نشاط کے ساتھ ہونا چاہیے، لیکن اتنا بلند آواز سے بھی نہ تکرار کرے کہ اپنے آپ کو تھکا لے، اور تکرار کو چھوڑ پڑ جائے، اس لیے کہ بہترین امور درمیانی ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ چستی اور نشاط کے ساتھ

فقہاء کرام کے ساتھ فقہ کا تکرار کرتے تھے، ان کے داماد کو اس پر تعجب ہوتا اور فرماتے کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ پانچ دن سے بھوکے ہیں، اس کے باوجود قوت اور نشاط کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے تھے۔

حل لغات: **یعِد**: أَعَد الشيْ لنفسه (افعال، اصلہ عَدَ، مضاعف) إعداداً: تیار کرنا، مقرر کرنا، **یُقَدِّر**: قَدَّرَ الشيْ (تفعیل، اصلہ قَدَرَ، صحیح سالم) تقدیراً: مقدار متعین کرنا، **یَستَقِر**: استقر (استفعال، اصلہ قَرَّ، مضاعف) استقراراً: جمنا، برقرار رہنا، **أدعیٰ**: اسم تفضیل ہے، دَعاَ إلی الشيْ (ن، ناقص واوی) دعوةً: محرک اور سبب بننا، **المخافتة**: خَافَتَهُ (مفاعلت، اصلہ خَفَتَ، صحیح سالم) مخافتةً: آہستہ اور پست آواز میں گفتگو کرنا، **یُجهِد**: أَجهَدَ النَفسَ (افعال، اصلہ جَهَدَ، صحیح سالم) إجهاداً: تھکانا، طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا، **صِهرٌ**: داماد اور بہنوئی، (ج) أصهار.

تشریح: طالب علم کو چاہئے کہ سبق کی پابندی اور اس کو غور سے سننے کے ساتھ ساتھ اس کا تکرار بھی کرے، اس کے بغیر استعداد پیدا نہیں ہوسکتی اور نہ ہی علم باقی رہ سکتا ہے، حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ تکرار نہ کرنے سے نسیان ہوجاتا ہے اور علم ضائع ہو جاتا ہے ایک جگہ لکھا ہے کہ جب تک گذشتہ سبق کا تکرار نہ کرلے اور اچھی طرح یاد نہ کرلے ہرگز دوسرا سبق نہ پڑھے، اسباق کا تکرار نہایت ضروری ہے، تکرار میں کوئی حجاب اور عار نہ ہونا چاہئے، کہ شرم کی وجہ سے پست آواز میں تکرار کرے، اس سے نشاط باقی نہیں رہتا، جو طالب علم ایسا کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے، کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے بارے میں نقل کیا گیا کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوجاتا مگر سبق کا تکرار نہ چھوڑتے اور ذرا بھی فرق نہ آتا تھا، اس طرح آگے نقل فرمائیں گے کہ برہان الدینؒ اپنے تمام ساتھیوں پر اس لیے سبقت لے گئے کہ وہ تکرار و مذاکرہ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابن عباسؓ اپنے تلامذہ کو تکرار و مذاکرہ کی بہت

تاکید فرماتے تھے (تدریب رص ۱۲)

وينبغي أن لا يكونَ لِطَالِبِ العِلْمِ فَتْرَةٌ، فإنَّهَا آفةٌ، وكَانَ أُسْتَاذُنَا الشيخُ الإمامُ برهانُ الدين رحمه اللّٰه تعالىٰ يقولُ: إنما فُقْتُ علىٰ شُرَكَائي بأنّي لَمْ تَقَعْ لِي الفَتْرَةُ في التحصيلِ.

وكان يَحْكِي عن الشيخِ الإمَامِ الأَسْبِيْجَابِي أنَّه وَقَعَ في زَمَانِ تَحْصِيْلِهِ وتَعَلُّمِه فَتْرَةُ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ سنةً بانْقِلَابِ المَلِكِ،فخَرَجَ مَعَ شَرِيْكِه في المناظَرَةِ إلى حَيْثُ يُمْكِنُهُمَا الاسْتِمْرَارُ في طَلَبِ العِلْمِ، ولَمْ يَتْرُكَا المُنَاظَرَةَ، وكَانَا يَجْلِسَانِ في المُنَاظَرَةِ كُلَّ يَوْمٍ ولَمْ يَتْرُكَا الجُلُوْسَ لِلْمُنَاظَرَةِ اثنتي عَشَرَةَ سنةً، فَصَار شَرِيْكُهُ شَيْخَ الإسْلامِ لِلشَّافِعِيِّيْنَ، وكَانَ هُوَ شَافِعِياً.

وكان أُسْتَاذُنَا شيخُ الإسلامِ القاضي الإمامُ فَخْرُالدينِ قاضي خان رحمه الله تعالىٰ يقولُ: ينبغي لِلْمُتَفَقِّهِ أنْ يَحْفَظَ نُسْخَةً واحدةً مِنْ نُسَخِ الفِقْهِ، ويُكَرِّرَ دَائِماً فَيَتَيَسَّرُ له بعد ذلك حِفْظُ مَايَسْمَعُ مِنَ الفِقْهِ.

ترجمہ: اور طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کوئی ناغہ نہ ہو کیوں کہ یہ ایک آفت ہے ہمارے استاذ شیخ امام برہان الدینؒ فرمایا کرتے تھے، کہ میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں پر اس لیے سبقت لے گیا کہ تحصیل علم میں میری چھٹی نہ ہوئی۔

حضرت شیخ امام الاسبیجابی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ملک کے انقلاب کی وجہ سے حصول علم کے زمانے میں بارہ سال تعلیم کا سلسلہ منقطع رہا، تو اس دوران وہ اپنے درسی رفیق کے ساتھ علمی بحث و مباحثہ کے سلسلہ میں ایسی جگہ روانہ ہو گئے جہاں ان کے لیے ٹھہرنا ممکن تھا، اور علمی بحث و مباحثہ نہیں چھوڑا یہ روزانہ بحث و مباحثہ اور علمی مذاکرہ کے لیے بیٹھتے، بارہ سال تک تکرار کے لیے بیٹھنا ترک نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے

ساتھی شوافع کے شیخ الاسلام بن گئے، اور وہ پہلے سے ہی شوافع المسلک تھے۔

اور ہمارے استاذ شیخ الاسلام قاضی فخر الدین قاضی خانؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقہی بصیرت حاصل کرنے والے کے لیے کسی فقہی متن کا یاد کرنا اور پابندی سے تکرار کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے بعد فقہ کی جو بھی بات سنے اس کے لیے یاد کرنا آسان ہو جائے۔

حل لغات: فَترَةٌ: دو زمانوں کے درمیان کا حصہ وقفہ، چھٹی (ج) فَترَاتٌ، المتفقه: صیغہ اسم فاعل ہے تَفَقَّهَ (تفعل، اصلہ فَقُهَ، صحیح سالم) تَفَقُّهاً: علم فقہ حاصل کرنا، فقہ میں بصیرت اور مہارت حاصل کرنا۔

تشریح: سبق کی پابندی کرنا بھی طالب علم کے لیے ایک امر ناگزیر ہے، اس کے بغیر علم میں برکت پیدا نہیں ہوتی، سبق کی پابندی کا ہی نتیجہ تھا کہ علامہ اسیجابی شوافع کے بڑے امام بن گئے، نیز کسی بھی فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس فن کے مختصر متون کو حفظ کر لیا جائے اس سے مطولات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

(الحمد للہ یہ فصل مکمل ہوئی)

۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ بروز بدھ

عبد الرزاق قاسمی

فصل في التوكل

یہ فصل اللہ پر بھروسہ کرنے کے بیان میں ہے

اس فصل میں مصنفؒ نے توکل علی اللہ کی اہمیت اور طالب علم کے لیے اس کی افادیت پر زور دیا ہے، اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے، نیز اس طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے کہ طالب علم دنیوی تعلقات کم کرے، اس سے علمی انہماک میں خلل واقع ہوتا ہے، اگر طلب علم میں کوئی مشقت اور پریشانی سامنے آجائے تو اس کو برداشت کرنے کی پوری پوری سعی کرے۔

ثم لابُدَّ لِطَالِبِ العِلْمِ مِنَ التَوَكُّلِ فِي طَلَبِ العِلْمِ، ولاَ يَهْتَمُّ لأمْرِ الرِّزْقِ ولا يُشْغِلُ قَلْبَهُ بِذلك.

روى أبو حنيفةؒ عَنْ عبدِالله بنِ الحَسَنِ الزُّبَيْدِي صَاحِبِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم: مَنْ تفقَّه فِي دِيْنِ الله كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ هَمَّه، ورَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ، فإنَّ مَنْ اشْتَغَلَ قَلْبُه بأمْرِ الرزقِ مِنَ القُوْتِ والكِسْوَةِ قَلَّماَ يَتفرَّغُ لِتَحْصِيْلِ مَكَارِمِ الأَخْلاَقِ ومَعَالِي الأمورِ.

قيل:

دَعِ المَكَارِمَ لاَتَرْحَلْ لِبُغْيَتِهاَ　　　واقْعُدْ فإنَّك أنْتَ الطَاعِمُ الكَاسِيْ

قال رجلٌ لمنصور الحلاج رحمه الله تعالىٰ :أوصنيْ؟فقالَ: هِيَ نَفْسُكَ إنْ لَمْ تُشْغِلْهاَ شَغَلَتْكَ.

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ حصول علم میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور

بھروسہ کرے، رزق کے معاملہ میں زیادہ دل چسپی نہ رکھے اور نہ اس میں اپنے دل کو مشغول رکھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن جزء زبیدیؓ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی اللہ تعالیٰ اس کے مقصد کو پورا فرمائیں گے، اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطاء فرمائیں گے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا، بلا شبہ جس انسان کا دل روزی اور کپڑے میں مشغول ہوجائے وہ بہت کم ہی بلند اخلاق اور اونچے کارناموں کے حصول کے لیے فرصت پاسکتا ہے، کہا گیا ہے:

تم بلند کردار چھوڑ دو اس کی جستجو میں سفرمت کرو بیٹھے رہو، کیوں کہ تم محض کھانے پینے اور پہنتے اوڑھتے ہو۔

ایک شخص نے منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے کہا آپ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے! انہوں نے فرمایا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرلو، اگر تم اس کو مشغول نہیں کروگے تو وہ تم کو مشغول کردے گا۔

حل لغات: **القوت:** غذا، بدن کی بقاء کے لیے ضروری اشیاء خوردنی (ج) **أقوات، الكسوة:** کپڑے، لباس (ج) **كُسىً، البُغيَةُ:** وہ چیز جس کو تلاش کیا جائے **الطاعم** : صیغۂ اسم فاعل ہے **طَعِمَ** (س، صحیح سالم) **طَعماً وطَعاَ ماً:** کھانا کھانا، **الكَاسِي:** اسم فاعل ہے، **كَسِيَ الثوبَ** (س، ناقص یائی) **كسياً:** پہننا، **أوصِني:** "اوصِ" فعل امر ہے، "ن" وقایہ ہے "ي" مفعول بہ ہے: مجھے وصیت کردیجیے، **هِيَ:** اس کا مرجع وصیت ہے، اور کہا گیا ہے کہ "هَيِّ" صیغۂ امر ہے هَيَّأَ سے، بمعنی اصلاح کرنا، یعنی وصیت یہ ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرلو۔

تشریح: علم کا حاصل کرنا بہت اہم کام ہے، اس کے حصول میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہئے، اپنے ذہن اور دماغ کی تیزی پر قطعاً اعتماد نہ ہونا چاہئے، اسی طرح اپنے

آپ کو روزی کمانے کے پیچھے نہ ڈالے کہ دل ودماغ علمی انہاک سے منقطع ہو کر دنیا کی طرف متوجہ ہو جائے، جہاں تک روزی روٹی کا تعلق ہے تو اس کے سلسلے میں اللہ تعالی پر بھروسہ کرے، یقیناً اللہ تعالی اسکو ایسی جگہ سے روزی عطا کرے گا جہاں سے اس کو وہم وخیال بھی نہیں ہوگا، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن جزء زبیدیؓ سے نقل کیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو حصول علم وفقہ کے لیے فارغ کرلیا اللہ تعالی اسکو کافی ہے وہ اس کو ایسی جگہ سے روزی عطاء کرے گا جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

نوٹ: یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جن صحابی کا عبداللہ بن حسن زبیدیؓ بتلایا گیا ہے یہ تحریف ہے، صحیح نام عبداللہ بن جزء زبیدی ہے، (اسد الغابہ ۱۳۳/۳)۔

دع المکارم...... یہ عرب کے مشہور شاعر حطیۂ کا شعر ہے جو اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں کہا تھا: کہ اے زبرقان بن بدر! تم بلند کرداری کے خواب وخیال کو چھوڑ دو، اس کی طلب میں جدوجہد مت کرو، یقیناً تم اس کو حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے کہ تمہارا مقصد تو کھانے پینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مصنفؒ نے اس شعر سے اس بات پر استشہاد کیا ہے کہ جس کا دل حصول رزق میں مشغول ہوتا ہے وہ مکارم اخلاق کے حصول کے لیے کبھی فارغ البال نہیں ہو سکتا ہے، علمی بلندی کے لیے تو دل کی یکسوئی ضروری اور لازم ہے۔

اس لیے طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو بھلائی کے کاموں میں مشغول رکھے، حصول علم میں یکسو ہو کر محنت کرتا رہے، اگر اس نے اپنے نفس کو اچھے کاموں میں نہیں لگایا تو یقین جانئے کہ نفس برے کاموں یا دنیا میں لگ جائیگا اور پھر علم کا حصول مشکل ہو جائیگا، منصور الحلاج رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کا بھی یہی مطلب ہے۔

فينبغي لِكُلِّ اَحدٍ اَنْ يُشْغِلَ نَفْسَه بأعْمَالِ الخيْرِ حَتّى لا تَشْتَغِلَ نَفْسُه بِهَوَاهَا، ولا يَهْتَمّ العَاقِلُ لأمْرِ الدُّنيَا، لأنَّ الهَمّ والحُزْنَ لا يَرُدّ المُصِيبَةَ ولَا

يَنفَعُ بل يَضُرُّ بالقَلْبِ والعَقْلِ والبَدَنِ ويُخِلُّ باعْمَالِ الخَيْرِ ويَهْتَمُّ لأمرِ الأخرةِ لأنّه يَنفَعُ.

وأما قولُه عليه السلام: "إنَّ مِنَ الذُّنوبِ ذُنُوباً لا يُكَفِّرُهَا إلا هَمُّ المَعِيْشَةِ" فالمُرَادُ مِنه قَدْرُ هَمٍّ لا يُخِلُّ باعمالِ الخَيْرِ ولا يُشْغِلُ القَلْبَ شُغْلاً يُخِلّ بإحضارِ القَلْبِ في الصلاة، فإنَّ ذلك القَدْرَ مِنَ الهَمِّ والقَصْدِ من أعمالِ الآخِرَةِ.

ولا بُدَّ لطَالِبِ العِلْمِ مِنْ تَقْلِيل العَلَائِقِ الدُّنْيَوِيَّةِ بِقَدْرِ الوَسْعِ ولهذا اخْتَارُوا الغُرْبَةَ.

ترجمہ: پس ہر ایک کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو نیک کاموں میں مشغول رکھے، تا کہ اس کا نفس خواہشات میں نہ لگ جائے، عقلمند دنیاوی امور سے زیادہ دل چسپی نہیں لیتا، کیونکہ رنج وغم سے مصیبت نہیں ٹلتی، اور نہ ہی اس سے کوئی نفع ہے، بلکہ رنج وغم سے تو دل، عقل اور بدن کو نقصان پہنچتا ہے، اعمال خیر میں رخنہ ڈالتا ہے، اس کے بر خلاف اعمال خیر میں دل چسپی رکھنی چاہئے کیوں یہ نفع بخش ہے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا تعلق ہے کہ "گناہوں میں بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ صرف معیشت کی دوڑ دھوپ کرنا ہے" تو اس حدیث کا مطلب ہے کہ اتنی دوڑ دھوپ اور فکر معیشت کرے جس سے اعمال خیر میں خلل واقع نہ ہو، اور نہ دل کو اتنا مشغول کرے کہ نماز میں حضور قلب کے لیے مضر ہو جائے، اس لیے کہ اتنی فکر معاش تو اعمال آخرت میں سے ہے۔

اور طالب علم کے لیے حتی الامکان دنیاوی تعلقات کو کم کرنا ضروری ہے، علماء نے اسی وجہ سے پردیسی کو اختیار کیا ہے۔

حل لغات: يُخِلُّ: أَخَلَّ بالشيِ (افعال، اصلہ خلّ، مضاعف) إخلالاً: کمی

کرنا، رخنہ ڈالنا مخل ہونا، الغُربَۃُ: دوری، بے وطنی، پردیس۔

تشریح: طالب علم کو چاہیے کہ وہ اعمال خیر میں مصروف رہے، اس لیے کہ اگر اعمال خیر میں مصروف رہے گا تو خواہشات نفسانیہ سے بچ جائیگا، کیوں کہ اتباع نفس اور اعمال خیر دو متضاد چیزیں ہیں، جب ایک پائی جائیگی تو دوسری ممتنع ہو جائیگی، اسی طرح طالب علم کو دنیاوی معاملات میں اتنی دل چسپی نہیں رکھنی چاہئے کہ رنج وغم کا شکار ہو جائے، اس لیے کہ رنج وغم سے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

وأما قوله عليه السلام: إن من الذنوب الخ سے مصنفؒ ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ مصنف کے قول "لا ينبغي له أن يهتم لأجل الدنيا" سے فکر معیشت کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے، جبکہ حدیث میں فکر معیشت کو امر ضروری قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ: بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ وہ بغیر فکر معیشت کے ختم نہیں ہوتے، مثلاً چوری، خیانت اور مالداروں کی جی حضوری وغیرہ؟ اب مصنفؒ جواب میں فرما رہے ہیں کہ اس حدیث میں جس فکر معیشت کی ترغیب دلائی گئی ہے اس سے اتنی فکر کرنا مراد ہے جس سے اعمال خیر میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

طالب علم اگر علمی کمال پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ دنیاوی تعلقات کم سے کم رکھے، اس لیے کہ جتنے زیادہ تعلقات ہوں گے وقت اتنا ہی زیادہ ضائع ہوگا، اور آج کل طلبہ نے تعلقات اتنے بڑھا رکھے ہیں کہ ان کو فون کرنے اور سننے ہی سے فرصت نہیں، آج ایک مہمان آ رہا ہے تو کل کو دوسرا، صورت حال یہاں تک خراب ہے کہ اس محبوب مشغلہ میں اسباق تک قربان کر دیئے جاتے ہیں، ایسی ناقدری اور بے توجہی کے ساتھ مطالعہ کا ذوق اور کتاب سے مناسبت کیسے ہو سکتی ہے۔

ولا بُدَّ لطَالِبِ العِلْمِ مِنْ تَحَمُّلِ النَّصَبِ والمَشَقَّةِ في سَفَرِ التَّعَلُّمِ، كما قال موسى عليه السلامُ في سَفَرِ التعلُّم ولَمْ يُنْقَلْ عَنْه ذلك في غَيْرِهِ مِنَ

الأسْفَارِ،قَوْلُه تعالى: "لَقَدْ لَقِيْنَا فِي سَفَرِنَا هٰذَا نَصَباً" لِيُعْلَمَ أنَّ سَفَرَ التعلّمِ لا يَخلُوعَنِ النَّصَبِ، لأنَّ طَلَبَ العِلْمِ أمْرٌ عَظِيْمٌ، وهُوَ أفضلُ مِنَ الجِهَادِ عِنْدَ أكثرِ العُلَمَاءِ، والأجْرُ عَلى قَدْرِ التَّعْبِ و النَّصَبِ.

فَمَن صَبَرَ على ذلك وجَدَ لَذَّةً تَفُوْقُ سائرَ لَذّاتِ الدُّنْيَا، ولهٰذَا كَانَ محمد بنُ الحسن رحمه الله تعالىٰ إذا سَهِرَ اللَّيَالِي انْحلَّتْ له المُشْكِلاَتُ يقولُ: أيْنَ أبْنَاءُ المُلُوكِ مِنْ هٰذِهِ اللَّذّاتِ.

ترجمہ: طالب علم کے لیے تعلیمی سفر میں مشقت اور پریشانی کو برداشت کرنا بھی ضروری ہے، جیسا کہ تعلیمی سفر کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ہم نے اپنے اس سفر میں تھکان پائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد علمی سفر کے علاوہ کسی سفر کے بارے میں بھی منقول نہیں۔

اس سے یہ جان لیا جائے کہ تعلیمی سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے کہ طلب علم ایک بڑا کام ہے، اکثر علماء کے نزدیک جہاد سے بھی افضل ہے، اور ثواب بھی تھکان اور مشقت کے بقدر ہی حاصل ہوتا ہے، پس جو شخص اس پر صبر کرے گا وہ ایسی لذت کو پالے گا جو دنیا کی تمام لذتوں سے بڑھی ہوئی ہوگی، (اور یہ علم کی لذت ہے) اسی لیے جب امام محمد بن الحسنؒ جب شب بیداری کرتے اور آپ کے مشکل مسائل حل ہو جایا کرتے تو فرماتے کہ فرزندان شاہاں کو یہ لذتیں کہاں حاصل ہو سکتی ہیں۔ (اگرچہ مال ودولت کی ان کے یہاں کوئی کمی نہیں)

حل لغات: النَّصَبُ: نَصِبَ (س، صحیح سالم) نَصَباً: بہت تھک جانا، چکنا چور ہو جانا، محنت ومشقت برداشت کرنا، اسی معنی میں "التعب" بھی آتا ہے، تَفُوقُ: فَاقَ الشيّ (ن، اجوف واوی) فَوقاً و فَوَاقاً: بڑھنا، فوقیت حاصل کرنا، انحلّت: انحلّتِ المشكلةُ و العُقدَةُ (افعال، اصلہ حَلّ مضاعف) انحلالاً: مسئلہ حل ہونا، گرہ کھلنا۔

تشریح: طالب علم کو علم جیسی بے بہا نعمت کو حاصل کرنے میں دشواریوں کا پیش آنا یقینی بات ہے، نیک بخت طالب علم وہ ہے جوان کو برداشت کرلے اور اپنے اکابر کی زندگی کو سامنے رکھے کہ انہوں نے علم دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب برداشت کیے، ہر طرح کی تنگی کے باوجود اس میں لگے رہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا کہ ہم نے اپنے اس (علمی) سفر میں تھکان محسوس کی، معلوم ہوا کہ علمی سفر میں مشقت ضرور لاحق ہوتی ہے۔

لیکن جس نے ان تکالیف کو برداشت کرلیا اور صبر سے کام لیا اس کو اللہ تعالیٰ ایسی لذت عطا فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی وہ لذت حاصل نہیں ہوتی، اسی لیے امام محمدؒ نے فرمایا: راتوں میں کتب بینی کی لذت ہر طرح کے راحت وآرام اور کیف وسرور میں رہنے والے شہزادوں کو بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

ہمارے اکابر نے تکالیف کو برداشت کرنے ہی کی بدولت وہ علمی ترقی حاصل کی جس سے ساری دنیا کو فیض پہنچا، آج ہر طرح کی آسانیوں کے باوجود جو طلبہ کا حال ہے وہ ظاہر ہے، مدارس سے بھی امداد ملتی ہے اور گھر سے بھی خرچ آتا ہے اس پر بھی تنگی کی شکایت ہے، اور اس کو پورا کرنے کے لیے ٹیوشن تلاش کیے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب چار وقت کی چائے، ناشتہ، پان، گھڑی، چشمہ، بہترین لباس اور بہترین غذا ضروریات زندگی میں داخل ہوں گی تو جتنی بھی رقم مل جائے ضرورت میں کم ہی رہے گی۔

ہمیں چاہیے کہ ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی رہے: "إياك والتنعم فإن عباد الله ليسوا بالمتنعمين" نازونعمت کی زندگی سے پرہیز کرو اللہ کے بندے ایسی زندگی پسند نہیں کرتے۔

وينبغي لِطَالِبِ العِلْمِ أنْ لَّا يَشْتَغِلَ بشيْئٍ آخَرَ غَيْرِ العِلْمِ ولا يُعْرِضَ عن الفِقْهِ، قال محمد بنُ الحسن رحمه الله تعالىٰ: إن صِنَاعَتَنَا هٰذِهِ مِنَ المَهْدِ

إلى اللَّحدِ فمَنْ أرادَ أنْ يَترُكَ عِلْمَنا هٰذا ساعةً فَلْيَترُكْهُ الساعةَ.

ودَخَلَ فقيهٌ وهُوَ إبراهيمُ بنُ الجَرّاح علىٰ أبي يُوْسُفَ يَعُوْدُهُ فِي مَرَضِ مَوْتِه وهُوَ يَجُوْدُ بنفسِه، فقالَ أبويوسفَ له: رَمْيُ الجِمَارِ رَاكِباً أفْضَلُ أم رَاجِلاً؟ فلم يَعْرِفِ الجَوَابَ، ثم أجَابَ بِنَفْسِه وهُوَ أنَّ الرَّمْيَ مَاشِياً أحَبُّ في الأوَّلَيْنِ.

وهٰكَذَا يَنْبَغِي لِلْفَقِيْهِ أنْ يَشْتَغِلَ بِه فِي جَمِيْعِ أوْقَاتِه فَحِيْنَئِذٍ يَجِدُ لَذَّةً عظيمةً في ذلك.

وقيل: رُئِيَ محمد رحمه الله تعالىٰ في المَنَامِ بَعْدَ وَفَاتِه، فقِيل له: كَيْفَ كُنْتَ في حَالِ النَّزْعِ؟ فقال: كُنْتُ مُتَأمِّلاً في مَسْألَةٍ مِنْ مَسَائِلِ المُكَاتَبِ فَلَمْ أشْعُرْ بِخُرُوْجِ رُوْحِي.

وقيل: إنَّه قال في آخِرِ عُمرِه: شَغَلَتْنِي مَسَائِلُ المُكَاتَبِ عَنِ الاسْتِعْدَادِ لِهٰذا اليَوْمِ، وإنَّماَ قال ذلك تَوَاضُعًا.

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو اور نہ ہی فقہ سے اعراض کرے، حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: کہ ہمارا یہ پیشہ تو پیدائش سے وفات تک کے لیے ہے، جو شخص ایک گھڑی کے لیے بھی ہمارے اس علم (پیشہ) کو چھوڑنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ قیامت تک کے لیے اس کو چھوڑ دے۔

ایک فقیہ جن کا نام ابراہیم بن الجراحؒ ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اس وقت امام ابو یوسفؒ جاں بلب تھے، (اسی حال میں) امام ابو یوسفؒ نے ان (ابراہیم بن الجراحؒ) سے پوچھا کہ رمی جمرہ سوار کر افضل ہے یا پیدل؟ ابراہیم بن الجراح جواب نہ دے سکے تو امام ابو یوسفؒ نے خود ہی جواب دیا کہ جس رمی کے بعد رمی ہے وہ پیدل افضل ہے اور جس کے بعد رمی نہیں یعنی آخری رمی سوار ہو کر افضل ہے۔

ایسے ہی فقیہ کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ تمام اوقات میں فقہ میں مشغول رہے، اس وقت اس کو اس کی بڑی لذت حاصل ہوگی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا، ان سے پوچھا گیا کہ نزع کے وقت آپ کی کیا حالت تھی؟ فرمایا کہ میں اس وقت مکاتب کے کسی مسئلہ میں غور وفکر کر رہا تھا مجھے اپنی روح نکلنے کا احساس بھی نہیں ہوا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام محمدؒ نے اپنی آخری عمر میں فرمایا کہ مکاتب کے مسائل نے مجھے اس دن کی تیاری سے غافل رکھا، حضرت نے یہ بات تواضعاً فرمائی۔

حل لغات: صِنَاعَةٌ: ہنر، کاری گری، پیشہ، وہ علم وفن جس میں مہارت حاصل کرکے انسان اس کو اپنا پیشہ بنائے۔ (ج) صناعات وصنائع، المَهدُ: بچہ کا گہوارہ، اللّحدُ: قبر کی ایک جانب میت کو رکھنے کا گڑھا، بغلی قبر، سَاعَةٌ: یہ لفظ پہلی جگہ وقت قلیل کے معنی میں ہے، اور دوسری جگہ قیامت کے معنی میں ہے، یجود بنفسہ: جَادَ بِالنّفسِ (ن، اجوف واوی) جَوداً: جان نکلنے کے قریب ہونا، جاں بہ لب ہونا، المکاتب: وہ غلام جس کو مولی نے یہ کہہ دیا ہو کہ تم اتنا مال (مقدار متعین جو بھی ہو) مجھے کما کر دے دو تو آزاد ہو۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علام نے علم فقہ کی طرف بطور خاص توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ علم فقہ سے اعراض اور پہلو تہی نہ کی جائے، بلکہ ہمہ وقت اسی میں مشغول اور مصروف رہے، جیسا کہ حضرت امام محمدؒ نے اس علم فقہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا یہ مشغلۂ فقہی تو بچپن سے لیکر قبر میں جانے تک کا ہے پوری زندگی فقہ کی دوڑ دھوپ کرنا امر ضروری ہے، اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کچھ وقت کے لیے فقہ کو چھوڑے رکھے لیکن فقہ میں کمال اسکو حاصل ہو تو اسکی یہ بے وقوفی ہے، اگر کسی کا یہ ارادہ ہو تو اسکو چاہئے کہ وہ اسکو بالکل ہی چھوڑ دے۔

ہمارے اسلاف کی زندگی ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے کہ ان حضرات نے اس وقت بھی اپنے اس علمی مشغلہ کو نہیں چھوڑا جب ان کی جاں بہ لب ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ مرض الوفات میں ہیں عیادت کرنے والے جاتے ہیں تو ان سے بھی فقہی مسائل ہی پر تبادلہ خیال ہوتا ہے، چنانچہ ابراہیم بن الجراح آپ کی عیادت کے لیے آئے تو ان سے مسئلہ دریافت کیا کہ حج میں یوم النحر اور گیارہویں بارہویں تاریخ کی رمی پیدل افضل ہے یا سوار ہوکر؟ سامعین میں سے کسی نے جواب نہیں دیا تو خود ہی فرمایا کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے پیدل افضل ہے، اور وہ رمی جس کے بعد رمی نہیں یعنی تیسری رمی سوار ہوکر افضل ہے، دیکھئے وفات کا وقت بالکل قریب ہے مگر فکر ہے تو مسائل دینیہ کی فکر ہے۔

ایسے ہی حضرت امام محمدؒ کا حال ہے کہ مکاتب کے مسئلہ میں تفکر کرتے کرتے ہی موت کی گھڑی آ پہنچی، ان جیسے اکابر کی بدولت ہی ہمیں یہ علم پہنچا ہے اب ہمیں قدردانی کرنے کی ضرورت ہے۔

فصل في وقت التحصيل

یہ فصل تحصیل علم کے اوقات کے بیان میں ہے

مصنفؒ موضوع کے ہر اس گوشہ پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو طالب علم کے لیے مفید اور ضروری ہے، حصول علم کا وقت کیا ہے، کب تک آدمی علم حاصل کرے، جوانی اور بڑھاپے میں علم حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں، ان تمام سوالوں کے جواب کی طرف مصنفؒ نے اس فصل میں راہ نمائی کی ہے۔

قيل : وَقْتُ التَّحْصِيْلِ مِنَ المَهْد إِلى اللَّحْدِ، دَخَلَ الْحَسَنُ بْن زيادٍ رحمه الله تعالىٰ في الفِقْهِ وهو ابنُ ثَمَانِيْنَ سنةً، ولَمْ يَبِتْ عَلى الفِرَاشِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً، فأفْتَى بَعْدَ ذلك اربعين سَنَةً.

وأفْضَلُ أوْقَاتِه شَرْخُ الشبابِ، ووَقْتُ السَّحْرِ، ومَا بَيْنَ العِشَائَيْنِ.

ويَنْبَغِي لطَالِبِ العِلْمِ انْ يَسْتَغْرِقَ جَمِيْعَ أوقاتِه فإذَا مَلَّ مِنْ عِلمٍ يَشْتَغِلُ بعِلْمٍ آخرَ، وكَانَ ابنُ عَبَّاسٍ إذَا مَلَّ مِنْ عِلم الكِلامِ يقولُ: هَاتُوا دِيْوَانَ الشعراءِ، وكانَ محمد بنُ الحسنِ رحمه الله تعالىٰ لا يَنَام الليلَ، وكان يَضَعُ عَنْدَهُ دَفَاتِرَهُ، وكانَ إذَا مَلَّ مِنْ نَوْعٍ يَنْظُرُ فِي نَوْعٍ آخرَ، وكَانَ يَضَعُ عِنْدَهُ كَاسَ المَاءِ، ويُزِيْلُ نَوْمَه بالمَاءِ، وكانَ يقولُ: إن النومَ مِن الحَرَارة فلا بُدَّ مِن دَفْعِه بالمَاءِ البارِدِ.

ترجمه: حصول علم کا وقت پیدائش سے وفات تک ہے، حسن بن زیادؒ نے علم فقہ کے میدان میں اس وقت قدم رکھا جب ان کی عمر اسی سال تھی، اور چالیس سال تک انہوں نے

بستر پر رات نہیں گزاری، اس کے بعد چالیس برس تک فتاوی نویسی کا کام انجام دیا۔

ویسے حصول علم کا بہترین وقت چڑھتی جوانی کا وقت ہے، اسی طرح سحر کا وقت اور مغرب وعشاء کا درمیانی وقت افضل ترین وقت ہے۔

طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ وقت مشغول رہے جب کسی ایک علم سے اکتا جائے تو دوسرے علم میں مشغول ہو جائے، حضرت ابن عباسؓ جب علم کلام سے اکتا جاتے تو فرماتے کہ شعراء کے دیوان لاؤ، حضرت امام محمدؒ رات میں نہیں سوتے تھے، آپ اپنے پاس کتابوں کا ڈھیر رکھتے تھے، جب ایک قسم سے اکتا جاتے تو دوسرے قسم کے مسائل میں لگ جاتے، وہ اپنے پاس پانی کا پیالہ رکھتے اور اس سے نیند کو دور کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ نیند حرارت سے آتی ہے ٹھنڈے پانی سے اس کا دور کرنا ضروری ہے۔

حل لغات: **یَبِت: بَاتَ في المکان** (ض، اجوف یائی) **بیتاً وبیاتاً:** رات میں سونا، **شرخ الشباب: شَرَخَ الصبيُّ** (ن، صحیح سالم) **شروخاً:** نوجوان ہونا، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنا، **العشائین:** مغرب اور عشاء دونوں پر عشاء کا اطلاق ہوتا ہے، پہلے زمانے میں مغرب کو عشاء اول اور عشاء کو عشاء آخرہ کہتے تھے، **یستغرق: استغرق الشيَّ** (استفعال اصلہ غَرَقَ صحیح سالم) **استغراقاً:** احاطہ کرنا، گھیرنا، **ھاتوا:** اسم فعل ہے امر کے معنی میں ہے، **دفاتر:** دفتر کی جمع ہے بمعنی کتابوں کا ڈھیر۔

تشریح: تحصیل علم کے لیے کوئی زمانہ متعین اور مقرر نہیں ہے، پوری زندگی ہی آدمی کو حصول علم میں لگانی چاہئے، صحابہ کرامؓ نے عمر کے ہر حصہ میں علم حاصل کیا ہے، اسی طرح بہت سے بزرگوں نے بھی بڑی بڑی عمر میں علم سیکھا ہے، حضرت حسن بن زیادؒ کی عمر ایک سو ساٹھ برس ہوئی ہے جب انہوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا تو ان کی عمر اسی سال کی تھی، مسلسل چالیس سال اس محنت کے ساتھ علم حاصل کیا کہ رات کو بستر پر بھی نہ سوئے، ہر وقت علمی مشغلہ میں مصروف رہتے تھے۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ دور شباب حصول علم کا افضل وقت ہے، اس زمانے میں علم حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ انسان کے قوی اس وقت مضبوط ہوتے ہیں ذہن میں تیزی ہوتی ہے، اور چوبیس گھنٹوں میں سے سحر کا وقت اور مغرب وعشاء کے درمیان کا وقت بہت بہتر ہے ان دونوں وقتوں میں بطور خاص مطالعہ اور کتب بینی کا اہتمام کیا جائے۔

طالب علم کو اپنے تمام اوقات علمی تگ ودو میں مشغول رکھنے ضروری ہیں اور ایک ہی علم کو مسلسل پڑھتے پڑھتے بعض اوقات طبیعت اکتا جاتی ہے اس لیے اسکو چاہئے کہ جب طبیعت میں ایک مسئلہ سے اکتاہٹ محسوس ہو تو دوسرے فن کی کتاب میں مشغول ہو جائے اس سے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابن عباسؓ اور ائمہ میں امام محمدؒ کا یہی معمول تھا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو اس قدر محنت کرتے تھے، راتوں رات پڑھتے رہتے تھے، پانی کا برتن اپنے پاس رکھ لیتے، جب نیند آتی تو اس کو زائل کرنے کے لیے منہ پر پانی کا چھینٹا مارتے اور فرماتے کہ گرمی سے نیند آتی ہے اس لیے ٹھنڈے پانی سے اس کا ازالہ کر لیتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر کی زندگی بہت ہی قابل رشک ہے، کہ انہوں نے اس دین کی خاطر کس قدر مشقتیں اٹھائیں اور ایک ہم ہیں کہ ہر وقت راحت وآرام میں مشغول رہتے ہیں۔

فصل في الشفقة والنصيحة

مہربانی اور خیر خواہی کا بیان

اس فصل کے تحت مصنفؒ یہ بیان فرمائیں گے کہ استاذ کو چاہئے کہ طالب علم کے ساتھ انتہائی نرمی اور شفقت کا معاملہ کرے، ہمہ وقت اس کی خیر خواہی پیش نظر رہے، استاذ اگر طلبہ کا خیر خواہ ہوگا تو اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ استاذ کی اولاد عالم دین بنے گی، نیز اس فصل میں مصنفؒ نے اصحاب علم کو یہ مشورہ دیا ہے کہ آپسی تنازع واختلافات سے بالکل دور رہیں، اس لیے کہ اس سے قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے، طالب علم کو تو یہ چاہئے کہ اپنی مصالح پر نظر رکھے دوسرے کی دشمنی اور حسد میں ہرگز نہ لگے۔

وينبغي أن يكون صَاحِبُ العِلْمِ مُشْفِقاً ناصحاً غَيْرَ حاسِدٍ، فَالحَسَدُ يَضُرُّه ولا يَنْفَعُه.

وكان أستاذنا شيخ الإسلام برهان الدين رحمه الله تعالىٰ يقولُ: إن ابنَ المُعَلِّمِ يكونُ عالماً، لأنَّ المُعَلِّمَ يُرِيدُ أنْ يكونَ تَلَامِذَتُه في القُرآنِ عُلَمَاءَ، فِبَبَرَكَةِ اعتِقَادِهِ وشَفَقَتِه يكونُ ابنُه عَالِماً.

وكانَ يَحْكِي أنَّ الصَّدْرَ الأجَلَّ برهانَ الأئمة رحمه الله تعالىٰ جَعَلَ وَقْتَ السبقِ لابْنَيْهِ: الصدرِ الشهيدِ حُسَامِ الدين، والصدرِ السعيدِ تاجِ الدين رحمهما الله تعالىٰ وَقْتَ الضَّحْوَةِ الكُبْرَى بَعْدَ جميعِ الأسْبَاقِ، وكَانَ يقولانِ : إنَّ طَبِيْعَتَنَا تَكِلّ وتَمَلُّ في ذلك الوقت،فقال أبوهما: إن الغُرَبَاءَ وأولادَ الكُبَراءِ يأتونني مِن أقطارِ الأرض فلا بدّ مِن أنْ أُقَدِّمَ أسْبَاقَهم، فَبِبَرَكَةِ شفقتِه فَاقَ ابْنَاهُ على أكثرِ فُقَهَاءِ أهل الأرض في ذلك

العصر في الفِقْهِ.

ترجمہ: صاحب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ شفیق اور خیر خواہ ہو، حاسد نہ ہو، اس لیے کہ حسد تو اس کو نقصان ہی پہنچائے گا نہ کہ نفع۔

ہمارے استاذ شیخ الاسلام برہان الدینؒ فرماتے تھے کہ علماء کا کہنا ہے: معلم کا بیٹا عالم بنتا ہے، اس لیے کہ معلم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد زمانے کے علماء بن جائیں، پس استاذ کے اعتقاد اور اس کی شفقت کی برکت سے اس کا فرزند عالم بن جاتا ہے۔

اور (حضرت شیخ الاسلام برہان الدینؒ یہ بھی) فرمایا کرتے تھے کہ صدر الاجل برہان الائمہؒ نے اپنے دو فرزند صدر الشہید حسام الدینؒ اور صدر السعید ناصر الدینؒ کے اسباق کا وقت تمام اسباق کے بعد دوپہر کا وقت متعین کیا تھا، (اس پر دونوں) فرزندوں نے کہا کہ اس وقت تو ہماری طبیعت تھک جاتی ہے اور اکتا جاتی ہے، ان دونوں کے والد نے جواب دیا کہ پردیسی اور بڑے لوگوں کے بچے مختلف علاقوں سے آتے ہیں، اس لیے میرے لیے ضروری ہے کہ ان کے اسباق کو مقدم کروں، پس ان کی (طلبہ پر مہربانی اور) شفقت کی برکت سے ان کے دونوں فرزند علم فقہ میں اس زمانے کے تمام علماء سے بڑھ گئے۔

حل لغات: القرآن: قَرنٌ کی جمع ہے بمعنی صدی، ایک زمانے کے لوگ، الضحوة الکبری: دن چڑھے کا وقت، دوپہر کا وقت تَکِلُ: کَلَّ (ض، مضاعف) کَلاًّ وکَلالاً: تھکنا، اکتانا، الغُرَباء: غریب کی جمع ہے بمعنی مسافر، فَاقَ: فَاقَ أصحابَہ (ن، اجوف واوی) فواقاً: سبقت حاصل کر لینا، آگے نکل جانا، فوقیت لے جانا۔

تشریح: استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تلامذہ کے حوالے سے اچھے اور نیک جذبات رکھے، ہمہ وقت ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، اگر استاذ کا کوئی شاگرد ترقی کرے تو یہ اس کے لیے فخر کی چیز ہو نہ کہ اس کی اس ترقی سے حسد اور بغض پیدا

ہو، کیوں کہ بغض وعداوت سے کوئی فائدہ نہیں، اگر استاذ کے دل میں اپنے شاگرد کے لیے نیک جذبات اور خیر خواہی ہوگی تو اس کا بڑا فائدہ خود استاذ ہی کو پہنچیگا، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ استاذ کی اولاد کو علم کی دولت سے مالا مال فرمائے گا۔

حضرت برہان الائمہؒ طلبہ کی خیر خواہی کے پیش نظر اپنے صاجزادوں کو بعد میں پڑھاتے پہلے ان طلبہ کو پڑھاتے جو دور دراز سے آتے تھے، اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ: جو طلبہ دور سے سفر کر کے آتے ہیں ان کا حق زیادہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس نیک جذبہ کی وجہ سے ان کے دونوں فرزندوں کو اپنے زمانے کا بڑا فقیہ بنا دیا حتی کہ وہ اپنے تمام معاصرین پر فوقیت حاصل کر گئے، معلوم ہوا کہ استاذ کو طلبہ کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا امر نا گزیر ہے۔

وينبغي أنْ لَا يُنَازِعَ أحداً ولا يُخاصِمَهُ، لأنّه يُضَيِّعُ أَوْقَاتَه، قِيلَ: المُحْسِنُ سَيُجْزَى بِإحْسَانِه، والمُسِيُ ستكْفِيْهِ مَسَاوِيه.

أنْشَدَنِي الشيخُ الإمَامُ الزّاهِدُ العَارِفُ رُكْنُ الإسلامِ مُحَمَّدُ بنُ أبِي بكرٍ المعروفُ بإمامِ خَوَاهَرَ زَادَه المفتي رحمه الله تعالىٰ قال: أنْشَدَنِي سلطانُ الشريعة يوسفُ الهَمْذَاني رحمه الله تعالىٰ.

ولا تَجْزِ إنْسَاناً عَلىٰ سُوْءِ فِعْلِه سيَكْفِيْهِ مَا فيه وَمَاهُوَفَاعِلُه

قيل: مَنْ أرَادَ أنْ يُرْغِمَ أنفَ عَدُوّهٖ فَلْيُكَرِّرْ هذا الشِّعْرَ:

إذا شِئْتَ أنْ تَلْقىٰ عَدُوَّكَ رَاغِماً وتَقْتُلَه غَمّاً وتُحْرِقَهُ هَمّاً

فَرُمِ العُلَا وَازْدَدْ مِنَ العِلْمِ إنّه مَنْ ازْدَادَ عِلْماً زَادَ حَاسِدُه غَمّاً

قيل: عَلَيْكَ أنْ تَشْتَغِلَ بِمَصَالِح نَفْسِكَ لَابِقَهْرِ عَدُوِّكَ، فإذَا أَقَمْتَ مَصَالِحَ نَفْسِكَ تَضَمَّنَ ذلك قَهْرَ عَدُوّكَ وإيَّاكَ وَالمُعَادَاةَ، فإنّها تَفْضَحُكَ، وَتُضَيِّعُ أوْقَاتَك، وعَلَيْكَ بِالتَّحَمُّلِ لَا سِيَمَا مِنَ السُّفَهَاءِ، قال عِيْسَى بنُ مَرْيَمَ عليه السلام: احْتَمِلُوا مِنَ السَّفِيْهِ وَاحِدَةً كَيْ تَرْبَحُوا عَشْراً.

وانشدتُ لِبعْضِهم:

بَلَوْتُ النَّاسَ قَرْناً بَعْدَ قَرْن ۔۔۔ وَلَمْ أَرَ غَيْرَ خَتَّالٍ وَقَالِ

وَلَمْ أَرَفي الخُطُوبِ أشَدَّ وَقْعاً ۔۔۔ وأصْعَبَ مِنْ مُعَادَاةِ الرجَالِ

وذُقْتُ مَرَارَةَ الأَشْيَاءِ طُرّاً ۔۔۔ فَمَا شيٌ أمَرَّ مِنَ السُّوَالِ

ترجمہ: (طالب علم کے لیے یہ بھی) ضروری ہے کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے، اس لیے کہ یہ چیز اوقات کو ضائع کر دیتی ہے، کہا گیا ہے کہ احسان کرنے والے کو اس کے احسان کا اچھا بدل دیا جاتا ہے اور برائی کرنے والے کو اسکی برائی ہی کافی ہے۔

شیخ الامام، تارک دنیا، عارف باللہ رکن الاسلام مفتی محمد بن ابی بکر جو امام خواہر زادہ کے نام سے مشہور ہیں، نے فرمایا کہ مجھے صاحب طریقت یوسف ہمدانیؒ نے یہ شعر سنایا: کہ انسان کے برے فعل پر بدلا نہ لو، اس کے لیے تو وہی برائی کافی ہے جو اس میں ہے اور جس کا وہ کرنے والا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے دشمن کو ذلیل کرنا چاہے وہ یہ (مذکورہ) شعر بار بار پڑھے۔

مجھے یہ شعر سنایا گیا:

جب تم اپنے دشمن سے اس حالت میں ملنا چاہو کہ وہ ذلیل ہو اور تم اس کو غم کا مقتول اور آتش رنج میں جلا ہوا دیکھنا چاہو تو بلندی کا ارادہ کرو اور علم میں ترقی کرتے رہو، کیوں کہ جو شخص علم میں ترقی کرتا ہے تو اس کے حاسد کا غم بڑھتا ہے، کہا گیا ہے کہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ اپنے منافع میں مشغول رہو نہ کہ اپنے دشمن پر غلبہ حاصل کرنے میں، تمہارا اپنی ذات کے منافع کو قائم کرنا ہی دشمن پر غلبہ کی ضمانت ہوگی، اور تم دشمنی سے بچو، کیوں کہ یہ تم کو رسوا کردیگی اور تمہارے قیمتی وقت کو ضائع کردے گی۔

تمہارے لیے صبر کرنا بھی ضروری ہے، خصوصاً بے وقوفوں سے تحمل و برداشت کا معاملہ کرو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بے وقوف کی اذیب برداشت کرلو،

دسیوں اذیتوں سے نجات پالوگے۔

اور مجھے بعض علماء کا یہ شعر سنایا گیا: میں نے ایک لمبے زمانے تک لوگوں کو آزمایا لیکن غدار اور بغض وعداوت رکھنے والوں کے سوا کسی کو نہ پایا۔

اور گردش ایام میں لوگوں کی دشمنی سے زیادہ کسی چیز کو اثر انگیز اور مشکل ترین نہیں پایا۔

میں نے تمام چیزوں کے مزے کو چکھا لیکن سوال سے زیادہ سخت کسی چیز کو نہیں پایا۔

حل لغات: يُنَازِعُ: نَازَعَهُ (مفاعلت، اصلہ نَزَعَ صحیح سالم) منازعةً: جھگڑنا، الْمُحسِنُ: اسم فاعل کا صیغہ ہے، أحسَنَ إليه وبه (افعال، اصلہ حَسَنَ، صحیح سالم) إحساناً: حسن سلوک اور اچھائی کرنا، سَيُجزی: صیغۂ مجہول ہے، جَزَى فلاناً بكذا وعليه (ض، ناقص یائی) جزاءً: بدلا دینا، المسيءُ: اسم فاعل ہے، أَسَاءَ فُلَاناً ولَهُ وإليه وعليه وبه (افعال، اصلہ ساء اجوف واوی) إساءةً: برائی کرنا، الْمَسَاوِي: مَسَاءَةٌ کی جمع ہے، برا فعل یا برا قول، يُرغِمُ: أَرغَمَ أَنفَهُ (افعال، اصلہ رغم، صحیح سالم) إرغاماً: ذلیل کرنا، خاک آلود کرنا، فَرُمْ: صیغۂ امر ہے قُل کے وزن پر، رَامَ (ن، اجوف واوی) روماً ومَراماً: ارادہ کرنا، أُزْدُدْ: صیغۂ امر ہے ازدَادَ (افتعال، اصلہ زاد، اجوف واوی) إزدياداً: زیادتی طلب کرنا، بڑھنا، ترقی کرنا، مَصَالِح: مَصلِحَةٌ کی جمع ہے، وہ چیز جس میں بھلائی اور خیر خواہی ہو، تَضَمَّنَ الشيَّ (تفعل اصلہ ضمن، صحیح سالم) تضمناً: شامل ہونا، کسی چیز کو ضامن ہونا، الْمُعَادَاةُ: مصدر ہے عَادَاهُ (مفاعلت، اصلہ عَدَا، صحیح سالم) معاداةً وعِدَاءً: جھگڑنا، باہم لڑنا، تَفضَحُكَ: فَضَحَهُ (ف، صحیح سالم) فَضحاً: عیوب سے پردہ فاش کرنا، رسوا اور ذلیل کرنا السُّفَهاء: سَفِيهٌ کی جمع ہے بمعنی بے وقوف، جاہل، احتملوا: احتمل الشيَّ (افتعال، اصلہ حَمَلَ، صحیح سالم) احتمالاً: برداشت کرنا، لَترْبَحُوا: رَبِحَ (س، صحیح سالم) ربحاً: نفع اٹھانا، لیکن یہاں پر یہ لفظ چھٹکارا پانے کے معنی میں ہے، بَلَوتُ: بَلَا (ن، ناقص واوی) بَلاءً وبَلواً: آزمائش کرنا، خَتَالٌ: خَتَلَهُ (ن، صحیح سالم) خَتلاً

وختلاناً: دھوکہ دینا، غداری کرنا، قَالٍ: اصل میں "قالي" تھا، "یاء" پر ضمہ مشکل ہوا تو ضمہ کو سکون سے بدل دیا، جس سے اجتماع ساکنین ہوگیا، پس "یاء" کو ساقط کردیا "قالٍ" ہوگیا، قَلَیَ فلاناً (ض، ناقص یائی) قلیً: بغض وعداوت رکھنا، چھوڑنا، قرآن پاک میں ہے: "مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی"، الخُطُوب: خَطْبٌ کی جمع ہے بمعنی شان، گردش ایام، أَصْعَبُ: اسم تفضیل ہے، صَعُبَ (ک، صحیح سالم) صعوبۃً: مشکل ہونا، طُرّاً: جَمِیعاً کے معنی میں ہے، أَمَرّ: اسم تفضیل کا صیغہ ہے مَرّ (ن،س، صحیح مضاعف) مرارۃً: تلخ ہونا۔

تشریح: طالب علم کو ہمیشہ باہمی تنازعات واختلاف سے اجتناب کرنا چاہئے، آپس میں جھگڑنا اس کے بیش قیمت اوقات کو ضائع کردیتا ہے، اگر کوئی برائی سے بھی پیش آئے تو اسے اچھا بدلا دے یہ اس کے ساتھ بھی برائی کرے، اس لیے کہ برائی کرنے والے کی برائی کا وبال اسی پر ہے اور احسان کا ثواب اسکو ملے گا۔

یوسف ہمدانیؒ نے بڑی عمدہ بات کہی ہے: کہ انسان کو اس کے برے فعل پر کوئی سزا نہ دو اس کے لیے تو اسکی برائی اور بدسلوکی ہی کا وبال کافی ہے۔

جب کوئی طالب علم ترقی کرتا ہے تو اس کے کچھ حاسدین ہوجاتے ہیں جو اس کی علمی ترقی میں رکاوٹ بننا چاہتے ہیں، اب ایسے لوگوں کا علاج یہ نہیں کہ ان سے لڑنا جھگڑنا شروع کردیا جائے، بلکہ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ حاسدین کی طرف بالکل توجہ نہ کی جائے، اپنے کام میں مشغول ہوجائے، حصول علم میں خوب محنت اور جدوجہد کرے، حاسد اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلتا رہے گا اور اس کا نقصان اسی کی ذات کو ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بڑا اچھا مقولہ نقل کیا گیا: کہ تم جاہل کی ایک اذیت ہی کو برداشت کرلو، اگر وہ تم کو ایک گالی دے تو اس کو برداشت کرلو جواب دو گے تو وہ اپنے جہل کی وجہ سے تم کو دس اور سنا دے گا، اس لیے اسکی ایک اذیت کو برداشت کر کے دس سے بچ

جاؤ، یہی عقل مندی ہے۔

ایک شاعر نے اپنے تجربات کی روشنی میں بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ: میں نے عرصہائے دراز تک مختلف لوگوں کو آزمایا، ان کے احوال کا جائزہ لیا، لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اکثر لوگ غدار اور دھوکے باز ہیں، نفرت اور دشمنی کی آگ میں جھلس رہے ہیں، ایک انسان دوسرے کی ترقی دیکھنا گوارہ نہیں کرتا، اور لوگوں کا یہ طرزِ عمل یعنی آپسی دشمنی تمام تر برائیوں سے بڑھ کر ہے اور زیادہ خطرناک ہے، اس سے دلوں کا سکون کافور ہو جاتا ہے، اس لیے طالب علم کے لیے تو انتہائی لازمی اور ضروری ہے کہ وہ اپنے قلب کو ان تمام گندیوں اور برائیوں سے صاف رکھے تاکہ علم کا نور اس کے دل میں آئے۔

وإيَّاكَ أن تظُنَّ بالمؤمن سُوءً، فإنّه مَنشأُ العَدَاوَةِ ولا يحِلُّ ذلك، لقوله عليه السلام: "ظُنوُّا بالمؤمنين خيراً".

وإنّما يَنشأُ ذلِكَ من خُبثِ النية وسُوءِ السَّرِيرَةِ، كَمَا قال أبو الطيب:

إذا سَاءَ فِعلُ المرء سَاءَ تْ ظُنُوْنُه ۔۔۔ وَ صَدَّقَ ما يَعتَادُهُ مِن تَوَ هُّمِ

وعَادىَ مُحِبِّيهِ بقول عُدَاتِه ۔۔۔ أصبَحَ في لَيلٍ مِنَ الشَّكِّ مُظلِمِ

وأنشدت لبعضهم:

تَنَحَّ عَنِ القبيحِ ولا تُرِدهُ ۔۔۔ ومَن أولَيتَهُ حُسناً فَزِدهُ

سَتُكفَى مِن عَدُوِّكَ كُلَّ كَيدٍ ۔۔۔ إذَا كَادَ العَدُوُّ فَلَا تَكِدهُ

وانشدت للشيخ العميد أبي الفتح البستي رحمه الله تعالىٰ:

ذُو العقلِ لا يَسلَمُ مِن جَاهِلٍ ۔۔۔ يَسُومُه ظُلماً و إعنَاتَاً

فَليَختَرِ السِّلمَ على حَربِهِ ۔۔۔ وَليَلزَم الإنصَاتَ إن صَاتَا

ترجمہ: مؤمن کے ساتھ بدگمانی کرنے سے بچتے رہو، کیوں کہ یہی عداوت کی بنیاد ہے، اور بدگمانی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "ایمان والوں کے بارے میں اچھا گمان رکھو" کی وجہ سے حلال نہیں ہے، اور یہ (بدگمانی) بری نیت اور گندی سوچ کی وجہ

سے ہوتی ہے، جیسا کہ ابو الطیب متنبی نے کہا کہ: جب انسان کا عمل برا ہو جاتا ہے تو اس کے خیالات بھی خراب ہو جاتے ہیں، اور وہم ہر اس چیز کی تصدیق کر دیتا ہے جس کا وہ عادی ہوتا ہے۔

اپنے محبت کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگتا ہے دشمنوں کے حق میں غلط بیانی کر کے، اور تاریک شب کی طرح شک کے اندھیرے میں پڑ جاتا ہے۔

اور بعض علماء کے یہ اشعار مجھے سنائے گئے: غلط باتوں سے دور رہو ان کا جواب مت دو اور جس کے ساتھ تم نے بھلائی کی ہے اس کے ساتھ مزید بھلائی کرتے رہو، تم اپنے دشمن کے ہر مکر وفریب سے محفوظ رکھے جاؤ گے، جب دشمن مکر وفریب کرے تو تم مکر وفریب نہ کرو۔

شیخ عمید ابو الفتح بستیؒ کے یہ اشعار مجھے سنائے گئے: عقل مند انسان جاہل سے محفوظ نہیں رہ پاتا، وہ ظلم اور سخت پریشانیوں کی وجہ سے ان پر کام کو قابل مشقت بنا دیتا ہے، اس لیے جاہل سے لڑنے کے بجائے امن وامان کو اختیار کرنا چاہئے اگر وہ آواز اٹھائے تو خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔

حل لغات: يَنشَأُ: نَشَأَ الشيُ (ف، مہموز اللام) نَشئاً: پیدا ہونا، السَّرِيرَةُ: راز، بھید (ج) سرائر، مِن تَوَهُّم: یہ "ما" موصولہ کا بیان ہے، اور "ما يعتاد" پورا جملہ صلہ ہے، صلہ موصول سے مل کر صَدَّقَ کا فاعل ہے، مفعول بہ کی ضمیر جو "المرء" کی طرف راجع ہے محذوف ہے، عَادَی: عَادَاهُ (مفاعلت، اصلہ عَدَا، معتل اللام) مُعَادَاةً: دشمنی کرنا، عُدَاةٌ: بضم العين عَادِي کی جمع ہے بمعنی دشمن، تَنَحّ: صیغہ، امر ہے، تَنَحيٰ (تفعل اصلہ: نحاَ، ناقص واوی) تَنَحِّياً: دور ہونا، أَولِيَتَهُ: أَولَیَ فلا ناً معرو فاً (افعال، اصلہ ولي، لفیف مفروق) إيلاءً: احسان کرنا سَتُكفيٰ: صیغہ مجہول ہے، كَفَاهُ شَرَّ فلانٍ (ض، ناقص یائی) كفايةً: مکر وفریب سے حفاظت کرنا، کافی ہونا، يَسلَم :سَلِمَ مِنَ الآفَاتِ (س، صحیح سالم) سَلَاماً: محفوظ ہونا، يَسُومُه: سَامَ الإنسانُ ذُلًّا أو ظُلماً (ن، اجوف واوی) سَوماً وسَوَاماً: کسی پر ظلم کی وجہ سے کام کو

بامشقت بنا دینا، إعنَاتاً: أعنَتَهُ (افعال، اصلہ عَنِتَ، صحیح سالم) اعناتاً: ہلاکت اور مشقت میں ڈالنا، الإ نصَات: أنصَتَ (افعال، اصلہ نَصَتَ) إنصَاتاً: خاموش کرنا، صَاتَا: صَاتَ (ن، صحیح سالم) صَواتاً: چیخنا، بلند آواز سے بولنا، اس کے آخر میں الف اشباع کے لیے ہے۔

تشریح: بہ نص قرآنی کسی بھی بندۂ مؤمن سے بدگمانی رکھنا ایک جرم ہے، اور ایسا جرم ہے جس سے انسان کی طبیعت متاثر ہوتی ہے قلب میں بے چینی پیدا ہوتی ہے، نیز اس جرم کے ارتکاب سے آپس میں دشمنی اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام تر چیزیں حصول علم میں مانع بنتی ہیں اس لیے ان سے اجتناب کرنا انتہائی لازمی اور ضروری ہے، مصنفؒ نے یہاں پر بدگمانی کی بیماری کے اصل سبب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ یہ بیماری بری سوچ ہے، اور انسان کی اپنی خامیاں ہیں، جن کی وجہ سے وہ دوسروں میں انہی برائیوں اور خامیوں کو تلاش کرتا ہے، شاعر متنبی نے اسی بات کو شعر میں بیان کیا ہے: "إذا ساء فعل المرء سائت ظنونه" کہ جب انسان کے افعال برے ہو جاتے ہیں تو وہ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اپنا جیسا خیال کرنے لگتا ہے، کیونکہ اس کے خیالات اور سوچ ہی گندے ہو جاتے ہیں، اس لیے اپنے آپ کو برائیوں سے بچاؤ اور دوسروں میں بھی برائیاں تلاش نہ کرو اور نہ ہی ان کے بارے میں بدگمانیاں رکھو۔

اگر کسی وقت کوئی شخص تمہیں برا کہے تو تم لوٹ کر اسکو برا مت کہو، بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہو، انشاء اللہ خداوند قدوس تمہاری اعانت فرمائے گا، اور یاد رکھو کہ عقلمندوں کو جہلاء سے سابقہ پڑا ہی کرتا ہے، ظالم اپنے ظلم کی وجہ سے نیک لوگوں کو تنگی اور مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہے اس کے ظلم سے بچنے کا طریقہ یہ اختیار کرو کہ خاموشی اختیار کرلو، اگر وہ شور مچائے تو تم اس کی بات کا جواب نہ دو، اگر اس طرح طالب علم اپنی زندگی گزارے گا تو انشاء اللہ وہ کامیاب ہوگا۔ الحمد للہ یہاں پر نویں فصل پوری ہوگئی۔

محمد عبدالرزاق غفرلہ،

فصل في الاستفاده

یہ فصل استفادہ کے بیان میں ہے

اس فصل میں مصنفؒ یہ بیان فرمائیں گے کہ طالب علم کو ہمہ وقت استفادۂ علمیہ میں مشغول رہنا چاہیے، ہمہ وقت اپنے ساتھ قلم کاپی رکھنا چاہیے کہ جس وقت اور جہاں بھی کوئی دین کی بات سنے اس کو فوراً قلمبند کرلے، اپنے اساتذۂ کرام کو غنیمت جانے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے اس کو باصلاحیت اساتذہ عطاء فرمادیئے، استفادۂ علمیہ کے لیے دوسروں کی چاپلوسی بھی کرنا پڑے تو اس کو بھی برداشت کرلے، کیوں کہ علم ایک بڑی نعمت ہے۔

وينبغي أنْ يَكونَ طالبُ العلمِ مُسْتَفِيْداً في كلِّ وقتٍ، حتى يَحْصُلَ له الْفَضْلُ، وطَرِيقُ الاسْتِفَادَةِ أنْ يَكُوْنَ مَعَهُ في كلِّ وقتٍ مِحْبَرةٌ حتى يَكْتُبَ ما يَسْمَعُ مِنَ الفَوَائِدِ.

قيل: ماحُفِظَ فَرَّ وما كُتِبَ قَرَّ.

وقيل: العَلْمُ ما يُوْخَذُ مِن أفْوَاهِ الرجَالِ؛ لأنَّهُم يَحْفَظُوْنَ أحْسَنَ مايَسْمَعُوْنَ، ويقولون أحْسَنَ يَحْفَظُوْنَ.

وسَمِعْتُ الشيخَ الإمامَ الأجَلَّ الأديبَ الأستاذَ ركنَ الدين المعروف بالأدِيْبِ المُخْتَارِ يقولُ: قال هلالُ بنُ يَسَارٍ: رأيتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ لأصْحَابِه شيئاً مِنَ العِلْمِ والحِكْمَةِ، فقلتُ: يا رسولَ الله! أعِدْ لي ما قُلْتَ لهم؟ فقال لِي: هَلْ مَعَكَ مِحْبَرَةٌ؟ فَقُلْتُ: مامَعِي مِحْبَرَةٌ. فقال: يا

هلال: "لَا تُفَارِقِ المِحْبَرَةَ، فإنَّ الخَيرَ فيها وفي أهْلِهَا إلى يَوْمِ القِيَامَةِ.

وَوَصَى الصدرُ الشَّهِيْدُ حُسَامُ الدينِ - رحمه الله تعالىٰ- ابنَهُ شَمْسَ الدينِ أنْ يَحْفَظَ كُلَّ يَوْمٍ شَيْئاً يَسِيْراً مِنَ العِلْمِ والْحِكْمَةِ، فإنَّهُ يَسِيْرٌ، وعَنْ قَرِيْبٍ يَكُوْنُ كَثِيْراً.

واشْتَرى عِصَامُ بنُ يُوْسُفَ- رحمه الله- قَلَماً بِدِيْنَارٍ لِيَكْتُبَ مَا سَمِعَهُ في الحَالِ، فَالعُمْرُ قَصِيْرٌ وَالعِلْمُ كَثِيْرٌ، فنبغي أنْ لَايُضَيِّعَ الأوقاتَ والسَّاعَاتِ، ويَغْتَنِمَ اللَيَّالِيَ والخَلْوَاتِ. عن يَحْيَى بنِ مُعَاذٍ الرَّازِيِ أنه قالَ: اللَّيْلُ طَوِيْلٌ فَلَا تُقَصِّرْهُ بِمَنَامِكَ، والنَّهَارُ مُضِيْئٌ فَلَا تُكَدِّرْهُ بآثَامِكَ.

ترجمه: طالب علم کے لیے ہمہ وقت استفادہ میں لگا رہنا ضروری ہے، تا کہ اس کو کمال حاصل ہو جائے، اور استفادے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاس ہر وقت کاغذ قلم رہے، تا کہ جو بھی فائدے کی بات سنے اس کو لکھ لے۔ کہا گیا ہے کہ جو یاد کیا گیا وہ نکل گیا اور جو لکھ لیا گیا وہ باقی رہا۔

اور کہا گیا کہ علم تو وہ ہے جو لوگوں کی زبان سے حاصل کیا جائے، اس لیے کہ اہل علم سنی ہوئی باتوں میں عمدہ باتوں کو یاد کرتے ہیں اور یاد کی ہوئی باتوں میں سے اچھی بات کو بیان کرتے ہیں۔

میں نے حضرت الاستاذ، عالی مرتبت ادیب، شیخ رکن الدینؒ جو ادیب مختار کے نام سے مشہور ہیں، سے سنا کہ ہلال بن یسارؓ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے علم و حکمت کی باتیں بیان فرما رہے تھے، تو میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ جن باتوں کو ان اصحاب سے بیان فرما رہے تھے ان کو دوبارہ ارشاد فرما دیجیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کاغذ قلم ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس روشنائی (قلم دوات) نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اے

ہلال! کاغذ و قلم سے جدا نہ ہوا کرو، یقیناً اس میں اور اہل علم میں تا قیامت بھلائی ہے۔
صدر الشہید حسام الدینؒ نے اپنے صاحبزادے شمس الدینؒ کو یہ وصیت فرمائی کہ وہ روزانہ علم وحکمت کی تھوڑی مقدار ضرور یاد کیا کرے، کیوں کہ ابھی تو یہ تھوڑی ہے لیکن عنقریب زیادہ ہوجائیگی۔

عصام بن یوسفؒ نے فی الحال سنی ہوئی باتوں کو لکھنے کیلئے ایک درہم میں ایک قلم خریدا، انسان کی عمر بہت تھوڑی ہے اور علم بہت زیادہ ہے، اس لیے اوقات اور لمحات کو ضائع کرنا ہرگز مناسب نہیں، راتوں اور تنہائیوں کو غنیمت جانے، جیسا کہ یحیٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ رات بڑی لمبی ہے اپنی نیند سے اسے چھوٹی نہ کرو، اور دن روشن ہے اپنے گناہوں سے اسے گدلا نہ کرو۔

حل لغات: فَرَّ (ض، مضاعف) فِراراً: بھاگنا، نکلنا، قَرَّ (ض، مضاعف) قراراً: ثابت وساکن رہنا، قَصِیرٌ: قَصُرَ الشيُ (ک، صحیح سالم) قَصراً: چھوٹا ہونا، کم ہونا، یَغتَنِمُ: اغتَنَمَ الشيُ (افتعال، اصلہ: غَنِمَ، صحیح سالم) اغتناماً: موقع سے فائدہ اٹھانا، موقع کو غنیمت جاننا، الخَلَوات: خَلوَۃٌ کی جمع ہے: تنہائی۔

تشریح: حصول علم ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کو اس کا موقع مل جائے تو وہ اس کی قدر دانی کرے، اور اس کی قدر یہ ہے کہ ہمہ وقت استفادۂ علمیہ میں مصروف رہے، ایک ایک لمحہ کو قیمتی سمجھتے ہوئے ضائع نہ کرے، کہیں دین کی کوئی بات سنے تو اس کو فوراً قلم بند کرلے، کاغذ قلم ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے، کسی بزرگ کا مشہور مقولہ ہے: "مَا حُفِظَ فَرَّ، وماَ کُتِبَ قَرَّ" کہ انسان جو یاد کرلیتا ہے وہ جلد ہی چلا جاتا ہے یعنی چند دنوں میں وہ بات جو سن کر یاد کی جائے وہ بھلادی جاتی ہے، اور جس کو لکھ لیا جاتا ہے وہ محفوظ ہوجاتا ہے کہ جب ضرورت پڑے تو فوراً اس کو پڑھ لے۔
خصوصاً اپنے اساتذہ کرام کی تقاریر کو نوٹ کرلینا چاہئے کیوں کہ استاذ انتہائی محنت

سے اسباق کا خلاصہ اور نچوڑ طلبہ کے سامنے پیش کرتا ہے، اس کو لکھنا انتہائی مفید اور کارآمد ہوتا ہے، لکھنے سے علم محفوظ ہوتا ہے اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے مصنف علامؒ نے ایک صحابی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی الہ علیہ وسلم کی مجلس لگی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وحکمت کی بہت سی باتیں صحابہ کے سامنے بیان فرمائیں حضرت ہلالؓ پہلی مرتبہ میں ان باتوں کو محفوظ نہ کر سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ دوبارہ ارشاد فرمادیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ہلال! تم اپنے پاس قلم دوات رکھا کرو تا کہ جو سنو اس کو لکھ لو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلم دوات اور اہل علم میں بہت برکت رکھی ہے۔

حضرت عصام الدینؒ نے سنی ہوئی بات کو فوراً لکھنے کے لیے ایک مرتبہ موجودہ زمانے کے اعتبار سے تقریباً ایک ہزار روپئے کا فوری طور پر قلم خریدا، اس لیے کہ اگر وہ اس وقت قلم نہ خریدتے تو شاید اس قیمتی بات کا لکھنا چھوٹ جاتا، جبکہ شاید اس وقت اس قلم کی قیمت ایک روپیہ سے زیادہ کی نہ ہوگی، معلوم ہوا کہ حصول علم میں لکھنا بہت مفید اور ضروری ہے۔

انسان کی عمر بڑی کم ہے اور علم ایک بڑا سمندر ہے اس بڑے سمندر کو حاصل کرنے کے لیے رات ودن محنت کرنی چاہئے، راتوں کو سونے میں ضائع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ رات کے اوقات انتہائی سکون کے ہوتے ہیں ان میں خوب علمی کارنامے انجام دینے چاہئیں اور دن میں تکرار کتب میں مشغول رہنا چاہئے نہ کہ گناہوں میں پھنس کر اپنے دن کو مکدر کرنا چاہئے، ایک طالب علم کی یہی کامیابی وکامرانی ہے۔

وينبغي أنْ يَغتنِمَ الشيوخَ ويستفيدَ مِنهُم، وليس كُلُّ ما فاتَ يُدرَكُ، كما قال أستاذُنا شيخُ الإسلام في مَشيخَتِه: كَمْ مِنْ شيخٍ كبيرٍ أدركتُه وما استخبرتُه و أقولُ على ذلك الفوتِ مُنْشِئاً هذا البيتَ:

لَهفِيْ عَلَى فَوتِ التَّلاقِي لَهفاً　　مَا كُلُّ فَاتَ ويَفنيْ يُلفيْ.

قال علي رضي الله عنه : إذا كُنْتَ في أمرٍ فكُنْ فِيه، وكفىٰ بالإعراضِ مِنْ عِلْمِ الله تعالىٰ خِزْياً وخَساراً، واسْتَعِذْ بالله مِنْهُ ليلاً ونهاراً.

ولا بُدَّ لطالبِ العلم مِن تَحَمُّلِ المَشَقّةِ والمَذَلّةِ في طَلَبِ العلم، والتَّمَلُّقُ مذمومٌ إلافي طلبِ العلم فإنه لابُدّ مِنَ التَّمَلُّقِ للأستاذ والشُّركاءِ وغيرِهم للاستفادة منهم.

قيل: العِلْمُ عِزٌّ لاذِلّ فيه، ولا يُدْرَكُ إلابِذِلٍّ لاعِزَّفيه.

وقال القائل:

أرَىٰ لَكَ نفساً تشتَهِي أن تُعِزّ هَا　　فَلَستَ تَنَالُ العِزَّ حَتّى تُذِلّهَا

ترجمه: عمر رسیدہ اساتذہ کرام کو غنیمت سمجھے اور ان سے خوب استفادہ کرے، ہر فوت شدہ چیز حاصل نہیں ہوتی (اگر یہ بزرگ اساتذہ نہ رہے تو پھر حاصل نہ ہوں گے) جیسا کہ ہمارے استاذ شیخ الاسلامؒ نے اپنی کتاب "مشیخہ" میں فرمایا ہے: کتنے بڑے بڑے شیوخ کو میں نے پایا لیکن ان سے میں اچھی بات حاصل نہ کرسکا، اسی زیاں کی بنیاد پر میں کہا کرتا ہوں:

ہائے افسوس علماء کرام سے ملاقات نہ ہونے پر، ہائے ندامت جو بات گزر گئی اور فنا ہوگئی وہ ملنے والی نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی کام میں لگو تو اسی میں لگے رہو، اللہ تبارک وتعالی کے علم سے روگردانی رنج وغم اور بربادی کے لیے کافی ہے، اس سے شب وروز اللہ کی پناہ مانگو۔

طالب علم کے لیے تحصیل علم میں مشقت اور ذلت کا برداشت کرنا بھی ضروری ہے، چاپلوسی کرنا مذموم اور بری چیز ہے لیکن حصول علم میں نہیں، اس لیے کہ استاذ اور شرکاء درس سے استفادے کے لیے ان کی چاپلوسی کرنا ضروری ہے۔

کہا گیا ہے کہ علم ایک ایسی عزت ہے جس میں کوئی ذلت نہیں، اور علم ایسی ذلت ہی سے حاصل بھی ہوتا ہے جس میں کوئی عزت نہیں۔

کہنے والے نے کہا ہے: میں تمہارے نفس کو دیکھتا ہوں وہ چاہتا ہے کہ تم اس کو عزت دو، اور تم نفس کو ذلیل کیے بغیر اس کو عزت نہیں دے سکتے۔

حل لغات: "مشیخة" یہ ایک کتاب کا نام ہے جس کو صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے، استَخَرتُہُ: استِخَارَ (استفعال، اصلہ خَیرٌ، معتل العین) استخارۃ: خیر طلب کرنا، لَهفیٰ: یہ کلمہ حسرت ہے، کسی فوت شدہ چیز پر حسرت اور افسوس کے اظہار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور یہ مصدر مضاف ہے "یا" حرف نداء محذوف ہے اور دوسرا لَهفیٰ پہلے کی تاکید ہے، یُلفیٰ: بصیغۂ مجہول ہے، أَلفیٰ (افعال، اصلہ لَفِيَ، معتل اللام) إلفاءً: پانا، حاصل کرنا، التَّمَلُّق: تَمَلَّقَ للرجل (تفعل، اصلہ مَلِقَ صحیح سالم) تَمَلُّقاً: چاپلوسی کرنا۔

تشریح: عمر دراز اساتذہ اور شیوخ کامل جانا خدا کی بڑی نعمت ہے، اس لیے کہ پرانے اور عمر رسیدہ حضرات تجربہ کار ہوتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اَلبَرَکَةُ مَعَ أَکَابِرِکُم" یعنی اللہ تعالیٰ نے اکابرین کی صحبت میں خیر و برکت رکھی ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنی طویل زندگی میں بہت سی چیزوں کو دیکھا ہے، انہیں معلوم ہے کہ فلاں چیز طلبہ کے لیے مفید ہے اور فلاں چیز مضر، لہٰذا ایسے اکابر اساتذۂ کرام کی قدر دانی کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے وہ علوم جو سینہ بسینہ منتقل ہوتے آرہے ہیں حاصل ہو جائیں، اگر ان اساتذہ سے علوم حاصل نہ ہو سکے تو پھر ان کے بعد ایسے حضرات نہیں ملیں گے۔

صاحب ہدایہ کو اپنی زندگی میں یہی افسوس رہا ہے کہ میں اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل نہ کر سکا، چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب "المشیخة" میں تحریر فرماتے

ہیں: میں نے بہت سے کبار علم اساتذہ کو پایا اور ان سے استفادہ نہ کر سکا، آج جب یہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو کف افسوس مل رہا ہوں۔

اسی طرح مصنفؒ نے بھی یہ شعر کہا ہے: کہ علم وفضل کے شہسواروں سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس اور حسرت ہی حسرت ہے، اس شعر میں "مَا كُلُّ مَا فَاتَ" میں پہلا "ما" نافیہ ہے اور دوسرا موصولہ ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کام یں لگو تو ہمہ تن اسی میں مشغول رہو، اسی میں خوب محنت اور کوشش کرتے رہو، اور علم تو تمام چیزوں میں اہم اور مشکل ترین چیز ہے اس کے حصول کے لیے طالب علم کو اپنے تن من دھن کی بازی لگا دینی چاہئے، کسی کو اللہ تعالیٰ حصول علم کا موقع نصیب فرمائیں اور وہ اس سے اعراض کرلے تو یہ اس کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنے گا۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ حصول علم میں طرح طرح کی دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں، نیک بخت طالب علم وہ ہے جو ان تمام مصائب میں صابر وثابت رہے اور تحصیل علم میں کوئی کمی نہ آنے دے، علم جیسی بیش قیمت چیز کے لیے اگر کسی عالم کی چاپلوسی بھی کرنی پڑے تو اسکو بھی کرلے، اگر چہ چاپلوسی کرنا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے حصول علم کے لیے اسکو جائز قرار دیا ہے۔

کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ علم ایک ایسی عزت ہے جس میں کسی قسم کی ذلت نہیں، اس کے حصول میں استاذ کی سخت سست بات کو گوارہ کرلینا چاہئے، اور حقیقت یہ ہے کہ علم جیسی معزز چیز بغیر ذلت کے حاصل نہیں ہوتی، طلبہ کا اساتذہ کے لیے تملق اور چاپلوسی کرنا ایک ذلت ہے لیکن حصول علم کے لیے لازمی بھی ہے، پھر یہ تملق کی ذلت ایسی ہے جو عزت کا سبب بنتی ہے۔

فصل في الورع فی حالة التعلم

زمانۂ طالب علمی میں حرام چیزوں سے بچنے کا بیان

اس فصل میں مصنفؒ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو رذیل اور بری صفات سے پاک کرے، جھوٹ، غیبت، بہتان، سرقہ، فضول گوئی اور بری صحبت سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچاتا رہے، اس لیے کہ علم دل کی عبادت ہے جو ایک باطنی شئی ہے، پس جس طرح نماز جو ظاہری اعضاء کی عبادت ہے بغیر طہارت کے درست نہیں اسی طرح علم جو باطنی عبادت ہے وہ بھی بغیر طہارت باطنی کے حاصل نہیں ہوتی۔

رَوَى بعضُهم حَدِيثاً في هذا الباب عَنْ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ''مَن لَم يَتَوَرَّعْ في تَعَلُّمِه ابتلاَهُ الله تعالى باحَدِ ثَلاثَةِ اشْياءَ: إماَ أن يُمِيتَهُ في شَبابِه، أو يُوقِعَهُ في الرَّسَاتِيْقِ، أويبتَلِيَه بِخِدمَةِ السُّلطَان'' فَكُلَّما كان طالبُ العلم أوْرَعَ كان علمُه أنفعَ، والتعلم له أيسرَ، وفوائدُه أكثرَ.

ومِنَ الوَرَعِ أن يَتَحرَّزَ عن الشِّبَعِ وكثرةِ النوم، وكثرةِ الكَلامِ فيما لا يَنْفَعُ، وأن يَتَحرَّزَعن أكل طعامِ السوق إن أمْكَنَ، لأنَّ طعامَ السُّوْقِ اقْرَبُ إلى النجاسةِ والخَبَاثةِ، وأبعدُ عن ذِكْرِ الله تعالى، وأقْرَبُ إلى الغَفْلَةِ، ولأن أبْصَارَ الفُقَرَاءِ تقع عليه، ولا يَقْدِرون على الشراء فيَتَاذَّوْنَ بذلك، وتَذْهَبُ بَرَكتُه.

وحُكِيَ أنَّ الشيخَ الإمامَ الجليلَ محمد بنَ الفضلِ رحمه الله تعالىٰ كان في حالِ تعلُّمِه لا ياكل مِنْ طعامِ السوق وكان أبُوْه يَسْكُن الرَّسَاتِيْقَ ويُهَيِّئ طعامه، ويدخل إليه يومَ الجمعه، فرأى في بيتِ ابنه خبزَ السوق

يوماً فلم يُكَلِّمه ساخِطاً عليه، فاعْتَذَرَ إليه ابنُه، فقال: ما اشْتَرَيْتُه أنا ولم أرْضَ بِه، ولكِنَّهُ أحْضَرَهُ شَرِيكي، فقال أبوه: لو كُنْتَ تَحْتَاطُ وتَتَوَرَّعُ عن مثله لم يَجْتَرِئْ شريكك على ذلك.

وهكذا كانوا يَتَوَرَّعُوْنَ، فلذلك وُفِّقُوا لِلْعِلْمِ والنَّشْرِ حَتّى بَقِيَ اسْمُهُمْ إلى يَوْمِ القيامة.

ووَصّى فَقِيهٌ مِنْ زُهَادِ الفُقَهَاءِ طَالِبَ علمٍ: عليك أن تَتَحَرَّزَ عن الغِيبَةِ وعن مُجَالَسَةِ المِكْثَارِ، وقال: إنَّ مَنْ يُكْثِرُ الكلامَ يَسْرُقُ عُمُرَكَ ويُضَيِّعُ أوقاتَك.

ترجمہ: بعض علماء نے تقوی سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص زمانہ طالب علمی میں برائیوں سے احتیاط نہ کرے اللہ تعالی اس کو تین چیزوں میں سے کسی ایک میں مبتلاء کر دیتا ہے، یا تو اس کو جوانی میں موت دے دیتا ہے، یا دیہات میں ڈال دیتا ہے، یا اس کو بادشاہ کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے۔

جب طالب علم خوب متقی و پرہیز گار ہوگا تو اس کا علم بھی خوب نفع بخش ہوگا، علم حاصل کرنا اس کے لیے بہت آسان ہوگا اور علم کے منافع کثیر ہوں گے۔

اور پرہیز گاری یہ ہے کہ شکم سیری، زیادہ سونے اور بے فائدہ چیزوں میں بسیار گوئی سے اجتناب کرے، اگر ممکن ہو سکے تو بازاری چیزوں کے کھانے سے احتیاط کرے، کیونکہ بازاری کھانے گندگی اور آلودگی سے قریب تر اور ذکر الہی سے بہت دور ہوتے ہیں، نیز لاپرواہی سے بھی قریب تر ہوتے ہیں، اور اس لیے بھی کہ ان فقراء کی نظریں بھی ان کھانوں پر پڑتی ہیں جو ان کے خریدنے پر قدرت نہیں رکھتے، جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے، اور اس بازاری کھانے کی برکت جاتی رہتی ہے۔

منقول ہے کہ جلیل القدر امام شیخ محمد بن فضلؒ اپنے زمانہ طالب علمی میں بازاری کھانا نہیں کھاتے تھے، ان کے والد دیہات میں رہتے تھے، ان کا کھانا تیار کرتے اور جمعہ کے دن ان کے پاس لاتے، ایک روز انہوں نے اپنے فرزند کے کمرے میں بازار کی روٹی دیکھی تو ناراضگی کی وجہ سے ان سے بات نہیں کی، صاحبزادے نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے نہیں خریدی ہے اور نہ ہی میں اس کو پسند کرتا ہوں، بلکہ اس کو میرا ایک ساتھی لایا ہے، اس پر ان کے والد نے فرمایا: اگر تم احتیاط کرتے اور ان جیسی چیزوں سے پرہیز رکھتے تو تمہارے ساتھی کو اس کی جرأت نہ ہوتی۔

پہلے علماء کرام اس طرح محتاط رہتے تھے، پس اسی وجہ سے ان کو علم اور اشاعت علم کی توفیق ہوئی، حتی کہ قیامت تک ان کے نام باقی رہیں گے۔

ایک زاہد فقیہ نے ایک طالب علم کو وصیت کی کہ: تم غیبت کرنے اور بسیار گو کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بچو، اور فرمایا کہ زیادہ بولنے والا شخص تمہاری عمر کی چوری کر رہا ہے، اور تمہارے وقت کو ضائع کر رہا ہے۔

حل لغات: يَتَوَرَّعُ: تَوَرَّعَ مِن أو عَن كَذَا (تفعل اصلہ وَرَعَ، مثال واوی) تورعاً: حرام کاموں سے بچنا، احتیاط کرنا، الرَّسَاتِيق: رستاق کی جمع ہے: گاؤں، دیہات، أرض: واحد متکلم کا صیغہ ہے رَضِيَ (س، ناقص یائی) رضیً ورضاءً ورِضواناً: پسند کرنا، راضی ہونا، خوش ہونا، تَحتَاطُ: احتاط (افتعال، اصلہ حَاطَ اجوف واوی) احتیاطاً: محفوظ رکھنا، اپنے بارے میں احتیاط اور دور اندیشی کو مدنظر رکھنا، يَجتَرِئُ: اجتَرَأَ عَلَيهِ (افتعال، اصلہ جَرُؤَ، مہموز اللام) اجتراءً: کسی کام پر ہمت کرنا، جری ہونا، زُهَّادٌ: زَاهِد کی جمع ہے: آخرت کی محبت میں دنیا کو چھوڑنے والا۔

تشریح: طالب علم کو متقی اور پرہیز گار ہونا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر علم سے استفادہ انتہائی مشکل ہے، طالب علم جتنا زیادہ متقی اور پرہیز گار ہوگا اس کا علم اتنا نفع بخش

ہوگا، اور اگر اس کی زندگی تقوی سے خالی ہوگی تو پھر اللہ تبارک وتعالی اس کو دنیوی آفات ومصائب میں مبتلاء کردیتا ہے، جیسا کہ بعض محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص زمانۂ طالب علمی میں گناہوں سے احتیاط نہیں کرتا تو خداوند تعالی اس کو تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مبتلاء کرتے ہیں، یا تو وہ عین جوانی میں مرجاتا ہے یا پھر وہ باوجود فضل وکمال کے ایسی جگہوں میں مارامارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہوجاتا ہے اور علم کی اشاعت نہیں کرپاتا، یا کسی بادشاہ ورئیس کی خدمت میں ذلتیں برداشت کرتا ہے، طالب علم اگر پرہیزگار ہوگا تو اس کے علم سے لوگوں کو بھی نفع ہوگا اور خود اس پر عمل کی راہیں کھلیں گی۔

زیادہ کھانا، زیادہ سونا اور زیادہ بولنا یہ سب چیزیں تقوے کے خلاف ہیں، اسی طرح بازاری چیزوں کو خرید کر کھانا، چائے کے ہوٹلوں پر بیٹھنا اور گپ شپ کرنا اللہ تعالی کی یاد سے غافل کردیتا ہے، جس سے تقوی جاتا رہتا ہے قیمتی وقت ضائع ہوجاتا ہے، اور علم سے محرومی کا سبب ہوجاتا ہے، ہمارے اکابرین تو بازاری اور ہوٹلوں کے کھانوں سے بہت پرہیز کیا کرتے تھے، ہوٹلوں پر جاکر بیٹھنا تو بہت دور کی بات ہے، جیسا کہ مصنفؒ نے شیخ محمد بن فضل کا واقعہ نقل کیا ہے۔

برے لوگوں کی صحبت سے بچنا انتہائی ضروری ہے، ایک فقیہ زاہد نے ایک طالب علم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو غیبت سے بچتے رہنا اور بیہودہ گو طلبہ کے ساتھ ہرگز نشست وبرخاست نہ کرنا، جو شخص بیہودہ گوئی میں لگا رہتا ہے وہ اپنا اور تیرا دونوں کا وقت ضائع کرتا ہے، گنہ گار اور مفسد لوگوں سے اجتناب اور صلحاء کی صحبت بھی تقوے کی ایک قسم ہے مصنف رحمۃ اللہ علیہ آئندہ سطور میں اسی کو بیان فرمائیں گے۔

ومِن الوَرَعِ أنْ يَجْتَنِبَ أهْلَ الفَسَادِ والمُعَاصِي لاَمَحالَة، وأنْ يجلسَ مُسْتَقْبِلَ القِبْلَةَ، ويكون مُسْتَناً بسُنَّة النبي عليه السلام، ويَغْتَنِمَ دعوةَ أهلِ

الخَيْرِ ويَحْتَرِزَ عن دعوةِ المظلوم.

وحُكِيَ أنَّ الرَّجُلَيْنِ خَرَجَا في طلب العلم للغُرْبَةِ، وكَانَا شَرِيكَيْنِ، فرَجَعَا بعد سِنِيْنَ إلى بَلَدِهما، وقد فَقُهَ أحَدُهُمَا ولم يَفْقُهِ الآخرُ فتأمَّلَ فُقَهاءُ البلدة، وسألوا عن حَالِهما وتكرارهما وجُلوسهما ؛ فَأُخْبِرُوْا أنَّ جلوسَ الذي تَفَقَّهَ في حالِ التكرار كان مُسْتَقْبِلَ القبلةِ والمصرِ الذي حَصَّلَ العلمَ فيه، والآخرُ كان يجلس مُسْتَدْبِرَ القبلةِ و وَجْهُهُ إلىٰ غير المصر، فاتفق العلماءُ والفقهاءُ أنَّ الفقيه فَقُهَ بِبَرَكَةِ استقبالِ القبلة. إذ هوالسُّنَّةُ في الجلوس إلا عند الضرورة. وببركةِ دُعَاءِ المُسْلِمِيْنِ، فإن الْمِصْرَ لا يخلو عن العُبَّادِ وأهلِ الخَيْرِ، فالظاهر أن عَابداً من العبّاد دَعَا له في الليل.

فينبغي لطالب العلم أن لا يتهاون بالآداب والسنن، فإنَّ مَنْ تَهاوَنَ بالآدابِ حُرِمَ السُّنَنَ، ومَنْ تَهَاوَنَ بالسنن حُرِمَ الفَرَائِضَ، ومَنْ تَهَاوَنَ بالفرائضِ حُرِمَ الآخرةَ.

وبعضهم قالوا: هذا حديثٌ عن رسولِ الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: تقوی اور پرہیز گاری میں سے ہے کہ فسادیوں، گنہ گاروں اور بے مشغلہ لوگوں سے اجتناب کرے، کیوں کہ ان کے ساتھ رہنا یقینی طور سے اثر انگیز ہوتا ہے۔ (اور یہ بھی تقوی ہے کہ) قبلہ رخ بیٹھے، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو، بھلے اور نیک لوگوں کی دعاء کو غنیمت سمجھے اور مظلوم کی بددعاء سے بچے۔

منقول ہے کہ دو شخص حصول علم کے لیے پردیس نکلے جو کہ ہم سبق تھے، چند سال کے بعد جب وہ دونوں اپنے شہر واپس آئے تو ان میں ایک فقیہ بن چکا تھا اور دوسرا فقیہ نہ تھا، شہر کے دوسرے فقہاء نے غور کیا اور دونوں کے احوال، ان کے تکرار اور نشست و برخاست سے متعلق معلومات کی، بتایا گیا کہ جو فقیہ بنا ہے وہ بوقت تکرار قبلہ رخ اور اس شہر کے رخ

بیٹھتا تھا، جس میں اس نے علم حاصل کیا ہے، اور دوسرا قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھتا تھا، اس کا چہرہ شہر کی طرف نہ ہوتا تھا، علماء اور فقہاء نے اتفاق کرلیا کہ فقیہ استقبال قبلہ کی برکت اور مسلمانوں کی دعاؤں سے فقیہ ہوگیا، کیوں کہ یہی طریقہ سنت ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے، اس لیے کہ شہر عبادت گزار اور اہل خیر سے خالی نہیں ہوتا، پس ظاہر یہ ہے کہ کسی عبادت گزار نے رات میں اس کے لیے دعا کردی ہوگی۔

پس طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ آداب وسنن کے سلسلے میں سستی اور کاہلی سے کام نہ لے، کیوں کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ جو شخص آداب میں کوتاہی کرتا ہے وہ سنتوں میں کوتاہی کریگا، اور جو سنتوں میں کوتاہی کرے گا تو وہ فرائض سے محروم ہو جائیگا، اور جو فرائض میں کوتاہی کرے تو وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیگا، بعض علماء کا خیال تو یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

حل لغات: **مُستَنًّا:** استَنَّ بِسُنَّتِهِ (افتعال اصلہ: سَنَّ، مضاعف) استناناً: اتباع سنت کرنا، کسی کے راستہ پر چلنا، **الغُربَةُ:** پردیس، **فاخبِروا:** بصیغۂ مجہول، أخبره الشيء (افعال، اصلہ: خَبَرَ، صحیح سالم) إخباراً: خبر اور اطلاع دینا، **تَهَاوَنَ بالشيء** (تفاعل، اصلہ: ھان، اجوف واوی) تھاوناً: لاپرواہی کرنا، کسی چیز کو ہلکا سمجھنا۔

تشریح: طالب علم کو برے لوگوں سے اجتناب اور اچھے لوگوں کی صحبت کو اختیار کرنا چاہئے، اس لیے کہ انسان کی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے میں صحبت کو بڑا اثر ہے، قبلہ مسلمانوں کا شعار بھی ہے اور بابرکت بھی ہے اس کا ادب واحترام کرنا بھی تقوے میں داخل ہے، اسی طرح سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع بھی طالب علم کے لیے ایک امر ناگزیر ہے، سنتوں کی پابندی فرائض کی پابندی کا ذریعہ اور محرک ہے، اور سنتوں کا ترک فرائض میں کوتاہی کا سبب بنتا ہے، اس لیے سنت پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا رہنا چاہئے۔

وينبغي أن يكثر الصلاة، ويصلي صلاة الخاشعين، فإن ذلك عون له

على التحصيل والتعلم.

وأُنشدتُ للشيخ الإمام الزاهد الحاج نجم الدين عُمَرَ بنِ محمد النسفي رحمه الله تعالىٰ.

كُنْ للأوَامِرِ والنَّواهِي حَافِظاً — وعلى الصلاة مواظِباً ومُحافِظاً

واطْلُبْ علومَ الشرعِ واجْهَدْ واستَعِنْ — بالطيِّبَاتِ تَصِرْ فقيهاً حافظاً

واسْألْ إلٰهَكَ حفظَ حِفْظِكَ راغباً — في فَضْلِه فالله خَيْرٌ حافِظاً

وقال أيضا رحمه اللّٰه تعالىٰ:

أطِيْعُوا وجِدُّوا ولا تَكْسَلُوا — وأنْتُم إلى ربّكم تُرْجَعُوْنَ

ولا تَهْجَعُوا فَخِيَارُ الوَرَى — قليلاً من الليل ما يهجعون

وينبغي أن يَسْتَصْحِبَ دَفْتَراً على كُلِّ حالٍ لِيُطَالِعَهُ، وقيل: مَنْ لَمْ يكن له دَفْتَرٌ في كُمِّهِ لَمْ تَثْبُتِ الحكمةُ فيقَلْبِه، وينبغي أن يكونَ في الدفترِ بَيَاضٌ لِيَكْتُبَ فيه ما سَمِعَهُ مِنْ أفْوَاهِ الرجالِ، ويَسْتَصْحِبَ الْمِحْبَرَةَ ليكتب مايسمع، وقد ذكرنا حديث هلال رضي الله عنه.

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ نماز بکثرت پڑھے، ایسی نماز پڑھے جیسی خشوع اور خضوع والے حضرات پڑھتے ہیں، اس لیے کہ یہ تحصیل علم کے لیے معین ہے۔

شیخ امام زاہد حاجی نجم الدین عمر بن محمد نسفیؒ کے یہ اشعار مجھے سنائے گئے:

اوامر اور نواہی کے محافظ بن جاؤ، نماز کے پابند اور حفاظت کرنے والے بن جاؤ۔

علوم شریعت حاصل کرو اور محنت کرو اور پاکیزہ (اعمال صالحہ) کے ذریعہ تعاون حاصل کرو تو محافظ فقیہ بن جاؤ گے۔

اپنے معبود برحق کے فضل وکرم میں رغبت کرتے ہوئے اپنے حافظے کی حفاظت کی

دعاء مانگتے رہو، اللہ بہترین محافظ وپاسبان ہے۔

اور عمر نسفیؒ ہی نے فرمایا: اطاعت وفرماں برداری کرو، محنت کرو، سستی اور کاہلی نہ کرو، تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

رات میں زیادہ نہ سوؤ، مخلوق میں زیادہ اچھے وہ لوگ ہیں جو رات کو بہت کم سوتے ہیں۔

طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ہمیشہ کاپی رکھے، تا کہ اس کا مطالعہ کرتا رہے، کہا گیا ہے کہ جس کی آستین میں کاپی نہ ہو تو حکمت اس کے دل میں مستحکم نہیں ہو سکتی۔

اور مناسب ہے کہ کاپی میں خالی جگہ بھی ہو تا کہ لوگوں کی زبان سے جو بات سنے اس کو لکھ لے، اور سنی ہوئی باتوں کو لکھنے کی غرض سے دوات بھی اپنے ساتھ رکھے، اس سلسلے میں ہم نے ماقبل میں حضرت ہلال بن یسارؒ کی حدیث بیان کردی ہے۔

حل لغات: **الأوامر:** **أمرٌ** کی جمع ہے: وہ چیز جس کا حکم دیا گیا ہو، **النواهي:** **الناهية** کی جمع ہے: وہ چیز جس سے منع کر دیا گیا ہو، **استعِن:** صیغۂ امر ہے، **استعان** (استفعال، اصلہ عَانَ، اجوف واوی) **استعانةً:** تعاون اور مدد مانگنا، **الطيبات:** **طيبة** کی جمع ہے: پاکیزہ چیز، یہاں طیبات سے مراد اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ ہیں، **جدُّوا:** صیغۂ امر ہے، **جَدّ في الأمرِ** (ض، مضاعف) **جِدّاً:** محنت کرنا، **تَهجَعُوا:** **هَجَعَ** (ف، صحیح سالم) **هَجعاً وهُجُوعاً:** رات میں سونا، **الوَرىٰ:** مخلوق، **يَستَصحِبُ:** **استَصحَبَ الشيَ** (استفعال، اصلہ: صَحِبَ، صحیح سالم) **استصحاباً:** ساتھ رکھنا، **كُمُّه:** آستین (ج) أكمام.

تشریح: ایک نیک عمل دوسرے نیک عمل کا معاون ہوتا ہے، حصول علم ایک نیک کام ہے اس میں تعاون کے لیے نماز جیسے نیک عمل کو اختیار کرنا چاہیے، سنن ونوافل کا

اہتمام کرنا چاہئے، اسی طرح فرض نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنا چاہئے، اس سے حصول علم میں برکت ہوگی۔

كُن للأوامر والنواهي حافظاً: اوامر ونواہی کی حفاظت سے مراد اوامر پر عمل کرنا اور منہیات سے باز رہنا ہے، انسان جب اوامر پر کار بند رہتا ہے تو وہ ان کا محافظ بن جاتا ہے۔

وعلى الصلاة مواظباً: نماز کے پابند رہو، نماز اگرچہ اوامر میں داخل ہے، مگر اس کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے مستقلاً بیان فرمایا، کیونکہ یہ ام العبادات ہے، فواحش ومنکرات سے بچانے والی ہے۔

واطلب علوم الشرع: علوم شریعت کو حاصل کرنے میں خوب محنت کرنی چاہئے، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنا چاہئے، اس سے علم میں معاونت ہوگی اور طالب علم جلد ہی فقیہ بن جائے گا۔

واسأل الهك: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قوت حافظہ کی نعمت عطا کر رکھی ہے اس کی قدر دانی کرو اور اللہ ہی سے اس کی حفاظت کی دعاء کرو، اگر قوت حافظہ باقی ہے تو علوم کا حاصل کرنا آسان ہے۔

اطیعوا وجدّوا: ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اللہ اور رسول کی نافرمانی گناہ ہے، جس سے قوت حافظہ کمزور ہوتی ہے، اپنی وسعت بھر حصول علم میں محنت وکوشش کرتے رہو، کاہلی کو اپنے قریب نہ آنے دو، راتوں کو بیدار رہو کہ بلندیوں کا طالب رات ودن جاگتا ہے۔

اخیر فصل میں طالب علم کو دو نصیحتیں اور فرمائی ہیں: ایک تو یہ کہ ہمہ وقت اپنے ساتھ اپنی کاپی رکھے جس میں دین کی باتیں لکھی ہوں، دوسرے یہ کہ قلم دروشنائی بھی ساتھ رکھے کہ جب کوئی اہم اور مفید بات سنے تو اس کو فوراً اپنی کاپی میں نوٹ کرلے، کیونکہ لکھنے سے وہ بات محفوظ ہوجائیگی۔

فَصلٌ فِيمَا يُورِثُ الحِفْظَ وماَ يُورِثُ النِّسيَانَ

ان چیزوں کا بیان جو حافظے اور بھول کا سبب بنتی ہیں

اس فصل کے تحت مصنفؒ ان چیزوں کو بیان فرمائیں گے جن سے قوت حافظہ میں اضافہ ہوتا ہے جیسے محنت کرنا، پابندی کرنا، کم کھانا، کم سونا، دیکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرنا، مسواک کرنا اور شہد وغیرہ مقوی اشیاء کا استعمال کرنا، اسی طرح ان چیزوں کی طرف بھی اشارہ فرمائیں گے جن سے انسان کے حافظہ پر اثر پڑتا ہے اور حافظہ کمزور ہوتا ہے، مثلاً معاصی اور گناہوں کا ارتکاب کرنا، دنیاوی امور میں اپنے دل کو مشغول رکھنا، طرح طرح کی فکریں اپنے اوپر سوار کر لینا وغیرہ، ان تمام چیزوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم نیک، صالح اور ایک اچھا عالم دین بن جائے، اللہ تعالیٰ مصنفؒ کو جزاء خیر عطاء فرمائے۔

وأقوى أسْبَابِ الحِفْظِ: الجِدُّ والمُوَاظَبَةُ وتَقْلِيْلُ الغِذَاءِ، وصلاةُ الليل، وقراءةُ القرآن مِن أسبابِ الحِفْظِ.

قيل: ليس شيٌ أزْيَدَ للحِفْظِ من قراءة القرآن نَظْراً، وقراءةُ القرآنِ نظراً أفضلُ لقوله عليه السلام: "أفضَلُ أعمَال أُمّتِي قِرَاءةُ القُرآنِ نَظراً"

ورأى شدّاد بنُ حكيمٍ بَعْضَ إخوانِه في المَنَامِ بَعْدَ وفاتِه: فقال: أيّ شئي وَجَدْتَهُ أنفعَ؟ قال: قراءة القرآن نظراً.

ويقول عند رفع الكتاب: "بسم الله وسبحان الله، والحمد لله، ولاإله إلاالله، والله هوأكبر، ولا حولَ لاقوّة إلا بالله العَلِيّ العظيم، عَدَدَ كُلِّ حرف كُتِبَ و يُكْتَبُ أبَدَ الآبدين، ودَهْرَ الداهرين".

ويقول بَعْدَ كُلِّ مكتوبةٍ: "آمَنْتُ بالله الواحد الأحَدِ الحَقِّ المُبِينِ، وحْدَه لا شَرِيكَ له، وكفرتُ بما سِوَاهُ".

ويُكْثِرُ الصلاةَ على النبي صلى الله عليه وسلم فإنَّهُ رحمةٌ للعالمين.

ترجمہ: حافظے کے مضبوط ترین اسباب یہ ہیں: محنت، پابندی، کم کھانا اور تہجد کی نماز پڑھنا، نیز تلاوت قرآن پاک بھی اسباب حفظ میں سے ہے۔

کہا گیا ہے کہ دیکھ کر قرآن کی تلاوت کرنے سے زیادہ حافظہ کو بڑھانے والی کوئی اور چیز نہیں ہے، دیکھ کر قرآن کریم پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا سب سے بہترین عمل دیکھکر قرآن پاک پڑھنا ہے۔

شداد بن حکیم نے اپنے ایک بھائی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ نے کس چیز کو سب سے زیادہ نفع بخش پایا، کہا کہ دیکھ کر قرآن پڑھنے کو۔

کتاب اٹھاتے وقت یہ دعاء پڑھے: بسم الله، سبحان الله، والحمد لله، والله هو أكبر، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، عدد كل حرف كتب ويكتب أبد الآبدين، ودَهرَ الداهرين" کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اس کی ذات پاک ہے، تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کی مدد کے بغیر نہ نیکی کرنے کی قوت ہے نہ برائی سے بچنے کی طاقت، وہ بڑائی والا اور عظمت والا ہے، ہر حرف کی بقدر جو لکھے گئے اور جو لکھے جائیں (یہ کلمات کہتا ہوں) ہمیشہ ہمیشہ اور عرصہ دراز تک۔

اور ہر فرض نماز کے بعد کہے: " آمَنْتُ بالله الوَاحِدِ الأحَدِ الحَقِّ المُبِينِ، وَحدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وكَفرتُ بما سِوَاهُ" ایمان لایا اللہ پر جو اکیلا ہے، تنہا ہے، جو برحق ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے، تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے علاوہ معبودوں کا میں نے انکار کیا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے، اس لیے کہ آپ تمام جہاں والوں کے لیے رحمت ہیں۔

حل لغات: يُورِثُ: أورَثَ (افعال، اصلہ ورِثَ، معتل الفاء، مثال) إيراثاً: سبب بننا، دینا، یہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں، عَدَدَ كُلِّ حَرفٍ: منصوب ہے نزع خافض کی وجہ سے، تقدیری عبارت ہے: أ قول هذه الكلمات بعدد كل حرف كُتِبَ في الماضي ويُكتَبُ في الحال والمستقبل، اسی طرح "أبد الآبدين" اور "دهر الداهرين" بھی ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے۔

تشریح: اسباب حفظ کا بیان چل رہا ہے کہ کن چیزوں سے قوت حافظہ میں اضافہ ہوتا ہے، مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے پانچ اسباب ذکر فرمائے ہیں جن سے حافظہ میں اضافہ ہوتا ہے، ساتھ ساتھ دو دعائیں پڑھنے کو کہا ہے کہ ان کو کتاب اٹھاتے وقت پڑھ لیا جائے تو اس کتاب کا یاد کرنا سہل اور آسان ہو جائیگا، وہ پانچ چیزیں جن کو اختیار کرنے سے حافظہ بڑھتا ہے یہ ہیں:

(۱) محنت کرنا۔
(۲) پابندیٔ سبق کرنا۔
(۳) ضرورت کی بقدر کھانا کھانا۔
(۴) تہجد کی نماز پڑھنا۔
(۵) قرآن پاک کی دیکھ کر تلاوت کرنا۔

آئندہ سطور میں اور اسباب بھی بیان فرمائیں گے جن سے قوت حافظہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

اخیر سطر میں مصنفؒ نے طالب علم کو یہ نصیحت بطور خاص کی ہے کہ محسن انسانیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا زیادہ درود وسلام بھیج سکے بھیجے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی برکت سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، جس سے نسیاں ختم ہوتا ہے اور حافظہ قوی ہوتا

ہے۔(شرح شیخ ابن اسمٰعیل ص ۵۰)

قال الإمام الشافعيؒ رحمه الله تعالىٰ:

شَكَوْتُ إلى وَكِيعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ فأَوْصَانِي إلى تَرْكِ المَعَاصِي

فإن العلم فضلٌ مِنْ إلهي وفَضْلُ الله لا يُهدَى لِعَاصِي

والسِّوَاكُ وشُرْبُ العَسَلِ، وأكلُ الكُنْدُرَةِ مَعَ السُّكَرِ، وأكلُ إحْدَى وعِشْرِيْنَ زبيبةً حَمْراءَ كلَّ يَوْمٍ على الرِّيْقِ يُورِثُ الحفظَ ويشفي مِنْ كثيرٍ مِنَ الأمْرَاضِ والأسقامِ، وكلّ ما يُقَلِّلُ البَلْغَمَ والرطوباتِ يزيدُ في الحِفْظِ، وكل ما يزيد في البَلْغَمِ يُوْرِثُ النسيانَ.

ترجمہ: حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے وکیع سے اپنے سوئے حافظہ کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے معاصی ترک کرنے کا حکم دیا، کیوں کہ علم اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے اور اللہ کا فضل وانعام گنہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

مسواک کرنا، شہد پینا، شکر کے ساتھ ملا کر گوند کھانا، روزانہ نہار منہ سرخ رنگ کی اکیس کشمش کھانا، حافظہ کو بڑھاتا ہے اور بہت سے امراض اور بیماریوں سے نجات دیتا ہے، اور ہر وہ چیز جو بلغم اور رطوبت کو کم کرتی ہے وہ حافظہ کو بڑھاتی ہے اور جو چیز بلغم میں اضافہ کرتی ہے وہ نسیان پیدا کرتی ہے۔

حل لغات: **الكُنْدُرَةُ:** ایک قسم کا گوند ہوتا ہے جو عموماً لوبان کے درخت پر آتا ہے اور جم جاتا ہے، **الاسقَامُ:** سُقم کی جمع ہے، مرض اور بیماری، **البَلغَم:** ریزش جو حلق یا ناک سے خارج ہو۔

تشریح: طالب علم اگر واقعی چاہتا ہے کہ علم سے فائدہ اٹھائے اور اس کو خوب علم نافع حاصل ہو تو وہ گناہوں کو بالکل چھوڑ دے، اور اپنی اصلاح سے کسی وقت غافل نہ رہے اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ کسی بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق کر لے، اگر کوئی پریشانی

پیش آئے تو اسی سے مشورہ کرے، حضرت امام شافعیؒ جیسے بڑے محدث وفقیہ اپنے امور میں اپنے استاذ حضرت امام وکیعؒ سے مشورہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کو اپنے حافظہ میں کچھ کمزوری محسوس ہوئی تو حضرت وکیعؒ سے اسکی شکایت کی، حضرت وکیع نے اس کا علاج یہ بتایا کہ گناہوں کو چھوڑ دو حافظہ اچھا ہو جائیگا، وجہ یہ ہے کہ علم اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وانعام ہے اور اللہ کا فضل کسی گنہ گار کو نہیں دیا جاتا، اس لیے اگر حصول علم کا شوق ہے تو گناہوں سے کلی طور پر اجتناب کرو۔ اس کے علاوہ مصنفؒ نے چار چیزیں اور بیان فرمائی ہیں جن کے کھانے اور استعمال سے حافظہ قوی ہوتا ہے۔

(۱) مسواک کرنا: حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔
(۲) شہد پینا: یہ بیماریوں سے شفاء بھی دیتا ہے اور حافظہ کو بھی بڑھاتا ہے۔
(۳) لوبان پر جو گوندا کھٹا ہو جاتا ہے اس کو شکر کے ساتھ ملا کر کھانا۔
(۴) روزانہ نہار منہ بغیر کچھ کھائے پیئے اکیس کشمش کھانا۔

پھر ایک عام ضابطہ مصنفؒ نے یہ بیان فرمایا کہ ہر وہ چیز جس سے بدن میں رطوبت اور تراوٹ پیدا ہوتی ہے وہ نسیان اور بھول کا باعث ہوتی ہے، اور جس سے بدن میں خشکی پیدا ہو وہ حافظہ کو بڑھاتی ہے، جیسے بادام، کشمش، اخروٹ وغیرہ۔

وأمّا ما يُوْرِثُ النِّسْيَانَ: المعاصِي، وكَثْرَةُ الذنوبِ، وَالهُمُوْمُ، والأحْزَانُ في أمورِ الدنيا، وكَثْرَةُ الأشْغَالِ والعَلاَئِقِ.

وقد ذَكَرْنَا أنّه لا ينبغي للعاقِلِ أن يَهْتَمّ لأمْرِ الدنيا، لأ نَّهُ يَضُرّ ولا يَنْفَعُ، وهمومُ الدنيا لا تَخْلُو عَنِ الظُّلْمَةِ في القَلْبِ وهمومُ الآخرةِ لاتَخْلُو عن النُّورِ في القلبِ، ويَظْهَرُ أثَرُهُ في الصَّلاَةِ، وهَمُّ الدنيا يَمْنَعُه عَنِ الخيرِ وهَمُّ الآخرة يحمله عليه، والاشتغالُ بالصلاةِ عَلَى الخُشُوْعِ، وتَحْصِيْلِ العِلمِ يَنْفِي الهَمّ وَالحُزنَ، كما قال الشيخُ الإمامُ نصربنُ الحَسَنِ المرغيناني في

قَصِيْدَةٍ له :

اسْتَعِنْ نَصْرَ بنَ الحَسَنِ　　بِكُلِّ عِلْمٍ يُخْتَزَنْ
ذَاكَ الذي يَنْفِي الحُزْنَ　　وغَيْرُهُ لَا يُؤْتَمَنْ

وقال الشيخُ الإمامُ الأَجَلُّ نَجْمُ الدين عُمَر بنُ محمد بنِ أحمدَ النسفي رحمه الله تعالىٰ في أمِّ وَلَدٍ له:

سَلَامٌ علىٰ مَن تَيَّمَتْنِي بِطَرْفِهَا　　وَ لَمعَةِ خَدَّيْهَا وَلَمْحَةِ طَرْفِهَا
سَبَتْنِي وَأَصبَتْنِي فَتَاةٌ مَلِيحَةٌ　　تَحَيَّرتِ الأَوهَامُ فِي كُنهِ وَصفِهَا

قُلتُ:

ذَرِينِي واعذُرِينِي فَإنَّنِي　　شُغِفتُ بِتَحصِيلِ العُلُومِ وكَشفِهَا
وَلِي في طِلَابِ العِلمِ والفَضلِ والتُّقىٰ　　غِنىً عَن غِنَاءِ الغَانِيَاتِ وَعَرفِهَا

وأما أَسْبَابُ نِسْيانِ العِلْمِ: فأكْلُ الكُزْبُرَةِ الرَطْبَةِ، وَالتفاح الْحَامِضِ، والنظرُ إلى المَصْلُوْبِ، وقراءةُ أَلْوَاحِ القُبُوْرِ، والمُرُوْرُ بَيْنَ قِطارِ الجِمَالِ، وإلقاءُ القَمْلِ الحَيِّ علىَ الأرض، والحَجَامَةُ على نُقْرَةِ القَفَا، فَتَجَنَّبُوهَا؛ كُلُّهَا يُوْرِثُ النِّسْيَانَ.

ترجمہ: بہر حال بھول پیدا کرنے والی چیزیں تو وہ یہ ہیں: گناہ، کثرت گناہ، دنیاوی کاموں کے رنج وغم اور بہت زیادہ مشغولی اور تعلقات۔

ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں کہ عاقل آدمی کے لیے دنیاوی کاموں میں دل چسپی لینا مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ نقصان دہ ہے نفع بخش نہیں، دنیا کا رنج وغم دل کی تاریکی سے خالی نہیں ہوتا، اور آخرت کا رنج وغم دل کے نور سے خالی نہیں ہوتا، اس کا اثر نماز میں ظاہر ہوتا ہے۔

پس دنیا کا رنج وغم اچھی باتوں سے روکتا ہے اور آخرت کی فکر نیکی پر آمادہ کرتی ہے،

اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں مشغول رہنا اور تحصیل علوم میں مشغول رہنا رنج وغم کو مٹاتا ہے جیسا کہ شیخ امام نصر بن حسن مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قصیدے میں ذکر کیا ہے:

اے نصر بن حسن! ہر طرح کے علوم حاصل کرنے کے لیے مدد حاصل کرو، یہی وہ چیز ہے جو رنج وغم کو دور کرتی ہے، اس کے علاوہ چیزوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

عالی مرتبت امام شیخ نجم الدین نسفیؒ نے اپنی ایک باندی کی بارے میں فرمایا:

اس باندی پر سلامتی ہو جس نے اپنی خوبصورتی، اپنے رخسار کی چمک اور گوشۂ چشم کی جلد باز نگاہ سے مجھے گرفتار کرلیا۔

مجھے ایک ایسی پیکر حسن وجمال نوجوان دوشیزہ نے قید کرلیا ہے اور اپنی طرف مائل کر لیا ہے جس کے اوصاف کی حقیقت بیان کرنے سے عقلیں حیران اور ششدر ہیں۔

میں نے اس سے کہا کہ: مجھے اپنے حال پر چھوڑ اور میرا عذر قبول کر، کیوں کہ مجھے علوم کی تحصیل اور ان کی تحقیق وجستجو سے الفت ہوگئی ہے۔

مجھے علم وفضل اور تقوی وطہارت کے حصول کی وجہ سے دوشیزاؤں کے گانے اور ان کی خوشبو سے بے نیازی حاصل ہوگئی ہے۔

بہرحال علم کے بھولنے کے اسباب یہ ہیں: کچا دھنیا اور کھٹا سیب کھانا، سولی پر چڑھے ہوئے شخص کو دیکھنا، قبروں کے کتبے پڑھنا، اونٹوں کی قطار کے درمیان چلنا، زمین پر زندہ جوں پھینکنا، گدی کے بال منڈوانا، ان تمام سے بچتے رہو، یہ سب چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں۔

حل لغات: الهُمُومُ: هَمٌّ کی جمع ہے: غم، **الأشغال:** شُغلٌ کی جمع ہے: کام، مشغولی، مصروفیت، **العَلَائق:** عَلَاقَةٌ کی جمع ہے، تعلقات اور دوستی، **یھتَمّ:** اهتَمَّ بالأمرِ (افتعال، اصلہ ھَمّ مضاعف) اهتماماً: دل چسپی رکھنا، رغبت کرنا، دل لگانا،

یَحمِلُه: حَمَلَ فُلَاناً عَلَی الأمر (ض، صحیح سالم) حَملاً و حُملاَناً: آمادہ کرنا، ابھارنا، برانگیختہ کرنا، یَنفِي: مٹانا، ختم کرنا، "یَنفِي الھَمّ والحَزنَ" ترکیب میں خبر واقع ہے اور مبتداء مصنفؒ کا قول "الاشتغال بالصلاۃ علی الخشوع وتحصیل العلوم" ہے، لفظ "تحصیل" مجرور ہے، "الصلاۃ" پر عطف کی وجہ سے، استعِن: صیغۂ امر ہے، استعان (استفعال، اصلہ عون، معتل العین) استعانۃً: مدد طلب کرنا، نَصرَ بن الحسن: منادی مضاف ہے، اس سے پہلے "یا" حرف نداء محذوف ہے، اور خطاب لنفسہ ہے، شاعر نے خود اپنے آپ کو مخاطب بنایا ہے، یُختزَن: اختزَنَ العِلمَ (افتعال، اصلہ خزَنَ، صحیح سالم) اختزاناً، جمع کرنا، حاصل کرنا، تیَمّتني: تیّم فُلَاناً (تفعیل، اصلہ: تامَ، اجوف یائی) تتیماً: محبوب کا کسی کو غلام بنالینا، دیوانہ کردینا، بِظَرْفِھَا: الظرف مصدر ہے ظَرُفَ (ك، صحیح سالم) ظرافۃً: خوب صورت ہونا، چہرے کی ظرافت اس کا حسن ہے، قلب کی ظرافت اس کی فہم وفراست ہے، لسان کی ظرافت اس کی بلاغت ہے لَمعَۃٌ: چمک دمک (ج) لُمَعٌ، لِماعٌ، خَدّیھَا: خَدٌّ کا تثنیہ ہے: رخسار (ج) خُدُودٌ، لَمحَۃٌ: اچٹتی نظر، الطّرفُ: آنکھ، سَبَتني: سَبَی فُلَاناً (ض، ناقص یائی) سَبیاً: قید کرنا، گرفتار کرنا، أصبَتني: أصبی فُلَاناً (افعال، اصلہ: صَبِيَ ناقص یائی) إصباءً: نو جوان لڑکی کا کسی کو اپنی طرف مائل کرنا، فَتَاۃٌ: نوجوان عورت (ج) فَتَیات، مَلِیحَۃٌ: خوبصورت، کُنہ: کسی بھی چیز کی اصل اور اس کی حقیقت، ذَرِیني: صیغۂ امر ہے واحد مونث حاضر، اس لفظ سے صرف امر اور مضارع ہی استعمال ہوتا ہے، اعذُرِیني: یہ بھی صیغۂ امر ہے واحد مؤنث حاضر، عَذَرَ فلاناً (ض، صحیح سالم) عُذراً: معذرت قبول کرنا، شُغِفتُ: بصیغۂ مجہول، شُغِفَ به (ف، صحیح سالم) شَغفاً: فریفتہ اور دل دادہ ہونا، شوقین ہونا، طِلاَب: بکسر الطاء مصدر ہے طلب کے معنی میں ہے، الغَانِیَات: غَانِیَۃٌ کی جمع ہے: گانے بجانے والی عورت، یا وہ عورت جو اپنے فطری حسن وجمال کی وجہ سے سنگار سے بے نیاز ہو، عَرفِھَا: عَرف کا اطلاق عموماً اچھی خوشبو پر ہوتا

ہے، الکُزبُرَۃُ : دھنیا کا پودا اور اس کے دانے، الجِمالُ: بکسر الجیم، جَمَلٌ کی جمع ہے بمعنیٰ اونٹ، القَمْلُ: بفتح القاف وسکون المیم: جوں، نُقرَۃٌ: گردن کے پچھلے حصہ کا گڑھا، گدی (ج) نُقَرٌ.

تشریح: جن چیزوں سے نسیان پیدا ہوتا ہے وہ گناہوں کی کثرت ہے اس لیے گناہوں سے بالکلیہ اجتناب لازمی اور ضروری ہے، اسی طرح دنیاوی کاموں میں اپنے کو زیادہ مشغول کرنا، دنیا سے حد سے زیادہ محبت کرنا کہ اگر کوئی امر فوت ہو جائے تو رنج وغم میں مبتلا ہو جائے، مصنفؒ ”فَصلٌ في التوکل“ کے تحت یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کی فکر اوڑھ لینا ہرگز نفع بخش نہیں ہے بلکہ آخرت کی فکر کرنا نفع پہنچاتی ہے، دنیا کے رنج وغم سے تو دل میں ایک قسم کی تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کے رنج وغم سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے، اور اس کا پتہ نماز سے چلتا ہے، اگر وہ انشراح قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور نماز کی لذت اور حلاوت کو محسوس کرتا ہے تو جان لو کہ اس کے دل میں نور موجود ہے، اور جو شخص دنیا کی بیجا محبت میں گرفتار ہو یقیناً اس کو نماز میں انشراح قلب اور حلاوت نصیب نہ ہوگی بلکہ دنیا کی محبت اس کو اعمال خیر سے روک دیگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کو دنیا سے بے رغبت ہونا ضروری ہے، نصر بن حسن مرغینانیؒ نے اپنے قصیدے میں خود کو مخاطب کر کے یہی کہا ہے کہ حصول علم کے لیے اپنے اساتذہ اور ساتھیوں سے مدد طلب کرو، حصول علم ہی ایسی چیز ہے جو رنج وغم کو دور کرتی ہے، اس کے علاوہ دنیا کی تمام چیزیں ہیچ اور بیکار ہیں، کسی سے رنج وغم اور فکر ختم نہیں ہو سکتی۔

حصول علم کی خاطر دنیا کی بہتر سے بہتر محبوب ترین چیز کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے، عمر بن محمد نسفیؒ کی باندی کس قدر حسین وجمیل تھی، جس کے سراپائے حسن کو بیان کرنا بھی مشکل تھا، اور وہ خود عمر نسفیؒ سے کس قدر محبت رکھتی تھی لیکن عمر نسفیؒ نے حصول علم اور فقہی بصیرت پیدا کرنے کی خاطر اس باندی سے معذرت کر لی، علم اسی طرح حاصل ہوتا، ”أولئك آبائي

فجئنا بمثلهم"

اخیر فصل میں مصنفؒ نے موجب نسیان چند چیزیں اور ذکر کی ہیں:

(۱) کچا دھنیا کھانا۔

(۲) کھٹا سیب کھانا۔

(۳) سولی پر چڑھے انسان کو دیکھنا۔

(۴) قبروں پر لگے کتبے پڑھنا۔

(۵) اونٹوں کی قطاروں کے درمیان سے گزرنا۔

(۶) زندہ جوؤں کو زمین پر ڈالنا۔

(۷) گدی کے بال منڈانا۔

ان تمام اشیاء سے بچنا چاہئے، تا کہ حافظہ سلامت رہے اور حصول علم آسان ہو۔

فصل فيما يَجلِبُ الرِّزْقَ وما يمنعه وما يزيد في العمر وما ينقص

ان چیزوں کا بیان جو رزق کو بڑھاتی ہیں اور کم کرتی ہیں، اور ان کا بیان جن سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور جن سے کمی ہوتی ہے۔

یہ اس کتاب کی آخری فصل ہے جو تقریباً نو صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مصنفؒ یہ بیان فرمائیں گے کہ ایک طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے پاس روزی ہو کہ فارغ البال ہو کر حصول علم میں لگ سکے، روزی اگر چہ قلیل ہو لیکن اگر اس میں برکت ہے تو وہ کثیر ہے اور اگر برکت نہیں ہے تو کتنی ہی زیادہ ہو پھر بھی کم ہے، اس لیے تمام اسباب کو اختیار کرنا چاہئے جن سے روزی میں برکت پیدا ہو اور ان چیزوں سے بچنا چاہئے جو حرمان رزق کا سبب بنتی ہوں، کچھ مخصوص اعمال ہیں جن کو اختیار کرنے سے روزی میں برکت پیدا ہوتی ہے مصنفؒ ان تمام کو اس فصل میں ذکر کریں گے۔

ثم لا بُدَّ لطالِبِ العِلْمِ مِنَ القُوْتِ ومَعْرِفةِ ما يَزِيْدُ فِيه وما يزِيدُ في العُمُرِ، والصِّحَةِ لِيَتفَرَّغَ لِطَلَبِ العِلْمِ، وفي كلِّ ذلك صَنَّفُوا كُتُباً فأوْرَدْتُ بَعْضَهَا هُنا على سبيلِ الاختِصَارِ.

قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " لَا يَرُدُّالقَدَرَ إلَّا الدُّعَاءُ ولا يزِيدُ في العُمُرِ إلا البِرُّ، فإنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُه"

ثَبتَ بهذا الحديثِ أنّ ارْتِكَاب الذّنْبِ سَبَبُ حِرْمَانِ الرزقِ، خصوصاً الكِذْبُ؛ فإنّه يورثُ الفَقْرَ، وقد وَرَدَ فيه حَدِيْثٌ خَاصٌ، وكذا نَوْمُ الصُّبْحَةِ يمنع الرزقَ، وكثرةُ النَّوْمِ يُورِثُ الفَقرَ وفَقْدَ العِلمِ أيْضاً.

قال القائل:

سُرُوْرُ الناسِ في لُبْسِ اللّبَاسِ ... وجَمْعُ العِلْمِ في تَرْكِ النُّعَاسِ

وقال أيضاً:

أَلَيْسَ مِنَ الخُسْرَانِ أنّ لَيَالِياً ... تَمُرُّ بلا نَفعٍ وتُحسَبُ مِنَ العمرِ

وقال أيضاً:

قُم اللّيْلَ يا هٰذَا لَعَلّكَ تَرْشُد ... إلى كَمْ تَنَام اللّيْلَ والعُمْرُ يَنفَدُ

ترجمہ: پھر طالب علم کے لیے روزی (کا حاصل کرنا) اور ان چیزوں کا جاننا بھی ضروری ہے جو رزق، عمر اور صحت کی زیادتی کا سبب ہیں، تاکہ وہ حصول علم کے لیے فارغ البال ہو سکے، ہر ایک موضوع کے سلسلے میں علماء نے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، مختصر طور پر ان میں سے چند باتیں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تقدیر کو دعاء کے علاوہ کوئی چیز نہیں ٹال سکتی، اور نیکی کے علاوہ کوئی چیز عمر میں اضافہ نہیں کر سکتی، یقیناً انسان گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے“۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ گناہ کا ارتکاب کرنا رزق سے محرومی کا سبب ہے، خصوصاً جھوٹ؛ اس لیے کہ یہ فقر و فاقہ کا سبب ہے، اس سلسلے میں ایک مخصوص حدیث بھی وارد ہوئی ہے، اسی طرح صبح کا سونا رزق کو روک دیتا ہے، زیادہ سونا فقر اور فقدان علم کا سبب ہے۔

کہنے والے نے کہا ہے:

لوگوں کی خوشی لباس کو زیب تن کرنے میں ہے، اور علم کی ذخیرہ اندوزی نیند کے ترک کردینے میں ہے۔

نیز کہا گیا ہے:

کیا یہ بربادی نہیں ہے کہ راتیں بغیر نفع کے گزر رہی ہیں، اور عمر شمار کی جارہی ہے۔

نیز کہنے والے نے کہا ہے:

اے طالب علم! رات کو کھڑے ہو جاؤ (بیدار رہو) شاید تم راہ نمائی پا جاؤ گے، کب تک رات میں سوتے رہو گے، جبکہ عمر گذر رہی ہے۔

حل لغات: جَلَبَ الشئي (ض، صحیح سالم) جلباً: کمانا، کسی چیز کو کھینچ کر لانا، النُّعاس: اونگھ، نیند کا شروع کا حصہ، الخُسرانَ: خَسِرَ (ض، س، صحیح سالم) خسراً وخُسراناً: نقصان ہونا، ذلیل ہونا، نامراد ہونا، تُحسَبُ: بصیغہ مجہول، حَسَبَ المالَ (ن، صحیح سالم) حِسَاباً و حُسباناً: شمار کرنا، تَرشُدُ: رَشَدَ (ن، صحیح سالم) رُشداً ورَشَاداً: ہدایت پانا، یَنفُذُ: نَفَدَ (ف، صحیح سالم) نَفداً و نُفُداً: ختم ہونا، گزرنا۔

تشریح: طالب علم اگر فارغ البال ہے تو حصول علم میں اس کی طبیعت لگے گی اور جماؤ پیدا ہوگا، اور اگر اس کو فکر معاش ہوگا، تو قلب میں یکسوئی نہ ہو سکے گی اور حصول علم میں خلل واقع ہوگا، قلب کو فارغ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس کھانے پینے کا نظم ہو، روزی کا انتظام ہوگا تو سکون رہے گا لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ روزی حلال ہو بابرکت ہو اس لیے مصنفؒ نے اس مذکورہ عبارت میں یہ بات بیان فرمائی کہ طالب علم کے لیے ان چیزوں کا جان لینا ضروری ہے جن سے اس کی روزی میں برکت ہو، عمر میں برکت ہو، نیز ان چیزوں کا جاننا بھی ضروری ہے جو بے برکتی کا سبب بنتی ہیں، تا کہ ان سے بچا جا سکے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ علماء کرام نے اس موضوع پر مستقلاً کتابیں لکھی ہیں، میں ان کتابوں میں سے چند باتوں کو طلبہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، چنانچہ سب سے پہلے ایک حدیث ذکر کی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تقدیر کو کوئی چیز ٹال سکتی ہے تو وہ صرف دعاء ہے، اور عمر میں اگر کوئی چیز اضافہ کر سکتی ہے تو وہ نیکی کرنا ہے، گناہ کرنا حرمان رزق کا سبب ہے۔

مصنفؒ نے تو اس حدیث کے ظاہر سے یہ استدلال کیا ہے کہ طالب علم نیکی کرے گا تو عمر میں اضافہ ہوگا حصول علم کا خوب موقع ملیگا اور گناہ کرے گا تو عمر بھی کم ہوگی اور رزق سے بھی محروم رہے گا یعنی رزق کی برکت ختم کر دی جائیگی۔

اس کے علاوہ نفس حدیث پر بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ تقدیر تو نام ہے ''امر مقدر'' کا یعنی اس چیز کا جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے اور متعین کر دیا ہے، ہر ایک کی روزی، ہر ایک کی عمر اور ہر ایک کو پیش آنے والے تمام حالات متعین ہیں، پھر دعاء کے ذریعہ اس امر مقرر میں تبدیلی کا کیا مطلب ہے؟ علماء نے اس اشکال کے کئی جواب دیئے ہیں:

(۱) تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تو ''مبرم'' اور دوسری ''معلق'' تقدیر مبرم تو حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہوتا ہے جو چیز پیش آنے والی ہوتی ہے اس میں کچھ بھی تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا، مگر تقدیر معلق میں بعض اسباب کی بنا پر تغیر وتبدل بھی ہوتا ہے، حدیث میں جس تقدیر کے بارے میں کہا ہے کہ وہ دعاء سے بدل جاتی ہے وہ تقدیر معلق ہی ہے، یہاں تقدیر مبرم مراد نہیں ہے۔

اور نیکی کرنے سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو یہ کمی بیشی بھی تقدیر معلق ہی کے اعتبار سے ہے، یعنی تقدیر میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اگر نیکی کرے گا تو اتنی عمر ہوگی، اور اگر نیکی

نہ کرے گا تو اتنی عمر ہوگی، مثلاً فلاں شخص اگر حج کرے گا تو اس کی عمر چالیس سال ہوگی اور اگر حج و جہاد دونوں کرے گا تو ساٹھ سال ہوگی۔

(۲) دوسرا جواب یہ لکھا ہے کہ دعاء کے ذریعہ تقدیر کی تبدیلی سے مراد دعاء کی تاثیر اور اس میں مبالغہ کرنا مقصود ہے، اور عمر میں اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے نیکی کی اسکی عمر ضائع نہیں ہوتی، پس گویا اسکی عمر ضائع نہ ہوئی اور اضافہ ہوگیا، یہ شخص کم عمر میں اتنے امور انجام دے دیتا ہے کہ لمبی عمر والا بھی ان امور کو انجام نہیں دے سکتا۔ (التعلیق الصبیح ۴۸/۳)

مصنفؒ نے تین اشعار بھی نقل کیے ہیں جن کے ذریعہ طالب علم کو حصول علم میں رغبت دلا کر راتوں کو جاگنے کی ضرورت کو بیان فرمایا ہے، کہ لوگوں کو تو اس میں خوشی ہوتی ہے کہ ان کا لباس عمدہ ہو، رہن سہن اچھا ہو، جبکہ طالب علم اگر علم کی ذخیرہ اندوزی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نیند کو قربان کرے، اگر راتوں کو جاگ کر فائدہ نہ اٹھایا تو عمر یوں ہی ضائع ہوجائیگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کو محنت بھی کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے رشد وہدایت اور علم نافع کی دعاء بھی کرتے رہنا چاہئے، تاکہ اس کی عمر، روزی اور علم میں برکت پیدا ہو۔

آئندہ سطور میں مصنف علامؒ ان چیزوں کو شمار کرائیں گے جو موجب فقر وتنگ دستی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

والنَّوْمُ عُرْيَاناً، والبَوْلُ عُرْيَاناً، والأكْلُ جُنُباً، والأكْلُ مُتَّكِأً عَلىٰ جَنْبٍ، والتهاوُنُ بَسُقَاطَةِ المَائِدَةِ، وحَرْقُ قِشْرِ البَصَلِ والثُّوْمِ، وكَنْسُ البَيْتِ بالمِنْدِيلِ، وكَنْسُ البَيْتِ باللَّيْلِ، وتَرْكُ القُمَامَةِ في البَيْتِ، والمَشْيُ قُدَامَ المَشَايِخِ، ونِدَاءُ الوَالِدَيْنِ باسْمِهِمَا، والخِلالُ بِكُلِّ خَشَبَةٍ، وغَسْلُ اليَدِ

بالطِّيْنِ والتُّرَابِ، والجُلُوْسُ على العَتَبَةِ، والاتكاءُ على أحَدِ مِصْرَاعَيِ الْبَابِ، والتَّوَضُّوُ في المَبْرَزِ، وخِيَاطَةُ الثوبِ على بَدَنِه، وتَجْفِيفُ الْوَجْهِ بالثوبِ، وتَرْكُ بيتِ العَنْكَبُوتِ في البَيْتِ، والتَّهَاوُنُ بالصَّلَاةِ، وإسْرَاعُ الخُرُوْجِ مِنَ المَسْجِدِ بَعْدَ صلاةِ الفَجْرِ، والابتكارُ بالذهابِ إلى السُّوقِ، والابْطَاءُ في الرُّجُوْعِ منه، وشِرَاءُ كَسَرَاتِ الخُبزِ مِنَ الفُقَرَاء السُّوَّال، ودُعَاءُ الشَّرِّ على الْوَلَدِ، وتركُ تَخْمِيرِ الأوَانِي، وإطْفَاءُ السِّرَاجِ بالنَّفَسِ، كُلُّ ذلك يُوْرِثُ الفَقْرَ، عُرِفَ ذلك بالآثار.

وكذا الكِتَابَةُ بالقَلَمِ المَعْقُوْدِ، والإمْتِشَاطُ بِمِشْطٍ مُنْكَسِرٍ، وتَرْكُ الدُّعَاءِ بالخَيْرِ لِلْوالِدَيْنِ، والتَّعَمُّمُ قاعِداً، والتَّسَرْوُلُ قائماً، والبُخْلُ، والتَّقْتِيْرُ، والإسرافُ، والكَسَلُ، والتَّوَانِيْ، والتَّهَاوُنُ في الأمورِ، كُلُّ ذلك يُوْرِثُ الفَقْرَ.

ترجمه: ننگا سونا، ننگا پیشاب کرنا، حالت جنابت میں کھانا، پہلو پر ٹیک لگا کر کھانا، دسترخوان پر گری ہوئی چیزوں کی بے حرمتی کرنا، پیاز و لہسن کے چھلکے جلانا، رومال سے جھاڑو دینا، رات میں گھر میں جھاڑو دینا، کوڑا کرکٹ گھر ہی میں چھوڑ دینا، ہر قسم کی لکڑی سے خلال کرنا، کیچڑ اور مٹی سے ہاتھ دھونا، چوکھٹ پر بیٹھنا، دروازے کے کسی ایک کواڑ پر ٹیک لگانا، قضائے حاجت کی جگہ میں وضوء کرنا، بدن پر کپڑے کو سلنا، کپڑے سے چہرے کو خشک کرنا، گھر میں مکڑی کے جالوں کو چھوڑنا، فجر کی نماز کے بعد مسجد سے نکلنے میں جلدی کرنا، صبح سویرے بازار جانا، بازار سے واپس آنے میں تاخیر کرنا، مانگنے والے فقراء سے روٹی کے ٹکڑوں کو خریدنا، اولاد کے لیے بد دعاء کرنا، برتنوں کو نہ ڈھانکنا، پھونک سے چراغ کو بجھانا، یہ تمام چیزیں فقر کا سبب بنتی ہے، ان کا مورث فقر ہونا آثار سے معلوم ہوا ہے۔

اسی طرح ٹوٹے ہوئے قلم سے لکھنا، ٹوٹی ہوئی کنگھی سے کنگھا کرنا، والدین کے لیے خیر کی دعاء نہ کرنا، بیٹھ کر عمامہ باندھنا، کھڑے ہو کر پائجامہ پہننا، بخل کرنا، خرچ کرنے میں کمی کرنا، فضول خرچی کرنا، سستی اور کاہلی کرنا، کوتاہی کرنا، کاموں کو معمولی سمجھنا، یہ سب چیزیں باعث فقر و فاقہ ہیں۔

حل لغات: كَنسٌ: كَنَسَ البَيتَ (ن، صحیح سالم) كَنساً: جھاڑو دینا، القُمامَةُ: کوڑا کرکٹ (ج) قُمَامٌ، المَبرَزُ: قضائے حاجت کی جگہ، بیت الخلاء، تَجفِيفُ: جَفَّفَ الشيئَ (تفعیل، اصلہ: جَفَّ، مضاعف) تجفيفاً: پونچھنا، صاف کرنا، خشک کرنا، الإبتِكَارُ: ابتَكَرَ (افتعال اصلہ: بَكَرَ صحیح سالم) ابتكاراً: صبح سویرے نکلنا، الإبطَاء: أبطَأَ (افعال، اصلہ بَطُؤَ مہموز اللام) إبطاءً: تاخیر کرنا، دیر کرنا، السُّوَّالُ: سائل کی جمع ہے: مانگنے والا، تَخمِير: خَمَّرَ الشيئَ (تفعیل، اصلہ خَمَرَ صحیح سالم) تَخمِيراً: ڈھانکنا، إطفَاء: أطفَأَ: بجھانا، الا متِشَاطُ: مصدر ہے، امتَشَطَتِ المرأةُ (افتعال، اصلہ: مَشَطَ، صحیح سالم) امتِشَاطاً: کنگھا کرنا، بال سنوارنا، التَعَمُّمُ: تَعَمَّمَ الرجُلُ (تفعل، اصلہ عَمَّ، مضاعف) تَعَمُّماً: سر پر پگڑی باندھنا، التَسَروُلُ: تَسَروَلَ (تفعلَلَ، اصلہ سَروَلَ معتل اللام) تَسَروُلاً: پائجامہ پہننا، التَوانِي: توَانَى في العملِ (تفاعل، اصلہ وني، لفیف مفروق) توانياً: کسی بھی کام میں کوتاہی کرنا۔

تشریح: مصنفؒ نے اس عبارت کے تحت ان اسباب کو ذکر کیا ہے جن سے فقر پیدا ہوتا ہے، جن چیزوں کو یہاں شمار کرایا گیا ہے ان کی تعداد اڑتیس (۳۸) ہے، طالب علم کو ان تمام سے اجتناب کرنا ضروری ہے، اخیر میں مصنفؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان تمام اشیاء کا مورث فقر ہونا آثار یعنی اقوال صحابہ و تابعین و اسلاف سے ثابت ہے۔

آئندہ سطور میں ان چیزوں کو شمار کرائیں گے جن سے روزی میں، عمر میں اور علم میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

وقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " اسْتَنْزِلُوا الرزق بالصَّدَقَةِ"، والبُكُوْرُ مُبَارَكٌ يَزِيْدُ في جميعِ النِّعَمِ، خُصُوْصاً في الرزقِ، وحُسْنُ الخطِّ مِنْ مَفَاتِيحِ الرِّزْقِ، وبَسْطُ الوَجْهِ وطِيْبُ الكلام يزيد في الرزق.

وعن الحسن بن عليٍّ: "كَنسُ الفِنَاءِ وغَسْلُ الإنَاءِ مَجْلَبَةٌ لِلغِنَاءِ"، وأقْوَى الأسْبَابِ الجَالِبَةِ لِلرِّزْقِ الصلاةُ بالتعظيمِ والخشوعِ، وتعديلِ الأركانِ وسَائِرِ وَاجِبَاتِها وسُنَنِها وآدابِها، وصلاةُ الضحى في ذلك مَعْرُوْفَةٌ مَشْهُوْرَةٌ، وقِرَاءَةُ سُوْرَةِ الواقعةِ خُصُوْصاً بالليل وَقْتَ النَّوْمِ، وقِرَاءَةُ سورةِ "تبَارَكَ الذي بِيَدِه المُلْكُ" وقِرَاءَةُ سُوْرَةِ "المُزَّمِّلِ" و "والَّيْلِ إذا يَغْشَى" و"ألم نَشْرَحْ لَكَ"، وحُضُوْرُ المَسْجِدِ قَبْلَ الأذانِ، والمُدَاوَمَةُ عَلَى الطهارةِ، وأدَاءُ سُنَّةِ الفَجْرِ والوِترِ في البَيْتِ، وأنْ لايَتَكَلَّم بِكَلامِ الدنيا بَعْدَ الوِتْرِ، ولا يكثر مُجَالَسَةَ النِّسَاءِ إلا عِنْدَ الحَاجَةِ، وأن لايَتَكَلَّم بِكَلامٍ لَغْوٍ غَيْرِ مُفِيْدٍ لِدِيْنِه ودُنْيَاهُ.

قيل: مَنْ اشْتَغَلَ بما لا يَعْنِيهِ يَفُوْتُه ما يَعْنِيهِ، قال بَزُرْجَمهَرُ: إذا رَأيْتَ الرَّجُلَ يُكْثِرُ الكَلامَ فَاستَيقِنْ بجُنُونِه.

وقال علي رضى الله عنه: إذا تَمَّ العَقْلُ نَقَصَ الكلامُ.

وقال المصنف رحمه الله تعالىٰ: اتَّفَقَ لي في هذا المعنى:

إذاتَمّ عَقلُ المَرءِ قَلّ كَلامُه	فَأيقِن بِحُمْقِ الْمَرْءِ إنْ كَانَ مُكثِراً
ما إن نَدِمتُ على سُكوتي مَرّةً	ولقد نَدمتُ على الكلام مِرَاراً

ترجمہ: اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کے ذریعہ روزی مانگو، صبح سویرے بیدار ہونا باعث برکت ہے، اس سے تمام نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، خاص طور سے رزق کی برکت کا (سبب ہے) حسن خط بھی اسباب رزق میں سے ہے، خوش روئی اور عمدہ گفتگو رزق میں اضافہ کرتی ہے۔

حضرت حسن بن علیؓ سے منقول ہے کہ صحن میں جھاڑو دینا اور برتنوں کو دھونا مالداری کا ذریعہ ہے۔

رزق کے حصول کے قوی ترین اسباب یہ ہیں: عظمت، خشوع وخضوع، تعدیل ارکان اور تمام واجبات، سنن اور آداب کے ساتھ نماز کو قائم کرنا، اس سلسلے میں چاشت کی نماز مشہور اور معروف ہے (چاشت کی نماز سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے فقر و فاقہ ختم ہوتا ہے)، سورہ واقعہ کا پڑھنا، خاص طور سے رات کو سوتے وقت، سورۂ مُلك، سورۂ مزمل، سورۂ واللیل إذا یغشی، اور سورۂ "الم نشرح" پڑھنا، اذان سے پہلے ہی مسجد میں آنا، پاکی پر پابندی کرنا (ہمیشہ پاک وصاف اور باوضوء رہنا)، فجر کی سنت اور وتر کی نماز گھر میں پڑھنا، وتر کی نماز کے بعد دنیاوی گفتگو نہ کرنا، بلا ضرورت عورتوں کے پاس نہ اٹھنا بیٹھنا، ایسی لغویات نہ کرنا جس میں دین ودنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص بیکار و بے فائدہ چیزوں میں لگ جاتا ہے اس سے مفید باتیں چھوٹ جاتی ہیں۔

(ابوشیرواں کے ایک عقلمند وزیر) بزرجمہر نے کہا ہے: جب تم کسی شخص کو زیادہ بولتا ہوا دیکھو تو اس کے مجنوں ہونے کا یقین کرلو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: جب عقل مکمل ہوجاتی ہے تو گفتگو کم ہوجاتی ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس معنی میں میرا یہ شعر بھی ہے:

جب انسان کی عقل مکمل ہوجاتی ہے تو اس کا کلام کم ہو جاتا ہے، اگر کوئی شخص بسیار گو اور زیادہ بولنے والا ہو تو اس کی حماقت اور بے وقوفی کا یقین کرلو۔

ایک دوسرے صاحب نے یہ شعر کہا ہے:

بولنا زینت ہے، (انسان اور حیوانات میں اسی سے فرق ہوتا ہے، عالم اور جاہل کے درمیان گفتگو ہی سے امتیاز ہوتا ہے) اور خاموش رہنا سلامتی ہے (ہر قسم کی برائی اور خطرات سے)، جب تم گفتگو کرو تو زیادہ نہ بولو، میں اپنی ایک مرتبہ کی خاموشی پر بھی شرمندہ نہیں ہوا، جبکہ گفتگو پر بار بار شرمندہ ہوا۔

حل لغات: استَنزِلُوا: استنزَلَ الشئيَ (استفعال، اصلہ نَزَلَ، صحیح سالم) استنزالاً: اتروانا، مَجلَبَةٌ: سبب، ذریعہ (ج) مَجَالِب، فَاستَيقِن: استيقَنَ الشئيَ وبہ (استفعال، اصلہ يَقِنَ، مثال یائی) استیقاناً: یقین کرنا، حُمُقٌ: مصدر ہے حَمُقَ (ک، صحیح سالم) حماقةً: کم عقل ہونا، ما إن نَدِمتُ: یہاں لفظ "إن" زائدہ ہے۔

تشریح: ماقبل میں مصنفؒ نے ان اسباب کو ذکر کیا تھا جن سے فقر پیدا ہوتا ہے، اب ان اسباب کو ذکر فرمارہے ہیں جن کو اختیار کرنے سے رزق میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ تقریباً بیس ایسے امور ذکر فرمائے ہیں جن کو عمل میں لانے سے رزق میں برکت اور زیادتی پیدا ہوتی ہے، اس میں نماز کو سب سے زیادہ قوی سبب مانا گیا ہے کہ اگر تمام ارکان کی ادائیگی اور سنن ومستحبات کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھی جائیگی تو اس کے یہاں فاقہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی روزی میں برکت دی جائیگی، حضرت ابراہیم نخعیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ جلدی جلدی نماز پڑھ رہا ہے رکوع اور سجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا ہے تو تم اس کے گھر والوں کے سلسلے میں فکرمند رہو کہ وہ فقر وفاقہ کا شکار نہ ہو جائیں، اور چاشت کی نماز کو زیادتی رزق کا مؤثر ذریعہ قرار دیا گیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ

اللہ تعالیٰ دن کے شروع میں اعلان فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو دن کے شروع میں چار رکعت پڑھ لیا کر میں تیری تمام ضروریات کے لیے کافی ہوں، اسی طرح چند سورتیں ہیں کہ ان کی تلاوت سے بھی فقر وفاقہ دور ہوتا ہے اور رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

ومِمَّا يَزِيْدُ في الرِّزْقِ ان يَقُوْلَ كُلَّ يَوْمٍ بَعْدَ انْشِقَاقِ الْفَجْرِ إلى وقتِ الصلاة مائةَ مرّة: "سبحان الله العظيم سبحان الله وبحمده، أستغفر الله وأتوب إليه"، وأن يقول: "لاإله الله الملك الحَقّ المبين" كل يوم صباحاً ومساءً مائة مرة.

وان يقولَ بَعْدَ صلاةِ الفَجْرِ كُلَّ يَوْمٍ: "الحمد لله، وسبحان الله، ولا إله إلاّ الله والله اكبر" ثلاثاً وثلاثين مرةً، وبَعْدَ صلاةِ المغرب أيضاً، ويستغفر الله تعالىٰ سبعين مَرَّةً بعد صلاة الفجر، ويُكْثِرَمِنْ قَوْلِ: "لاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم" والصلاة على النبي عليه السلام.

ويقول يوم الجمعة سبعين مرة: "أللهم أغني بحلالك عن حرامك، واكفِني بفضلك عمن سواك".

ويقول هذا الثناء كل يوم وليلة: أنت الله العزيز الحكيم، أنت الله الملك القدوس، أنت الله العليم الكريم، أنت الله خالق الخير والشر، أنت الله خالق الجنة والنار، أنت الله عالم الغيب والشهادة، أنت الله عالم السر وأخفى، أنت الله الكبير المتعال، أنت الله خالق كل شي، وإليك يعود كل شي، أنت الله ديان يوم الدين، لم تزل ولا تزال، أنت الله لا إله إلا أنت أحداً صمداً لم يلد ولم يولد لم يكن له كفواً احد، أنت الله لا إله إلا أنت الرحمن الرحيم، أنت الله لا إله إلا أنت الملك القدوس السلام

المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر، لا إله إلا أنت الخالق البارئ المصور له الأسماء الحسنى، يسبح له ما في السموات والأرض وهو العزيز االحكيم".

ترجمہ: رزق میں زیادتی کے اسباب میں سے ہے کہ ہر دن فجر کا وقت پھوٹنے کے بعد اور نماز سے پہلے سو مرتبہ کہے "سُبحَانَ اللہ العظیم سُبحَانَ اللہ وَ بِحَمدِہ، أَستَغفِرُ اللّٰہَ و اتوبُ إلَیہِ".

اور یہ کہ ہر دن صبح وشام سو مرتبہ یہ دعاء پڑھے: " لا إلَه إلّا الله المَلِكُ الحَقُّ المُبِينُ" اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے، برحق ہے اور حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔

اور فجر کی نماز کے بعد ہر دن تینتیس مرتبہ یہ دعائے پڑھے: "الحمد لله وسبحان الله ولا إله إلا الله والله أكبر" اور بعد نماز مغرب بھی، اور نماز فجر کے بعد ستر مرتبہ اللہ سے استغفار بھی کرے، کثرت سے " لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم" پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

جمعہ کے دن ستر مرتبہ یہ دعاء پڑھے: اللهم اغنِنِي بحَلاَلِكَ عَن حَرَامِكَ، واكفِنِي بِفَضلِكَ عَمَّن سِوَاكَ" اے اللہ! تو مجھے اپنے حلال مال کے ذریعہ حرام مال سے بے نیاز کردے، اور اپنے فضل سے اپنے علاوہ سے مجھے بے نیاز کردے۔

ہر دن ورات اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ تعریفی کلمات کہتا رہے:

أَنتَ اللهُ العَزِيزُ الحَكِيمُ (اے اللہ! آپ ہی زبردست حکمت والے ہیں)۔

أَنتَ اللهُ المَلِكُ القُدُّوسُ (آپ بادشاہ ہیں، تمام عیوب سے پاک ہیں)۔

أَنتَ اللهُ العَلِيمُ الكرِيمُ (آپ بہت زیادہ جاننے والے اور کرم کرنے والے ہیں)

أنتَ اللهُ خَالِقُ الخيرِ و الشرِّ (آپ ہی خیر وشر کو پیدا کرنے والے ہیں)۔
أنتَ اللهُ خَالِقُ الجنة و النار (آپ ہی جنت وجہنم کے پیدا کرنے والے ہیں)
أنتَ اللهُ عَالِمُ الغَيبِ و الشَّهَادَةِ (آپ ہی پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے ہیں)
أنتَ اللهُ عَالِمُ السِّرِّ و أخفىٰ (آپ ہی راز اور چھپی باتوں کو جاننے والے ہیں)
أنتَ الله الكبيرُ المُتعَالُ (آپ بڑے ہیں اور بلند وبالا ہیں)
أنتَ الله خالِقُ كُلِّ شئي (آپ ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں)
وَ إِلَيكَ يَعُودُ كُلُّ شئي (آپ ہی کی طرف ہر چیز لوٹنے والی ہے)
أنتَ الله دَيَّانُ يوم الدينِ (آپ ہی روز جزاء میں بدلہ دینے والے ہیں)
لم تَزَل و لا تَزَالُ (آپ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں)
أنتَ الله لا إلهَ إلّا أنتَ أحداً صَمَداً، لَم يَلِد ولَم يُولَد ولَم يَكُن لَهُ كفُوًا أحَدٌ (آپ وہ معبود ہیں کہ آپ کے سوا کسی کی بندگی نہیں، آپ بے نیاز ہیں، نہ آپ نے کسی کو جنا اور نہ ہی آپ کو کسی نے جنا، آپ کے جوڑ کا کوئی نہیں ہے)۔

أنتَ الله لَا إلهَ إلاّ أنتَ الرحمن الرحيم. (آپ ہی معبود ہیں، آپ ہی رحمٰن ورحیم ہیں)

أنت الله لا إله إلّا أنتَ المَلِكُ القُدُّوسُ السَّلامُ المؤمِنُ المُهَيمِنُ العزيزُ الجَبّارُ المُتكَبِّرُ. (آپ ہی معبود ہیں، آپ ہی بادشاہ ہیں، سب عیبوں سے پاک ہیں، سلامتی والے ہیں، امن دینے والے ہیں، پناہ میں لینے والے ہیں، زبردست ہیں، صاحب عظمت ہیں)۔

لاإلهَ إلّا أنت الخالقُ البارئ المصور له الأسماء الحسنى يسبح له ما في السموات والأرض، وهو العزيز الحكيم. (آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں،

آپ ہی پیدا کرنے والے، ٹھیک ٹھاک کرنے والے، صورت بنانے والے ہیں، آپ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اسی خدا کے لیے وہ تمام چیزیں تسبیح بیان کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، اور زبردست ہے حکمت والا ہے)۔

حل لغات: اغنِنِي: صیغۂ امر ہے، أغنَاہُ (افعال، اصلہ غَنِيَ، ناقص یائی) إغناءً: بے نیاز اور غنی کرنا، مال دار بنانا، اکفِنِي: صیغۂ امر ہے، کَفَاہُ (ض، ناقص یائی) کفَایَۃً: کافی ہونا، دوسرے کی محتاجگی سے بچانا، المُتَعَالِ: تَعَالَی (تفاعل، اصلہ: عَلَی، معتل اللام) تَعَالٍ: بلند و برتر ہونا، اور "المُتَعَالِ" اسم فاعل کا صیغہ ہے، جو اصل میں "مُتَعَالِيٌ" تھا، اور جب اسم منقوص معرف باللام یا مضاف ہو تو "یا" حالت رفع و جر میں ساکن ہو جاتی ہے، اور معرف باللام نہ ہو یا مضاف نہ ہو تو رفع و جر کی حالت میں "یا" حذف ہو جاتی ہے، یہاں معرف باللام ہونے کے باوجود "یا" حذف ہوگئی ہے اور حذف پر دلالت کے لیے "ل" پر جر باقی رکھا گیا ہے۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ نے طالب علم کو چند وظائف پڑھنے کے لیے فرمایا ہے، ان مذکورہ دعاؤں اور وظائف سے رزق میں وسعت اور برکت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً اللہ تبارک و تعالیٰ کے جو اسماء حسنہ ذکر کیے گئے ہیں ان کا پڑھنا تو بہت ہی باعث ثواب ہے، آئندہ سطور میں چند ان چیزوں کو بیان فرمائیں گے جن سے عمر میں برکت پیدا ہو جاتی ہے، اور طالب علم کو اپنی مختصر زندگی میں بہت کچھ حاصل کرنے کا موقعہ فراہم ہو جاتا ہے۔

ومِمَّا يَزِيْدُ فِي العُمُرِ: البِرُّ وتَرْكُ الأذَى، وتَوْقِيْرُ الشيوخِ، وصِلَةُ الرَّحِمِ، وأنْ يَقُوْلَ حِيْنَ يُصْبِحُ ويُمْسِي كُلَّ يَوْمٍ ثلاثَ مَرَّاتٍ: "سبحان الله مِلْءَ المِيْزَانِ، ومُنْتَهى العِلْمِ، ومَبْلَغَ الرِّضَاءِ، وزِنَةَ العَرْشِ، ولا إله إلا الله مِلْءَ المِيْزَانِ، ومُنْتَهى العِلْمِ، ومَبْلَغَ الرِّضَا، وزِنَةَ العَرْشِ، والله أكْبَرُ مِلْءَ

المیزان، ومنتهى العلم ومبلغ الرضا، وزنة العرش.

وان يَحترِزَ عَنْ قَطعِ الأشجَارِ الرَّطْبَةِ إلا عند الضُّرُوْرَةِ، وإسْبَاغِ الوضوءِ والصلاةِ بالتعظيمِ، وقراء ة القرآن، والقِرانُ بَيْنَ الحجّ والعُمْرَةِ، وحِفظُ الصِّحَّةِ.

ولابُدّ مِنْ ان يَتعلّمَ شَيْئاً مِنَ الطّبّ، ويَتبرّكَ بالآثَارِ الوَارِدَةِ في الطّبّ، التي جَمَعَها الشيخُ الإمامُ المُسْتَغْفِري في كِتَابِه المُسَمّى بـ" طِبّ النبى رسول الله صلى الله عليه وسلم، يَجِدُهُ مَنْ يَطْلُبُه.

والحمدُ لله على التمام، وصلى الله على سيدنا محمد أفضلِ الكرام، وآله وصحبه ولِأئمة الأعلام، على مَمَرّ الدُهُوْرِ وتَعَاقُبِ الأيّامِ. آمين

ترجمه: اور جن چیزوں سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے وہ یہ ہیں: نیکی کرنا، تکلیف نہ پہنچانا، اساتذہ کرام کی عزت کرنا، صلہ رحمی کرنا، اور ہر دن صبح وشام تینتیس مرتبہ یہ دعاء پڑھنا: "سبحان الله ملأ الميزان........" اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے میزان بھر، منتہائے علم ورضاء تک اور عرش کی بقدر (اخیر تک دعاء کا ترجمہ اسی طرح ہے)۔

اور تازہ ہرے بھرے درختوں کو بغیر ضرورت کے کاٹنے سے احتراز کرے۔

اور اچھی طرح وضوء کرنا، عظمت کے ساتھ نماز پڑھنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا، حج وعمرے کے احرام ایک ساتھ باندھنا، اور صحت کی حفاظت کرنا بھی (عمر میں اضافہ اور برکت کا سبب ہے)۔

طالب علم کے لیے علم طب کا کچھ حصہ سیکھنا بھی ضروری ہے، اور ضروری ہے کہ علم طب میں وارد ہونے والے آثار سے برکت حاصل کرے، جن کو شیخ امام ابو العباس المستغفریؒ نے اپنی کتاب "طب النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں جمع فرمادیا ہے، جو

اس کو تلاش کرے گا وہ اس کو پالے گا۔

کتاب کے مکمل ہونے پر تمام تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں، اور ہمارے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نازل ہو، اسی طرح آپ کی آل واولاد اور آپ کے بلند صحابہ پر ہمیشہ ہمیشہ درود نازل ہو۔

حل لغات: تَوقیر: وَقَرہُ (تفعیل، اصلہ وَقُرَ مثال، واوی) توقیراً: عزت واحترام کرنا، مِلْءُ: بکسر المیم وسکون اللام: کسی چیز کو بھر دینے والی مقدار، قرآن پاک میں ہے: "مِلْءُ الأرض ذهباً" اور میزان سے مراد میزان علم ہے جو قیامت کے دن قائم کیا جائے گا، جس کی وسعت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، مُنتَهَى: غایت، انتہاء، اللہ تعالیٰ کے علم کی انتہاء سے مراد تکثیر کو بیان کرنا ہے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم کبھی اپنی انتہاء کو نہیں پہنچے گا اور ختم نہیں ہوگا اسی طرح میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی تعریف اور پاکی بیان کرتا ہوں جو کبھی ختم نہیں ہوگی اور جس کو شمار نہیں کیا جاسکتا، زِنَة: مصدر ہے بمعنی وزن اور مقدار، أسبَاغ: أسبَغَ الوضوءَ (انعال، اصلہ: سَبَغَ صحیح سالم) إسبَاغاً: ہر عضو کو خوب اچھی طرح مکمل طریقہ سے دھونا، القِران: بکسر القاف، مصدر ہے بمعنی حج وعمرہ کے درمیان جمع کرنا، دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھنا (ج) قُرُنٌ، يتبرّكُ: تبرّكَ به (تفعل، اصلہ بَرَكَ، صحیح سالم) تبركاً: برکت حاصل کرنا۔

تشریح: جب مصنفؒ ان اسباب کی تفصیل سے فارغ ہو گئے جن سے رزق میں اضافہ اور برکت پیدا ہوتی ہے تو اب ان اسباب کو مختصراً بیان فرما رہے ہیں جن سے عمر میں اضافہ اور برکت ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ نیکی اور احسان کرنا، اپنے اساتذہ وشیوخ اور اکابرین کا ادب واحترام وتعظیم کرنا، اسی طرح اعزاء، اقرباء اور دوست واحباب کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرنا، عمر میں برکت کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔

خصوصاً صلہ رحمی کے سلسلے میں تو ایک حدیث بھی ہے:

"رُوِيَ عن النبي صلى الله عليه وسلم: "انَّ العَبدَ لَيَصِلُ رَحِمَهُ وَ بَقِيَ مِن عُمرِهِ ثَلَاثَةُ ايَامٍ فَيَزِيدُ الله أَجَلَه ثَلَا ثِين سَنَةً، وانَّ الرَّجُلَ لَيقطَعُ رَحِمَهُ وَ قَد بَقِيَ مِن أجَلِه ثَلَا ثُونَ سَنَةً فَيَرُدُّ اجَلُهُ إِلى ثلاثةِ ايَّامٍ"

یعنی کوئی بندہ صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کی زندگی کے صرف تین دن باقی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی صلہ رحمی کی وجہ سے اس کی عمر کو بڑھا کر تیس سال کر دیتا ہے، اور جب آدمی قطع رحمی کرتا ہے حلانکہ اس کی عمر کے تیس سال باقی ہوتے ہیں، تو اس کی قطع رحمی کی وجہ سے اس کی عمر تین دن کر دی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور صلہ رحمی کا معاملہ کرنا عمر میں اضافہ کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے، عمر میں اضافہ کا کیا مطلب ہے اس سلسلے میں ہم شروع فصل میں مفصل کلام کر چکے ہیں۔

ہرے بھرے درختوں کا نہ کاٹنا بھی عمر میں اضافہ اور برکت کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتی ہے، درخت بھی اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، ان کا کاٹنا ان کو اللہ کی تقدیس اور پاکی بیان کرنے سے روکنا ہے، ہاں اگر ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا جائے تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔

اسی طرح سنن و آداب کی رعایت کرتے ہوئے وضوء کرنا، نماز جیسی اہم ترین عبادت کو خشوع اور خضوع سے ادا کرنا، قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنا، ایک ہی احرام میں حج وعمرہ دونوں ادا کرنا اور اپنی صحت وتندرستی کی حفاظت کرنا، یہ سب چیزیں عمر میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں، حفظان صحت کے لیے کچھ علوم طب سے واقفیت بھی ضروری ہے، اس کے لیے امام ابو العباس مستغفریؒ کی مشہور ومعروف کتاب "طب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اپنے مطالعہ میں رکھنی

چاہیے، آج کل ہمارے ہندوستان میں اس کے اردو تراجم بھی دستیاب ہیں، لہٰذا بہتر ہے کہ طلبہ ان کو اپنے پاس رکھیں اور خوب استفادہ کریں۔

کتاب ختم کرتے ہوئے مصنفؒ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل واولاد وصحابہ پر درود وسلام بھیجا، تا کہ کتاب کی انتہاء بھی ابتداء کے موافق ہو جائے، اکابر واسلاف کا یہی طریقہ ہے۔

خاتمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور بے پایاں احسان سے آج اتوار اور پیر کی درمیانی شب آٹھ بجکر پندرہ منٹ پر، بتاریخ ۱۵ ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۰۶ء، بمقام جامعہ اسلامیہ عربیہ (قاسم العلوم) جامع مسجد امروہہ، میں یہ کتاب پایہ اختتام کو پہنچی، فالحمد لله أولاً و آخراً.

خدایا اس حقیر سی خدمت کو اپنی رضامندی کا ذریعہ بنا، اپنے فضل وکرم سے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ طفیل میں اپنی بارگاہ میں قبول فرما، طالبان علوم نبوت کے لیے مفید سے مفید تر ثابت فرما، بندے کے والدین اور تمام اساتذہ کرام کے لیے ذریعۂ آخرت بنا، اس مختصر سی خدمت کو قبولیت سے نواز کر مزید خدمت دین کی توفیق مرحمت فرما، حاسدین کے حسد اور مفسدین کے فساد سے حفاظت فرما، آمین، یارب العالمین۔

محمد عبدالرزاق قاسمی غفرلہ

خادم جامعہ اسلامیہ عربیہ (قاسم العلوم)

جامع مسجد امروہہ یوپی، انڈیا

۱۵/۴/۱۴۲۷ھ